

جلد نمبر  
16

عمران سیریز

## سبز لہو

53 - تصویر کی اڑان

54 - گیارہ نومبر

55 - مناروں والیاں

56 - سبز لہو

ابن صفی

## پیشترس

چھلا ناول ”خوفناک منصوبہ“ پڑھ کر کسی صاحبہ نے لکھا تھا  
 ”بھاڑ میں جائے آپ کا نیا تجربہ! فریدی کے ناول میں ابواب کے  
 عنوانات ضرور چاہئیں۔“ لیکن انہوں نے اس پر روشنی نہیں ڈالی کہ  
 ابواب کے عنوانات نہ ہونے سے انہیں کیا محسوس ہوتا ہے۔ کوئی  
 معقول وجہ بہر حال ہونی چاہئے! صرف یہی ایک خط اس کی مخالفت  
 میں موصول ہوا ہے!

زیادہ تر پڑھنے والوں کو کہانی پسند آئی اور انہوں نے فریدی کی  
 کہانیوں کے سلسلے میں اس تجربے کو سراہا بھی ہے۔

ایک صاحب کا خیال ہے کہ کہانی کو اتنی جلد ختم نہ ہونا چاہئے!  
 انجام تشنہ رہ گیا۔ میں ان سے متفق نہیں ہوں۔ غالباً وہ شفقت دی  
 جائٹ کے بارے میں تفصیل چاہتے تھے۔ میرے خیال میں ضروری  
 نہیں تھا۔ مرکزی خیال ”منصوبہ“ تھا نہ کہ شفقت!

بہر حال مجموعی طور پر یہ کہانی پسند کی گئی۔!

اب ملاحظہ ہو ”تصویر کی اڑان“ عمران کا خیال ہے کہ یہ اڑان  
 جوزف کی کھوپڑی سے طلوع ہو کر رحمان صاحب کے کمرے میں  
 غروب ہو گئی۔

عمران آپ کی توقعات پر اس بار ضرور پورا اترے گا۔ یعنی

ایکس ٹو کی حیثیت سے اس نے صرف حکم ہی نہیں چلایا ہے بلکہ خود بھی اپنی تمام تر حماقتوں سمیت کہانی کی رگ و پے میں جاری و ساری ہے۔

جوزف کے ہم وطن پرندے سے مل کر آپ یقیناً خوش ہوں گے۔ صفدر کی ذہانت اس بار خود عمران کو تعریفی کلمات ادا کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ ایک بات اور نوٹ کیجئے۔

کچھ حضرات نے ایک غلطی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ”خونفک منصوبہ“ میں فریدی کی ”لنکن“ کے تذکرے کے ساتھ ایک جگہ اچانک ”کیڈی“ پڑھتے ہیں اور تاؤ کھاتے ہیں۔ مجھ پر حالانکہ قصہ دراصل یہ ہے کہ کاتب صاحب مجھ سے کئی بار کہہ چکے ہیں کہ لنکن کو اگر فریدی کے لئے دوبارہ کیڈیلاک خرید دوں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ میرے کان پر جوں نہیں ریگنتی تو جھلاہٹ میں خود ہی کیڈی کا سودا کر بیٹھے!

والسلام

ابن صفی



فرناز ہال میں تصویروں کی بین الاقوامی نمائش ہو رہی تھی.... کئی ملکوں کے بے شمار آرٹسٹوں نے اس میں حصہ لیا تھا۔

لیکن یہ نمائش اپنی نوعیت کی انوکھی نمائش تھی.... یہاں صرف پرندوں کی تصاویر بھی تھیں.... دنیا بھر کے خوبصورت اور بدبیت پرندے۔

صرف پرندوں کی اڑائیں تھیں یہاں.... ایسی کوئی اڑان نہیں تھی کہ شاعر کو دل تھام کر کہنا پڑتا۔

اپنے مرکز کی طرف مائل پرواز تھا حسن

بھولتا ہی نہیں عالم تری انگڑائی کا

لہذا نمائش گاہ میں جہاں تل رکھنے کو جی چاہے وہاں تلوں کی بوریاں بھی رکھ دیتے تو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔

تجربیدی آرٹ کی نمائش بھی نہیں تھی کہ لوگ آڑی تر چھی اور بے ہنگم کلیروں.... زاویوں اور گنجلک دائروں میں چھپے ہوئے ”یہ“ ”یا“ ”وہ“ تلاش کرنے کے لئے ٹوٹ پڑتے۔

بہر حال یہاں مقابلے میں حصہ لینے والے آرٹسٹوں کی تعداد شائقین کی تعداد سے کہیں زیادہ تھی۔

اور شائقین میں وہ کالا اور طویل القامت آدمی سب کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا جو بالکل بچوں کے سے انداز میں حیرت سے دانت نکال نکال کر ایک ایک تصور کو بغور دیکھتا پھر رہا تھا۔

اس کے بعد نظر ٹہرتی تھی اس خوشنما بے وقوف جوان پر جو اڑتے ہوئے پرندوں کی تصویریں

دیکھتے وقت بے خیالی میں اپنے بازوؤں کو کبھی ڈھنوں کی طرح پھیلانے اور کبھی سکڑنے لگتا تھا۔

کبھی کبھی وہ دونوں آپس میں گفتگو بھی کرنے لگتے۔!

کریسٹن انہیں دیر سے دیکھ رہی تھی۔ دفعتاً اس نے سوچا کہ کیوں نہ ان کی گفتگو بھی سنی جائے۔  
کریسٹن سوئیڈن سے آئی تھی.... ”پرندے“ اس کا خاص موضوع تھا۔ عمر زیادہ سے زیادہ  
پچیس سال رہی ہوگی۔ خوش شکل اور اساتر تھی۔  
وہ ان کے پیچھے جا کھڑی ہوئی.... اس کا اندازہ تو پہلے ہی سے تھا کہ دونوں انگریزی میں گفتگو  
کر رہے ہیں۔

کالا آدمی کھلا ہوا ننگرو تھا.... اور دوسرا جوان مقامی ہو سکتا تھا یا پھر ترک یا ایرانی۔  
ننگرو اس سے کہہ رہا تھا۔ ”اب یہ تصویر دیکھو باس.... اس کی چونچ دیکھ کر برانڈی کی بوتل  
یاد آگئی!“

”ہاں....!“ جوان سر ہلا کر بولا۔ ”اور اس کی دم پر بھی نظر ڈالو بالکل لفافہ معلوم ہوتی ہے۔!“  
پھر وہ دوسری تصویر دیکھنے کے لئے یائیں جانب کھسکے.... کریسٹن بھی ان کے ساتھ ہی  
کھسک گئی تھی۔!

دفعتاً ننگرو نے ”غضب ہو گیا باس“ کہتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔  
”کیا ہوا؟“ جوان آدمی بو کھلا کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کالا آدمی بڑی طرح کانپ رہا تھا۔  
”بب.... باس جب تک سنہرے پروں والی تتلی سامنے نہ ہو.... میں آنکھیں نہیں کھول  
سکوں گا.... ہائے.... تباہی.... بربادی....!“

”کیا بکواس ہے؟“

”گھاؤنچ بھرا....!“

”دماغ.... تو نہیں چل گیا....!“

”باس.... یقین کرو.... کھلی ہوئی تباہی....!“

”یہ گھاؤنچ بھرا کیا بلا ہے....!“

”انتہائی درجہ منحوس پرندہ.... تم بھی اپنی آنکھیں بند کر لو باس....!“

”کتنی دیر کے لئے....؟“ جوان آدمی نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

”جب تک کہ سنہرے پروں والی تتلی آنکھوں کے سامنے نہ ہو۔!“

”یہاں.... تتلی....!“ جوان آدمی نے مایوسانہ انداز میں.... چاروں طرف دیکھا۔

کریسٹن اس بات پر چکر کر رہ گئی تھی.... اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا بکواس  
ہے.... وہ تو اس لئے ان کے ساتھ لگی تھی کہ اپنی بتائی ہوئی تصاویر کے بارے میں ان کی رائے  
سن سکے۔ اس کا خیال تھا کہ سیدھے سادھے لوگ فن کے بڑے اچھے نقاد ہوتے ہیں۔  
لیکن یہ بکواس.... بلاشبہ وہ افریقہ ہی کا ایک پرندہ تھا.... خود اسی نے وہ تصویر بتائی تھی....  
لیکن اس کے لئے یہ نام ”گھاؤنچ بھرا“ بالکل نیا تھا۔

پھر اس نے سوچا یہ آدمی افریقی ہی ہے ممکن ہے وہاں کی مقامی یا قبائلی زبان میں وہ ”گھاؤنچ  
بھرا“ ہی کہلاتا ہو۔

لیکن آخر اس پر اتنی بدحواسی کیوں؟ وہ اپنے باس سے کہہ رہا تھا کہ وہ بھی اپنی آنکھیں بند کر لے۔  
”جوزف“ دفعتاً جوان آدمی نے ننگرو کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔ ”گلدھے.... اگر میں آنکھیں بند  
کر لوں تو پھر ہم گھر کیسے پہنچیں گے؟“

”سنہری تتلی باس.... اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں.... تم نہیں جانتے کہ ”گھاؤنچ بھرا“  
موت کا قاصد ہے.... اپنے ساتھ آسمان سے برسنے والے تیر لاتا ہے۔!“

”او.... احمق.... یہ تو تصویر ہے....!“

”اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا باس....!“

”اچھا تو پھر میں تجھے یہیں چھوڑ کر واپس جا رہا ہوں.... اندھیرے میں ہی تلاش کروں گا کوئی  
سنہری تتلی....!“

”نہیں باس.... مجھے یہاں اس طرح نہ چھوڑو.... مجھے ساتھ لے چلو کل صبح تتلی تلاش کر لینا۔!“

”اچھا تو چل.... لیکن میرا دعویٰ ہے کہ تو اس طرح نکاسی کے دروازے تک بھی نہ پہنچ سکے گا۔!“

”میرا بازو پکڑ لو باس....!“

”ہرگز نہیں.... گھاؤنچ بھرا میرے ملک کا پرندہ نہیں ہے.... تمہارے ملک کا ہے تم ہی جھگڑو!“

”لیکن میں تو وفادار ہوں باس....!“ کالا آدمی کراہا۔

”اس وفاداری کے صلے میں صبح کو سنہری تتلی تلاش کر دوں گا.... اس وقت تمہاری کوئی مدد

نہیں کر سکتا۔!“

دفعتاً کریسٹن آگے بڑھ کر بولی۔ ”کیا میں آپ کی کوئی مدد کر سکتی ہوں۔!“

”مم..... مدو.....!“ جوان ہکلا یا..... وہ پہلے سے بھی زیادہ بے وقوف لگنے لگا تھا۔

”کیا سنہری تتلی کی تصویر سے کام چل جائے گا!“ کریسٹن بولی۔

جوان نے کالے آدمی کے شانے پر ہاتھ مار کر کریسٹن کا سوال دہرایا۔

”چل جائے گا..... تصویر سے بھی کام چل جائے گا باس.....!“ کالے آدمی کی آواز میں

سرست کی لہریں تھیں۔

”کچھ دیر ٹھہرنا پڑے گا..... پھر میں آپ لوگوں کو اپنی قیام گاہ پر لے چلوں گی!“

”یہاں کوئی تصویر نہیں ہے.....؟“ جوان نے پوچھا۔

”یہاں صرف پرندوں کی تصاویر ہیں.....!“ وہ دل آویزی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

”کیا تتلی چوپایہ ہے.....!“ جوان نے متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

”لیکن پھر بھی وہ پرندوں کی صف میں نہیں آتی!“

”یہ آپ لوگوں کی زبردستی ہے..... وہ بھی بیچاری اڑتی ہی ہے۔!“

”باس..... جھگڑانہ کرو..... ورنہ یہ اپنے ساتھ نہیں لے جائیں گی.....؟“ کالے آدمی نے گتھکھیا کر کہا۔

”تو چپ رہ..... یہ ایک علمی مباحثہ ہے۔!“

کریسٹن ہنس پڑی۔

”ہاں تو ثابت کیجئے کہ تتلی پرندہ نہیں ہے۔!“ جوان ضدی بچوں کے سے انداز میں بولا۔

”بہت مشکل ہے یہ ثابت کرنا.....!“ کریسٹن بات ماننے کی کوشش کرنے لگی۔

”تو پھر یہ نمائش ہی غلط ہے۔!“

کریسٹن ہنستی رہی۔

”اور میں کسی غلط جگہ ٹھہرنے کا قائل نہیں..... میں جا رہا ہوں.....!“

”باس رحم کرو مجھ پر..... تمہارا چھوڑ کر نہ جاؤ.....!“

”یہ تمہیں اپنے گھر لے جائیں گی.. وعدہ کر چکی ہیں..... لہذا میری موجودگی غیر ضروری ہے۔!“

”باس خدا کے لئے.....!“ کالا آدمی رو ہانسا ہو گیا۔

نوجوان احقانہ انداز میں ہنس کر بولا۔ ”یہ جتنا گھناؤنچہ برا قسم کی چیزوں سے ڈرتا ہے اتنا ہی

ورت سے بھی ڈرتا ہے۔!“

”باس نہ جاؤ.....!“

”آپ لوگ عجیب ہیں.....!“ کریسٹن بدستور ہنستی ہوئی بولی۔

”آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹا.....!“ جوان نے کالے آدمی کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔

”مجھے معاف کر دو باس.....!“

”میں کہتا ہوں..... تماشہ نہ بن..... ہاتھ ہٹالے..... آنکھیں بند رکھ.....!“

”میں جلد ہی چل سکوں گی.....!“ کریسٹن بولی۔ ”میرا نام کریسٹن ہے..... آپ ادھر چل

لاؤنچ میں بیٹھیں۔!“

”میں علی عمران ہوں..... اور یہ نالائق جوزف..... اچھی بات ہے..... بہت بہت شکریہ۔!“

اس نے جوزف کا بازو پکڑا اور بوکھلائے ہوئے انداز میں اسے گھسیٹا ہوا لاؤنچ کی طرف بڑھنے لگا۔

لاؤنچ خاصا آباد تھا..... ہال کی مناسبت سے یہاں زیادہ ہی بھیڑ تھی۔ خال خال ہی کرسیاں

لی نظر آرہی تھیں۔

عمران نے دو کرسیاں منتخب کیں اور ایک پر جوزف کو بٹھاتا ہوا بڑبڑایا۔

”اے جب آنکھیں ہی نہیں ہیں تو کیا نمائش سو گھننے آیا ہے۔!“

جوزف کچھ نہ بولا۔ آنکھیں بند کئے ہوئے کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

عورتوں بچوں اور مردوں کے ملے جلے شور سے لاؤنچ گونج رہا تھا۔ کچھ لوگ تصاویر کے

من و منہ پر بحث کر رہے تھے۔ ان کے قریب ہی ایک تین سالہ صاحب زادے والدہ محترمہ کی

دیس میں بیٹھے ان کی ٹھوڑی کو ہاتھ لگا لگا کر گارہے تھے۔

جان من اتا تادو

محبت..... محبت..... محبت ہے کیا

”ٹیپو..... چپ بیٹھو.....!“ وہ اسے جھڑک کر بولیں..... اور پھر اپنے ساتھ والی خاتون سے

ٹلو کرنے لگیں۔

”باس میں کیا کروں.....؟“ جوزف کراہا۔

”اب کیا بتاؤں..... تو آنکھیں نہیں کھول سکتا ورنہ میں تجھے آنے والی نسل کا ٹیپو دکھاتا۔!“

ان خاتون نے پلٹ کر اسے غصیلی نظروں سے دیکھا اور بے چارے ٹیپو کو جھنجھوڑ کر گود سے اتار دیا۔  
اس کے بعد وہ پھر ساتھی خاتون کی طرف مڑ گئی تھیں۔

بچہ کھڑا بسور تار ہا۔۔۔ عمران نے جیب سے چیونگم کا پیکٹ نکال کر اسے دکھایا۔۔۔ سکرے ہوئے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ چند لمحے ترچھی ترچھی نظروں سے چیونگم کے پیکٹ اور عمران کو دیکھتا رہا پھر کھنچا چلا آیا۔

”شاباش۔۔۔!“ عمران اُسے پیکٹ دے کر پیٹھ تھپکتا ہوا بولا۔ ”بہت اچھے۔۔۔ بچے ہو۔۔۔ خدا عمر میں برکت دے۔!“

وہ خاتون اچانک خاموش ہو گئیں۔۔۔ لیکن مڑ کر عمران کی طرف دیکھا نہیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ عمران پر ٹوٹ پڑنے کے لئے کسی مناسب سے موقع کی منتظر ہوں۔

لیکن عمران صرف ٹیپو میاں کی کمر تھپکتا رہا اور وہ خود چیونگم کا پیکٹ پھاڑتے رہے۔  
پھر وہ محترمہ اپنی ساتھی سمیت اٹھ گئیں۔۔۔ اور عمران کی طرف دیکھے بغیر ٹیپو کا ہاتھ پکڑا اور گھسیٹتی ہوئی لاؤنچ سے چلی گئیں۔!

عمران ٹھنڈی سانس لے کر جوزف کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

”باس!“ جوزف کچھ دیر بعد کراہا۔ ”یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ تم یہاں آئے ہی کیوں تھے؟“

”ابے واہ۔۔۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ فنون لطیفہ سے محظوظ ہو نیکاح مجھے بھی حاصل ہے۔!“

”میں نے تمہیں کبھی اس طرح وقت برباد کرتے نہیں دیکھا باس۔۔۔!“

”ابھی تو نے دیکھا ہی کیا ہے۔۔۔! جمعہ جمعہ آٹھ دن کی پیدائش۔۔۔ ہو نہہ۔!“

”اگر مجھے کسی بات پر سزا ہی دینا مقصود ہوا کرے تو گھر پر دے دیا کرو۔۔۔ اب یہاں میں کیا

کروں۔۔۔ کہاں جاؤں۔۔۔؟“

”بس خاموش رہ۔۔۔ تو نے میرا موڈ چوہٹ کر دیا۔۔۔ اگر زیادہ بوری کرے گا تو اٹھ کر چل

دوں گا۔۔۔ ہاں۔۔۔!“

اتنے میں کریسٹن واپس آگئی۔

”ہاں۔۔۔ اب چلے آپ لوگ۔۔۔!“ اس نے کہا۔

وہ ہال سے باہر آئے۔۔۔ ان دنوں عمران کے پاس فیٹ الیون ہنڈریڈ تھی۔ کریسٹن غالباً

ٹیکسی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ لیکن جب عمران نے اس کے لئے گاڑی کا دروازہ کھولا تو خوش ہو کر بولی۔ ”یہ تو بہت اچھا ہوا۔۔۔ مجھے اکثر ٹیکسی حاصل کرنے میں بڑی دشواری ہوتی ہے۔!“

اسے پچھلی سیٹ پر بٹھانے کے بعد عمران نے جوزف کو اگلی سیٹ پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ ”مردود آنکھیں بند کئے کئے سونہ جانا۔!“

کریسٹن سوچ رہی تھی۔۔۔ عجیب لوگ ہیں اسے توقع تھی کہ کالے آدمی کو پچھلی سیٹ پر بٹھائے گا اور اگلی سیٹ کا دروازہ اس کے لئے کھولے گا۔

”کہاں چلنا ہے۔۔۔!“ عمران نے مزے بغیر اس سے پوچھا۔

”گراؤڈ ہو ٹل۔!“

”کار حرکت میں آگئی۔۔۔ پتہ نہیں کیوں کریسٹن کی خواہش تھی کہ وہ بولتی رہے۔!“

”کیا آپ لوگ خود بھی پینٹر ہیں۔۔۔!“ اس نے اونچی آواز میں پوچھا۔

”نہیں مادام۔۔۔!“ جوزف کراہا۔

”کیا آپ مجھے اس پرندے کے بارے میں وضاحت سے بتائیں گے۔!“

”مادام آپ نے اس منحوس پرندے کو کہاں دیکھا تھا۔!“

”اپنے یہاں کے چڑیا گھر میں۔!“

”وہ چڑیا گھر اب تک یقیناً تباہ ہو چکا ہو گا۔!“

”ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔!“

”تو اب ہو جائے گا۔۔۔ مادام۔۔۔ گھاؤنچ بھرا۔۔۔ تباہی کا نقیب ہے۔!“

وہ ہنس پڑی۔۔۔ اور جوزف بڑبڑایا۔ ”ترقی یافتہ لوگ ان باتوں کو مضحکہ خیز سمجھتے ہیں۔ لیکن

کبھی نہ کبھی ان کی آنکھیں کھل ہی جاتی ہیں۔!“

”اوہ معاف کرنا۔۔۔ اگر تمہارے جذبات کو ٹھیس لگی ہو۔۔۔!“

”کوئی بات نہیں مادام۔۔۔!“ جوزف گلوگیر آواز میں بولا۔

پھر کریسٹن خاموش ہو گئی۔

”پتہ نہیں کیوں اب وہ سوچ رہی تھی کہ اس سے حماقت سرزد ہوئی ہے۔ نہ جانے یہ دونوں

کون ہیں اور اس سے کس طرح پیش آئیں اس ملک میں قدم رکھے ابھی ایک ہفتہ ہی ہوا ہے۔ پتہ

نہیں یہاں کے لوگ حقیقتاً کیسے ہوں۔!“

کچھ دیر بعد کارگر انڈ ہوٹل کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔

”اسے لے جائیے۔۔۔!“ عمران نے کریسٹن کے لئے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

”اور آپ۔۔۔!“ وہ نیچے اترتی ہوئی بولی۔

”میں گھاؤنچ ببرا کی بیماری میں مبتلا نہیں ہوں۔!“

”لیکن۔۔۔۔۔ یہ تو آنکھیں ہی نہیں کھولتے اور میں ان کا بازو پکڑ کر نہیں لے جاسکتی۔!“

عمران نے اگلی سیٹ کا دروازہ کھول کر جوزف کو نیچے کھینچ لیا اور دانت پیس کر بولا۔ ”پہل ساری

زندگی میرے لئے مصیبت بن رہی ہے۔۔۔۔۔ تیرے والدین تو کہیں عیش کر رہے ہوں گے۔!“

”والدین کا نام نہ لو باس۔۔۔۔!“ جوزف ہانپتا ہوا بولا۔ ”آنکھیں کھلی ہوئیں تو رو کر ہی جی کا بار

ہکا کر لیتا۔!“

”چل۔۔۔۔۔!“ عمران نے اسے دھکا دیا اور اس کا بازو پکڑ کر چلتا رہا۔

اتفاق سے لفٹ میں ان تینوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ ورنہ وہ بھی انہیں آنکھیں پھاڑ کر دیکھتا۔

دوسری منزل کے گیارہویں کمرے کے سامنے رک کر کریسٹن نے دروازے کے قفل میں

کنجی گھمائی۔ دروازہ کھول کر اندر گئی تھی اور کمرے میں روشنی کر نیچے بعد ان سے اندر آنے کو کہا تھا۔

یہ تین چھوٹے چھوٹے کمروں کا سیٹ تھا۔

”آپ لوگ بیٹھے۔۔۔۔۔ میں اپنا الیم لاتی ہوں۔۔۔۔۔ اور اس وقت پینے کے لئے گرم گرم کافی ہی

مناسب رہے گی۔!“

عمران نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا تھا لیکن وہ اس کی بات سننے کے لئے رکی نہیں تھی اور

عمران اس طرح منہ چلانے لگا تھا جیسے حقیقتاً کچھ کہنے کا ارادہ نہ رہا ہو۔

کریسٹن کے چلے جانے کے بعد اس نے جوزف کو جھنجھوڑ کر کہا۔ ”دیکھا تو نے۔۔۔۔۔ اب تیری

وجہ سے کافی بھی پینی پڑے گی۔۔۔۔۔ صورت حرام۔۔۔۔۔!“

”اب میں خود کشی کر لوں گا باس۔۔۔۔۔!“

”یہاں نہیں۔۔۔۔۔!“

اتنے میں کریسٹن واپس آگئی۔۔۔۔۔ لیکن اس کے چہرے پر بدحواسی کے آثار تھے۔۔۔۔۔

نیری طرح کانپ رہا تھا۔

”کک۔۔۔۔۔ کیا آپ۔۔۔۔۔ کچھ پریشان ہیں۔۔۔۔۔!“ عمران اٹھ کر بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔

لیکن وہ اسے جواب دینے کے بجائے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ آنکھیں پھیل رہی تھیں

اور وہ۔۔۔۔۔ اس طرح بانپ رہی تھی جیسے میلوں سے دوڑتی چلی آئی ہو۔!

”کک۔۔۔۔۔ کیا آپ کی طبیعت خراب ہے۔!“ عمران نے پھر پوچھا۔

اس نے اس کی طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔۔۔۔۔ اور دھم سے کرسی کی پشت سے جا لگی۔

آنکھیں بند ہو گئیں۔۔۔۔۔ عمران اسے غور سے دیکھتا رہا۔۔۔۔۔ پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”ہو گیا کچھ گھاؤنچ ببرا۔۔۔۔۔!“

”کیا بات ہے۔۔۔۔۔ بب۔۔۔۔۔ باس۔۔۔۔۔!“ جوزف نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”تو بس چپ ہی رہ۔۔۔۔۔ ورنہ گلا گھونٹ دوں گا۔۔۔۔۔!“

”تو مجھے بھی بتاؤ نا۔۔۔۔۔ میں کب تک آنکھیں بند کئے بیٹھا رہوں گا۔!“

عمران اس کی طرف دھیان دیئے بغیر کریسٹن کی طرف بڑھا۔ اس کی آنکھیں بدستور بند

تھیں اور سانس اب معمول پر آتی جا رہی تھیں۔

”کیا ہم لوگ واپس جائیں!“ عمران نے اس کے قریب پہنچ کر پوچھا۔ لیکن جواب نہیں ملا۔

شانہ پکڑ کر بلایا مگر آنکھیں نہ کھلیں۔

”مجھے بتاؤ باس۔۔۔۔۔ کیا بات ہے۔۔۔۔۔!“

”یہ بے ہوش ہو گئی ہے۔!“

”خدا غارت کرے۔۔۔۔۔ دیکھا تم نے باس۔۔۔۔۔ اب میرا منہ نہ اڑانا۔۔۔۔۔!“

”لیکن تمہاری آنکھیں کیسے کھلیں گی۔۔۔۔۔ اس کے ہاتھ میں الیم نہیں ہے۔!“

”یہ تو بہت بُرا ہوا۔۔۔۔۔ خیر اب تم مجھے واپس لے چلو۔۔۔۔۔ صبح ہی آنکھیں کھولوں گا۔!“

”خاموش بیٹھو۔۔۔۔۔!“ عمران نے کہا اور اس دروازے سے دیکھنے لگا جس سے وہ آئی تھی۔

ایک بار پھر اسے بلانے جلانے کے بعد وہ دروازے کی جانب بڑھا۔

یہ بھی ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔۔۔۔۔ بیڈ روم کہنا چاہئے یہاں ایک بستر اور ایک چھوٹی میز کے

علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔!

بائیں جانب بھی ایک دروازہ نظر آیا.... وہ بھی کھلا ہوا تھا.... روشن بھی تھا۔  
جیسے ہی عمران نے تیسرے کمرے میں قدم رکھا اسے دروازے کے قریب ہی رک بانا پڑا۔  
وہاں ایک لاش تھی.... ایک آدمی فرش پر اوندھا پڑا تھا اور اس کے پشت میں ایک خنجر  
دستے تک بیست تھا.... کسی نے ایسی جگہ تاک کر وار کیا تھا کہ یقینی طور پر دل کو چھید گیا ہوگا۔  
دوسوٹ کیس کھلے پڑے تھے اور ان کی چیزیں ادھر ادھر بکھری ہوئی تھیں۔ کپڑے کاغذات  
کتائیں، مجلد کاپیاں۔

عمران چند لمحے ساکت کھڑا رہا۔ پھر لاش کی طرف توجہ دینے کی بجائے مجلد کاپیاں اٹھنے لگے۔  
اور پھر شاید وہ الیم اس کے ہاتھ آگیا جس کا تذکرہ کریسٹن نے کیا تھا۔ بڑی تیزی سے اس کے  
ورق التارہا.... اور بالآخر سنہری تتلی کی تصویر بھی مل گئی!

وہ پھر اسی کمرے میں پلٹ آیا.... جہاں کریسٹن اور جوزف کو چھوڑ آیا تھا۔  
اسے جس طرح چھوڑا تھا ویسے ہی ملی۔ جوزف آنکھیں بند کئے کرسی پر تباہ بیٹھا تھا۔  
تتلی والا صفحہ اس کے چہرے کے قریب لا کر عمران آہستہ سے بولا۔ ”کھول دے آنکھیں۔“  
جوزف کے ہونٹوں پر کپکپاتی ہوئی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔  
تتلی پر نظر پڑتے ہی بانچھیں کھل گئیں۔

”بس خاموش بیٹھا رہ.... میں ابھی آیا۔“ عمران نے کہا اور پھر اس کمرے کی طرف جھپٹا چلا  
گیا جہاں لاش پڑی دیکھی تھی جیب سے رومال نکال کر الیم کے کور کی صفائی کی اور اسے پھر وہیں  
ڈال کر واپس چلا آیا۔

جوزف حیرت سے آنکھیں پھاڑے کریسٹن کو گھورے جا رہا تھا جس کی حالت میں اب بھی  
کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔

”اسے کیا ہوا ہے باس....!“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”گھاؤنچ بھرا....!“

”اب نام نہ لو اس منحوس کا....!“

”اٹھو....!“

جوزف نے کرسی چھوڑ دی.... عمران نے کرسی کے ہتھے صاف کئے اور اس کی بھی صفائی

کر ڈالی جس پر خود بیٹھا تھا.... جوزف اسے حیرت سے دیکھتا رہا لیکن کچھ بولا نہیں۔

پھر عمران نے اسے دروازے کی طرف دھکیلا۔

”باس.... وہ بے چاری....!“

”خاموشی سے نکل چلو....!“

وہ راہداری میں آئے.... عمران دروازے کے دونوں ہینڈل صاف کرنا بھی نہیں بھولا تھا۔

کچھ دیر بعد ان کی گاڑی ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ کے قریب رکی۔ عمران جوزف کو گاڑی ہی

میں چھوڑ کر اتر گیا۔

فون پر صفدر کے نمبر ڈائل کئے۔ وہ دوسری طرف موجود تھا۔ عمران نے ایکس ٹو کی آواز میں

کہا۔ ”صفدر گرانڈ ہوٹل کی دوسری منزل کے گیارہویں کمرے میں سویٹزن کی ایک آرٹسٹ

کریسٹن رہتی ہے۔ آج جب وہ فرناز ہال سے اپنے کمرے میں واپس آئی تو اسے وہاں ایک لاش

ملی۔ لاش دیکھتے ہی وہ بے ہوش ہو گئی ہے۔ کمرے میں اس کے علاوہ اس وقت اور کوئی نہیں ہے۔

تمہیں سب سے پہلے پولیس کو مطلع کرنا ہے اور اس کیس پر پوری طرح نظر رکھنی ہے۔!“

”بہت بہتر جناب....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”ہری اپ....!“ کہہ کر عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

پھر جب وہ کار اسٹارٹ کر رہا تھا.... جوزف نے کہا۔ ”شاید میرا داغ چل گیا ہے۔!“

”کیوں....؟ کیا اندھیرے میں کچھ دیکھا ہے۔!“

”نہیں باس.... وہ بے چاری....!“

”ابے عورتوں کا ہمدرد کب سے ہو گیا ہے۔!“

”ایک نیک عورت نے مجھ سے بھی تو ہمدردی کی تھی۔!“

”تو میں نے کب اس کا گلا گھونٹا ہے۔!“

”وہ بے ہوش کیوں ہو گئی تھی باس....!“

”گھاؤنچ بھرا.... اور دیکھ اب کسی کے سامنے یہ نام تیری زبان سے نہ نکلنے پائے۔!“

”میں کیوں نام لینے لگا.... تم بھی بار بار نہ دہراؤ....!“

”اور اُس ہمدرد عورت کو بھی بھلا دو....!“



”کیا مرگئی تھی باس.....!“

”میں کہتا ہوں اب اس کا تذکرہ بند.....!“

”اوکے باس..... اب نام نہیں لوں گا۔ لیکن باس..... میں کہنا بھول گیا تھا میرا نشہ اکھڑ رہا ہے۔!“

”گھر چل کر جمادوں گا۔!“

”اچھا باس.....!“ اس نے بھاڑ سامنے کھول کر جمائی لی۔

کار تیزی سے..... سڑکیں طے کر رہی تھی۔

کچھ دیر بعد جوزف نے پھر جمائی لی اور بولا۔ ”گھر کب آئے گا باس.....!“

”اللہ مالک ہے۔!“

”میری رگیں ٹوٹ رہی ہیں باس.....!“

”ان ٹوٹی ہوئی رگوں سے ایک رسی بڑا اور اس کا پھندہ اپنے گلے میں ڈال او..... ناٹلیں میں

کھینچ دوں گا۔!“

جوزف ہونٹ بھیج کر کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔ عمران یونہی بلا مقصد گاڑی نہیں دوڑاتا پھر رہا

تھا۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ اس کا تعاقب کیا جا رہا ہے۔

گرانڈ ہوٹل سے روادگی کے وقت اس نے ذہیان نہیں دیا تھا لیکن جب وہ پبلک نیلی فون بوتھ

سے نکل کر دوبارہ گاڑی پر بیٹھ رہا تھا اس نے قریب ہی گاڑی اشارت ہونے کی آواز سنی تھی۔

اس نے تھرٹینتھ اسٹریٹ میں اپنی گاڑی موڑ دی۔

”ابھی تک اس کی نحوست سے چھٹکارا نہیں ہوا.....!“ جوزف کراہا۔

عمران عقب نما آئینے میں پچھلی گاڑی کی روشنیاں دیکھ رہا تھا۔

تھرٹینتھ اسٹریٹ میں بھی اس کے محکمے کی ایک عمارت تھی اور وہ وہیں رک کر تعاقب کرنے

والوں کے بارے میں اندازہ کرنا چاہتا تھا۔

اس نے گاڑی ایک جگہ روکی اور نیچے اتر کر اس کا ہونٹ اٹھانے لگا۔ دوسری گاڑی قریب سے

گزر کر آگے بڑھتی چلی گئی۔

”کیا چکر ہے باس.....!“ جوزف بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

عمران کچھ نہ بولا۔ اس نے محسوس کیا کہ اگلے موڑ پر جا کر وہ گاڑی بھی رکی ہے۔

اس نے ہونٹ گرا کر دوبارہ اسٹیرنگ سنبھالا اور گاڑی کو آہستہ آہستہ بیک کرتا ہوا ایک گلی تک لایا۔

اس گلی سے اندر ہی اندر وہ اگلے موڑ تک پہنچ سکتا تھا جہاں اس کے اندازے کے مطابق

تعاقب کرنے والی گاڑی پارک کی گئی تھی۔

لیکن جب وہ وہاں پہنچا تو دور دور تک کسی گاڑی کا پتہ نہیں تھا۔

”ہم کیا کرتے پھر رہے ہیں باس.....؟“ جوزف نے پھر جمائی لے کر پوچھا۔

”کچھ نہیں.....! شاید اب گھر ہی چلیں.....!“ عمران بڑبڑایا۔

اس نے تعاقب کرنے والی گاڑی کے نمبر ذہن نشین کر لئے تھے۔



دوسری صبح جوزف جگائے جانے ہی پر اٹھا تھا۔

”کیا ہے.....؟“ وہ سلیمان کو پھاڑ کھانے دوڑا۔

”بادا بیٹھے ہیں تمہارے ڈرائیونگ روم میں۔!“

”کیا باکتا.....!“

”چل کر دیکھ لو.....!“

”میں نہیں جانتا..... کون ہائے..... بولو.....!“

”کیپٹن فیاض.....!“

”باس کہاں ہے.....؟“

”باس کو تو وہ ڈکشنری میں تلاش کر رہا ہے۔!“

جوزف انگڑائیاں اور جمائیاں لیتا ہوا اٹھ بیٹھا۔

پھر ڈرائیونگ روم تک پہنچنے میں اسے دس منٹ لگے تھے اور اس وقفے میں اس نے صرف دو

کام کئے تھے۔ منہ پر چھینٹے دیئے تھے اور خالی پیٹ ٹھرے کا پورا اگلا س چڑھا گیا تھا۔

فیاض کو اس نے فوجی انداز میں سلام کیا۔

”بیٹھ جاؤ!“ فیاض نے اسے نرم لہجے میں مخاطب کر کے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

جوزف نے بڑے سعادت مندانہ انداز میں تعمیل کی۔

”عمران کہاں ہے.....؟“

”پتہ نہیں جناب.... وہ مجھے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاتے!“  
 ”بچھلی رات میں نے تم دونوں کو پرندوں کی نمائش میں دیکھا تھا!“  
 ”میں نے اپنی عمر میں اتنی اچھی نمائش نہیں دیکھی جناب!“  
 ”لیکن تم نے اپنی آنکھیں کیوں بند کر لی تھیں!“

”اوہ....!“ اب جوزف کو ہوش آیا.... بچھلی رات وہ اور عمران ایک بے ہوش عورت کو اس کے حال پر چھوڑ آئے تھے۔ کہیں کوئی چکر نہ ہو۔  
 ”تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا!“  
 ”کیا بات تھی جناب....؟“  
 ”تم نے اپنی آنکھیں کیوں بند کر لی تھیں....؟“  
 ”میں بہت زیادہ نشے میں تھا بچھلی رات.... باس نہ ہوتے تو میں پتہ نہیں کہاں ہوتا۔ آپ باس ہی سے پوچھ لیں!“  
 ”تم کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہو....!“  
 ”مجھے کچھ یاد ہی نہیں میں چھپاؤں گا کیا!“  
 ”لیکن تم پرندوں کی نمائش میں گئے تھے۔“  
 ”مجھے اس سے انکار نہیں ہے۔!“  
 ”یہ اتنا کیسے یاد رہا....!“

”فرناز ہال کے قریب ہی ایک بار بھی ہے.... بار میں بیٹھے بیٹھے مجھے خیال آیا تھا کہ مجھے بھی یہ نمائش دیکھنی چاہئے!“  
 ”عمران بھی تھا تمہارے ساتھ....!“

”اور کیا.... وہی تو پلوار ہے تھے.... خدا ایسا مالک سب کو دے۔ میں تو انہیں اپنا باپ سمجھتا ہوں۔ کیپٹن میں آپ کو کیا بتاؤں.... جب وہ پیار سے میرے سر پر ہاتھ پھیرتے ہیں تو میں اپنی قیمتی کادکھ بھول جاتا ہوں!“ جوزف کی آواز گلوگیر ہو گئی اور آنکھیں بھر آئیں۔

فیاض اسے قہر آلود نظروں سے دیکھتا رہا۔

”آسانی باپ کے بعد اسی باپ کا سہارا ہے مجھے کیپٹن....!“

ٹھیک اسی وقت عمران کمرے میں داخل ہوا۔ حالت بتا رہی تھی جیسے کوئی لمبا سفر درپیش رہا ہو۔  
 ”آہ!“ اس نے فیاض کو دیکھ کر دونوں ہاتھ پھیلائے۔ ”اس خوش گوار موقع پر کیا ہونا چاہئے!“  
 فیاض اسے چھیتی ہوئی نظروں سے دیکھتا رہا۔

”جوزف تو یہاں کیا کر رہا ہے.... جا کر ناشتے کے لئے کہہ دے!“ عمران بولا۔  
 ”جی نہیں.... جوزف کی موجودگی بھی ضروری ہے۔!“  
 ”سلیمان....!“ عمران نے ہانک لگائی اور سلیمان دوڑا آیا۔  
 ”جی صاحب....!“

”تو بھی بیٹھ....!“ عمران نے جوزف کے برابر والی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔  
 ”یہ کیا شروع کر دیا تم نے....؟“ فیاض غرایا۔

”میں سمجھا شائد سلیمان کی موجودگی بھی ضروری ہو....!“  
 ”تم دونوں میرے ساتھ میرے آفس تک چلو گے۔!“  
 ”مجھ میں تو اس وقت غسل خانے تک جانے کی بھی تاب نہیں ہے۔!“  
 ”عمران....؟“

”یس پلیز.... کیپٹن فیاض....!“  
 ”میں اس وقت ڈیوٹی پر ہوں۔!“

”حکومت کا شکر گزار ہوں کہ اس نے تمہاری ڈیوٹی غریب خانے پر لگا دی ہے۔ کیوں سلیمان وہ بچے اب بھی تیرے پیچھے تالیاں بجاتے ہیں۔!“

”بہت چھیڑتے ہیں صاحب.... کہتے ہیں وہ دیکھو مسٹر عمران کا باور چان جا رہا ہے۔!“  
 ”خیر اب فکر کی بات نہیں.... حکومت نے ہماری فریاد سن لی۔!“

”کیا تم یہ چاہتے ہو کہ کچھ لوگ کھینچ کر تمہیں زبردستی لے جائیں۔!“ فیاض نتھنے پھلا کر بولا۔  
 ”سلیمان اب تمہاری موجودگی ضروری نہیں۔!“ عمران نے سلیمان سے کہا اور وہ چپ چاپ اٹھ کر چلا گیا۔

”ہاں.... تو جوزف کی موجودگی کیوں ضروری ہے جناب....!“ عمران نے اسے پوچھا۔  
 ”یہ بچھلی رات تم دونوں پرندوں کی نمائش میں تھے۔!“

پورے محلے کو گھاؤنچ بھرا ہو گیا تو میرے والد صاحب کا کیا ہو گا۔!

”ابھی ان تک بات نہیں پہنچی....!“ فیاض عمران کو گھورتا ہوا بولا۔

”میرے بھائی پہنچنے بھی مت دینا.... میں ان کے بڑھاپے میں گھاؤنچ بھرا کی شمولیت ہرگز پسند نہیں کروں گا۔!“

”اب سیدھی ہی طرح بتاؤ کہ تم نے اس کے ساتھ جانے کے لئے یہ ڈراما کیوں کیا تھا۔!“  
 ”کیپٹن فیاض! تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ وہ میرے لئے بالکل اجنبی تھی اور یہ پیش کش اس کی تھی کہ ہم اس کے ساتھ جا کر سنہری تتلی دیکھ سکتے ہیں۔!“  
 ”میں یقین نہیں کر سکتا۔!“

”تب پھر تم مجھے اس کے پاس لے چلو.... میں دیکھوں گا کہ وہ کیوں کراٹھارتی ہے۔ کیا تم اس کا بیان سنانے کی زحمت گوارا کرو گے۔!“

”میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔!“ فیاض گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔

”مجھے بھی ناشتہ کرنا ہے۔!“

”تو تم نے لاش نہیں دیکھی تھی۔!“

”کہاں دیکھتا لاش....!“

”وہ تین کمروں کا سوٹ ہے۔ ایک کمرے میں لاش بھی تھی۔!“

”میں اس کمرے سے آگے نہیں بڑھتا تھا جہاں اس نے ہمیں بٹھایا تھا۔!“

”اور پھر اہم لینے اندر چلی گئی تھی۔!“ فیاض نے سوال کیا۔

”مجھے یاد نہیں.... میں تو جوزف میں الجھا ہوا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ یہ کسی طرح اس توہم کے جال سے نکل سکے۔! سنہری تتلی کے بغیر ہی اس کی آنکھیں کھلوانے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ پھر جوڑ کر دیکھا تو وہ کرسی پر سوتی نظر آئی.... میں نے قریب جا کر اسے آوازیں دیں.... جب وہ ٹس سے مس نہ ہوئی تو میں نے اسی میں عافیت سمجھی کہ اس وقتی اندھے کا بازو پکڑ کر خود انگڑاتا ہوا وہاں سے بھاگ نکلوں۔ سن رہا ہے نالائق....!“

عمران خاموش ہو کر پھاڑ کھانے والے انداز میں جوزف کو گھورنے لگا۔ پھر اس نے ویسے ہی موڈ میں فیاض کو گھور کر پوچھا۔ ”کیا اس نے ہم پر کسی قسم کا الزام لگایا ہے۔!“

”آہا.... تو وہاں بھی آپ ڈیوٹی پر تھے۔!“

”میری بات کا جواب دو....!“

”جی ہاں.... ہم دونوں وہاں تھے.... اور جوزف کو گھاؤنچ بھرا ہو گیا تھا۔!“

”اوہ.... تو تم ہی دونوں تھے۔!“ فیاض کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

”یاد رہی ہو گئی.... ایسی نامعقول عورت آج تک میری نظر سے نہیں گزری.... کیوں؟

کیا اس نے ہمارے خلاف کوئی بہتان تراشا ہے۔!“

”کس عورت کا تذکرہ کر رہے ہو....؟“

عمران نے کہانی شروع کر دی اور اس مقام پر پہنچ کر خاموش ہو گیا جہاں سے وہ گراٹھارتی کے لئے روانہ ہوئے تھے۔

”خاموش کیوں ہو گئے۔!“

”اس عورت کی بیہودگی یاد کر کے پھر غصہ آرہا ہے۔ وہ ہمیں سنہری تتلی کی تصویر دکھانے لے گئی تھی۔!“

”پھر کیا ہوا....!“

”بیٹھ گئی ایک کرسی پر اور خرائے لینے لگی۔!“

”یہاں تم غلط بیانی سے کام لے رہے ہو۔!“

”خدا کی پناہ کیا اس نے اس کے علاوہ کچھ بیان دیا ہے۔!“

”عمران خواہ مخواہ اپنی گردن نہ پھنساؤ.... اس اعتراف کے بعد کہ تم کریسٹن کے ساتھ اس کے کمرے میں گئے تھے۔ کسی طرح نہ بچ سکو گے۔!“

”خدا کی قسم بالکل بچ کر نکل آیا تھا....!“ عمران نے بڑے بھولپن سے کہا۔

”تو گویا تمہیں اعتراف ہے کہ وہ تمہاری موجودگی میں ہی بیہوش ہوئی تھی۔!“

”کیپٹن فیاض....! کہیں تمہیں بھی تو گھاؤنچ بھرا نہیں ہو گیا۔!“

”سنجیدگی اختیار کرو.... کریسٹن کے بیان نے تمہیں بُری طرح الجھا دیا ہے.... میرے

محلے کے ایکسپرت انسائیکلو پیڈیا میں گھاؤنچ بھرا تلاش کر رہے ہیں۔!“

”بے تو....!“ عمران جوزف کو گھونسا دکھا کر بولا۔ ”تجھ سے تو خدا ہی تجھے اگر فیاض کے

فیاض نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔ ”اس کے بیان کے مطابق وہ تمہیں سٹنگ روم میں چھوڑ کر الہم لینے اندر گئی تھی۔! تیسرے کمرے میں جہاں اس کا سامان رکھا تھا اسے ایک لاش نظر آئی۔“

”پھر کیا ہوا.....؟“

”وہ سٹنگ روم میں واپس آکر بے ہوش ہو گئی تھی۔!“

”کس کی لاش تھی.....؟“

”یہ تم مجھ سے زیادہ بہتر جان سکتے ہو.....!“

”وہ کس فارمولے کے تحت سو پر فیاض.....!“

”نمائش گاہ سے روانگی سے قبل ہی تمہیں علم تھا کہ اس کے کمرے میں ایک لاش پڑی ہے۔!“

”یہ فارمولا نہیں ہے کیٹین اسے مفروضہ کہتے ہیں۔!“

فیاض کچھ کہنے ہی والا تھا کہ عمران نے ہانک لگائی۔ ”سلیمان..... ناشتہ.....!“

”ضرور ناشتہ کرو..... لیکن میں تمہیں ساتھ ہی لے کر جاؤں گا۔!“

”دوپہر کے لئے کیا پکوا یا ہے گھر پر..... آج کل جھینکا پلاؤ میری مرغوب ترین غذا ہے.....!“

عمران نے بڑے خلوص سے کہا۔

”کئے جاؤ کبواس.....!“ فیاض براسامنے بنا کر بولا اور جوزف کی طرف دیکھنے لگا..... جوزف کی

نظر سامنے والی دیوار پر جمی ہوئی تھی۔ کرسی پر تنہا بیٹھا تھا..... دونوں ہاتھ زانوؤں پر تھے۔!

”یہ گھاؤنچ ہیرا کیا ہوتا ہے جوزف.....!“ فیاض نے اسے مخاطب کیا۔

”اگر میری زبان سے کچھ نکل گیا تو مزید تباہی پھیلے گی۔!“ جوزف نے اسی طرح سامنے دیکھتے

ہوئے کہا۔

”ناشتہ سے پہلے اگر کسی قسم کی تباہی پھیلی تو میں تیرا سراڑا دوں گا۔!“ عمران اسے گھونسا دکھا کر بولا۔

سلیمان میز پر ناشتہ لگا رہا تھا۔

”او..... مردود..... اس قاب میں کیا ہے۔!“ عمران اس کی طرف مڑا۔

”منٹن کچھڑی..... اور گھٹیاں کی تلی ہوئیں قاشیں۔!“

”ناشتہ میں.....؟“ عمران نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔

”جی نہیں..... پہلے آپ کچھلی رات کا کھانا کھائیں گے۔ پھر ناشتہ کریں گے۔!“

”اچھا..... اچھا..... ہاں شاید میں کچھلی رات کا کھانا گول کر گیا تھا۔! سلیمان تو میرا بڑا خیال رکھتا ہے۔!“

”خیال نہ رکھوں تو خود مجھے تھرتا پڑے۔!“

”اور تو خود نہیں کھاتا..... مجھے کھلا دیتا ہے..... خدا تجھے اس کا نیک اجر دے گا۔!“

”اور اگر آج آپ نے روپے نہ دیئے تو رات کے کھانے پر نان نمک سلیمینیشن کے لئے تیار

رہنے گا۔!“

”آرٹھک.....!“ عمران خوش ہو کر بولا۔ ”اور اپنی کرسی میز کے قریب گسیٹ لایا۔ اس نے

جوزف کو اشارہ کیا تھا کہ وہاں سے اٹھ جائے۔!“

جوزف چلا گیا لیکن سلیمان میز کے قریب ہی کھڑا رہا..... فیاض نے اسے ٹھورتے ہوئے

کہا۔ ”تم بھی جاؤ..... جب ضرورت ہوگی بلا لیا جائے گا۔!“

”صاحب.....! میرے لئے حکم ہے کہ انہیں کھاتے پیتے دیکھ کر کھڑا خوش ہو کر لوں۔!“

”جاؤ.....!“ فیاض غرایا۔

اور عمران سر ہلا کر بولا۔ ”جاؤ..... جاؤ..... آج یہ خوش ہونا چاہتے ہیں۔!“

سلیمان چلا گیا۔

”تم بالکل جانوروں کی طرح زندگی بسر کر رہے ہو.....!“ فیاض براسامنے بنا کر بولا۔

”بسر کر رہا ہوں نا..... کچھ لوگ تو کسی طرح بھی بسر نہیں کر پاتے۔ میں بھی جگ آگیا

ہوں..... سوچ رہا ہوں کہ پھر لندن جا کر کاسٹ اکاؤنٹنسی کا کورس کر لوں..... واپسی پر سروسوں

چلنے کی مشین لگالوں گا۔!“

”کیوں کیا آج کل مجرموں کو بلیک میل نہیں کر پاتے۔!“

”کہاں بھائی..... اس پریکٹس میں بھی اب کچھ نہیں رکھا۔ جسے دھمکاؤ ہی کسی بڑے آدمی کا

سالایا داماد نکلتا ہے۔ اب نہیں چلے گی۔!“

”کریسٹن کا خیال ہے کہ تم لوگوں نے اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے گھاؤنچ ہیرا کا

چکر چلایا تھا۔!“

عمران نے ایسا منہ بنایا جیسے حلق میں نوالہ اٹک گیا ہو۔

”تم نے شاید غور سے نہیں سنا کہ آج رات سلیمان صرف نان نمک پیش کر سکے گا۔!“

”کیا کہنا چاہتے ہو....!“

”یہی کہ چھپ کر کچھ کرنے کی بجائے دھندے کی فکر کروں گا۔!“

”میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ کریسٹن کے بیان کے مطابق تم شے میں دھرے جاسکتے ہو۔!“

”نان نمک کی فکر سے نجات ملے گی.... اے قانون کے محافظ....! جلدی سے میرے رزق

کا ذریعہ بن جا.... خدا تیری بھی سنے گا۔!“

”میں کہہ رہا ہوں سنجیدگی سے غور کرو اس مسئلے پر....!“

”بیک وقت دو کام نہیں کر سکتا.... فی الحال مجھے ناشتہ کر لینے دو۔!“

فیاض سگریٹ سلگانے لگا.... عمران ناشتے سے فارغ ہو کر آرام کرسی پر جا لیٹا۔

دفعتاً فیاض نے کہنا شروع کیا۔ ”کریسٹن کا اپنا سامان چاروں طرف بکھرا ہوا ملا تھا.... دونوں

سوٹ کیس کھلے پڑے تھے.... ایک ایک چیز نکال کر پھینک دی گئی تھی۔!“

عمران کچھ نہ بولا۔

”ارے تم اونگھ رہے ہو....!“ فیاض جھنجھلا کر بولا۔

عمران چونک کر سیدھا ہومیٹھا اور بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔ ”کیا بات ہے....؟“

”اگر تم نہیں سننا چاہتے تو جہنم میں جاؤ۔“ فیاض ہاتھتا ہوا بولا۔ ”کچھ دیر بعد متعلقہ تھانے کا

کوئی آفیسر تمہیں یہاں سے لے جائے گا۔!“

”تم شاید کریسٹن کے سوٹ کیسوں کی بات کر رہے تھے....! کیا کوئی چیز چوری بھی ہو گئی ہے۔!“

”صرف ایک اسکیچ بک.... اس کی دانست میں وہ بہت قیمتی تھی....؟“

”اسکیچ بک کی کیا قیمت ہو سکتی ہے؟“

”اپنی نوعیت کے اعتبار سے وہ قیمتی ہی تھی.... اسے ذرا صل آلو اگر افسانہ اسکیچ بک کہنا چاہئے۔!“

”میں نہیں سمجھا....!“

”دنیا کے بڑے بڑے آرٹسٹوں کے بنائے ہوئے دستخط شدہ خاکے اس میں موجود تھے۔!“

”اوہ....!“ عمران نے سیٹی بجانے کے سے انداز میں ہونٹ سکڑے اور کسی سوچ میں گم

ہو گیا۔ فیاض اسے ایسی نظروں سے دیکھ رہا تھا جیسے کسی شعبہ کے کا منظر ہو.... لیکن عمران نے

”یار ناشتہ کرنے دو چین سے۔!“ وہ کچھ دیر بعد بولا۔ ”بچھلی رات سے ناک میں دم ہے۔!“ اس وقت تو تم ہی مجھے گھاؤنچ بھرا معلوم ہو رہے ہو۔!“

”مقتول.... ایک سفارت خانے کا فرسٹ سیکریٹری تھا۔!“

”کونسا مقتول....؟“

”جس کی لاش کریسٹن کے کمرے میں پائی گئی ہے۔!“

”کیا کریسٹن نے خود رپورٹ کی تھی۔!“

”نہیں.... ہم نے اسے کمرے میں بے ہوش ہی پایا تھا۔!“

”تمہیں کس نے اطلاع دی تھی۔!“

”گرانڈ ہوٹل کے ہاؤس ڈپلکلیو نے۔!“

”اُسے کیسے معلوم ہوا تھا....؟“

”کسی نے اس سے فون پر کہا تھا کہ دوسری منزل کے گیارہویں کمرے میں قتل ہو گیا ہے۔!“

”اور تمہارے خیال کے مطابق.... میں نے ہی اس سے کہا ہو گا۔!“

”نہیں.... اس کے خیال کے مطابق وہ کوئی غیر ملکی تھا۔!“

عمران نے طویل سانس لی اور کافی انڈیلنے لگا۔

”پھر تم مجھ سے کیا چاہتے ہو....!“

”میں نہیں چاہتا تھا کہ تمہارا نام آنے پائے لیکن اس نے تم دونوں کے نام یاد رکھے تھے۔!“

”اب یہاں تھوڑی سی عقل استعمال کرو.... بات اگر گھپلے کی ہوتی تو ہم اپنے گتے نام اس

کیوں بتاتے۔!“

فیاض کسی سوچ میں پڑ گیا.... پھر کچھ دیر بعد طویل سانس لے کر بولا۔ ”تم اپنا بچاؤ کس طرح

کر سکو گے۔!“

”میرے بیان میں تبدیلی نہیں ہوگی.... اور تم میرے بچاؤ کی فکر نہ کرو۔!“

”میرا خیال ہے کہ تم روپوش ہو جاؤ۔!“

”بھلا کیوں سو پر فیاض....!“

”چھپ کر تم بہتر طور پر کام کر سکو گے۔!“

بر او گھنا شروع کر دیا۔

فیاض نے اسے آواز دی اور وہ آنکھیں کھول کر کسی معصوم بچے کی طرح مسکرایا۔  
”اب میں تم سے آخری سوال کرنا چاہتا ہوں.....!“ فیاض آنکھیں نکال کر بولا۔

”پچھلے ہی سوال کو آخری سمجھ کر میں او گھنے لگا تھا۔ بقول شیخ سعدو.....!“

فیاض نے اسے جملہ پورا نہ کرنے دیا۔

”آخری سوال..... اسی پر آئندہ حالات کا انحصار ہوگا۔ کیا تم کسی چکر میں وہاں گئے تھے۔!“

”تقدیر کا چکر سو پر فیاض..... لیکن میں کہاں کس چکر میں گیا تھا.....!“

”تصور یوں کی نمائش میں.....!“

”یقیناً وہ تقدیر ہی کا چکر تھا..... لیکن تم اس کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو۔!“

”تم نے مجھے بڑی دشواری میں ڈال دیا ہے۔!“

”سو پر فیاض تم کچھ فکر مند سے لگ رہے ہو۔!“

”تم اگر کسی چکر میں تھے تو تمہیں اس کو اپنا نام نہ بتانا چاہئے تھا۔!“

”میں کب کہتا ہوں کہ میں کسی چکر میں تھا..... یقین کر دو جوزف کی شامت مجھے وہاں لے گئی تھی۔!“

”یعنی جوزف تمہیں وہاں لے گیا تھا.....!“

”ہاں قطعی..... کہنے لگا شاید مجھے اپنے دیس کا کوئی پرندہ نظر آجائے۔ دراصل اس وقت مجھے

بند آرہی ہے۔ اس لئے میری کسی بات پر یقین نہ کرنا۔!“

”پھر تم نے جوزف کے لئے سنہری تتلی کیسے مہیا کی۔!“

”شائد تمہیں بھی نیند آرہی ہے سو پر فیاض.....!“

”اچھا تو میں جوزف کو اپنے ساتھ لئے جا رہا ہوں.....!“ فیاض اٹھتا ہوا بولا۔

”فضول ہے..... اس کی آنکھیں بند تھیں..... وہ تمہیں کچھ بھی نہ بتا سکے گا۔!“

”کم از کم یہ تو بتا ہی سکے گا کہ اس کی آنکھیں کیسے کھلی تھیں۔!“

”کوشش کرو.....!“ عمران نے لا پرواہی سے کہا اور پھر آنکھیں بند کرنے ہی والا تھا کہ فیاض

نے اس کا ہاتھ پکڑ کر آرام کرسی سے اٹھادینا چاہا لیکن پتہ نہیں کیا ہوا کہ خود عمران پر جاگرا۔

اور اب عمران اسے اپنے بازوؤں میں جکڑے خوف زدہ آواز میں چیخے جا رہا تھا۔ ”ارے.....

بچاؤ..... بچاؤ..... بچاؤ.....!“

سلیمان اور جوزف دوڑتے ہوئے آئے تھے..... ایک پل کے لئے وہ دم بخود ہوئے تھے پھر دونوں نے ہنسنا شروع کر دیا تھا۔

”بہت زری طرح پیش آؤں گا..... چھوڑ دو مجھے۔!“ فیاض آہستہ سے بولا۔ وہ غصے کے مارے پاگل ہوا جا رہا تھا۔

”اوہ میرے خدا.....!“ عمران کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔

فیاض اچھل کر پیچھے ہٹتا ہوا ان دونوں پر الٹ پڑا۔

”چلے جاؤ..... یہاں سے بھاگو.....!“

عمران مسکین صورت بنائے اس کے سامنے کھڑا تھا۔

”سو پر فیاض.....!“ وہ کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”میں پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ نیند

میں ہوں..... مجھے نہ چھیڑو..... میں سمجھا تھا شائد تم نے مجھے دبوچ رکھا ہے۔!“

”میں تمہیں دکھوں گا.....!“ فیاض نے کہا اور کمرے سے نکلا چلا گیا۔

عمران پر فکر انداز میں آہستہ آہستہ منہ چلاتا رہا۔



صفر نے فون پر ایکس ٹو کے نمبر ڈائل کئے اور دوسری طرف سے جواب ملنے پر بولا۔

”جس کار کا نمبر آپ نے دیا تھا اس کا سراغ مل گیا۔ یہ کار اسی سفارت خانے کے ایک آفیسر ہف

روجر کی ہے۔ جس کا فرسٹ سیکریٹری گرانڈ ہوٹل میں قتل کیا گیا تھا۔!“

”ہف روجر کے بارے میں معلومات فراہم کرو.....!“ ایکس ٹو کی آواز آئی۔

”وہ اس وقت ٹپ ٹاپ ٹائٹ کلب میں موجود ہے اور میں یہیں سے آپ کو فون کر رہا ہوں۔!“

”اچھی بات ہے تم وہیں ٹھہرو..... عمران کچھ دیر بعد وہاں پہنچے گا۔!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

صفر سلسلہ منقطع کر کے پبلک ٹیلی فون بوتھ سے نکلا اور ہال میں اپنی میز سنبھالی۔ اسے

عمران کا انتظار کرنا پڑا۔

ہف روجر کی میز بھی زیادہ فاصلے پر نہیں تھی۔ وہ ایک لمبا ترنگا آدمی تھا۔ جسم کی بناوٹ

ورزشی تھی۔ آنکھیں میلی اور نوکیلی ناک کے لئے نیچے گھنی بھوری مونچھیں تھیں۔

اس کے ساتھ ایک خوش شکل اور جوان العز عورت بھی تھی اور وہ بھی صفدر کے لئے اجنبی نہیں تھی۔ کچھلی رات اسی کے سلسلے میں تو جاگتے گزری تھی۔ سوئیڈش آرٹسٹ کریسٹن جس کے کمرے میں ایک سفارتی آفیسر کا قتل ہوا تھا.... اور وہ اس وقت اسی سفارت خانے کے آفیسر کے ساتھ یہاں بیٹھی نظر آرہی تھی!

صفدر نے اسے ابھی تک ہنستے یا مسکراتے نہیں دیکھا تھا.... حالانکہ ہف روجر بات بات پر قہقہے لگا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد ایک آدمی صفدر کی میز کے قریب آکھڑا ہوا۔ عجیب سا حلیہ تھا.... پھولی ہوئی ناک کے نیچے اتنی گھنی مونچھیں تھیں کہ دھانہ چھپ کر رہ گیا تھا۔

”تشریف رکھئے.... جناب والا....!“ صفدر کرسی سے اٹھتا ہوا بولا۔

عمران کا یہ ریڈی میڈ میک اپ اس کے علم میں تھا!

”غالباً اب مجھے تمہارا شکریہ ادا کر کے موسم کا حال شروع کر دینا چاہئے!“ عمران نے اس طرح بیٹھتے ہوئے کہا کہ کریسٹن پر بھی نظر رکھ سکے۔

”ہف روجر....!“ صفدر اس کی طرف جھک کر آہستہ سے بولا۔

”کیا دونوں ساتھ آئے تھے!“

”نہیں.... ہف روجر پہلے آیا تھا....!“

”ہوں....!“

”آپ کے لئے کیا منگواؤں....!“

”کچھ بھی نہیں....!“

”کیا چکر ہے.... اس نے اپنے بیان میں آپ کا نام بھی لیا ہے اور یہ گھاؤنچ بھرا کیا ہے!“

”اٹھ کر بھاگ جاؤں گا اگر اب تم نے یہ نام دہرایا!“

”کیا آپ پہلے ہی سے ان لوگوں کے چکر میں تھے!“

”نہیں محض اتفاق ہے.... اُدھر سے گزرا تھا۔ خیال ہوا چلو دیکھتے ہی چلیں.... جوزف

ساتھ تھا!“

”میرا خیال ہے کہ آپ کا یہ بیان فیاض نے ہر گز تسلیم نہ کیا ہو گا!“

”میا فرق پڑتا ہے....!“ عمران نے لا پرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

کچھ دیر خاموشی رہی پھر عمران بولا۔ ”عجیب بات ہے کریسٹن نے اس لاش کی شناخت نہیں کی تھی۔ فرسٹ سیکریٹری اس کے لئے اجنبی تھا اور اس وقت یہ اسی سفارت خانے کے ایک آفیسر کے ساتھ یہاں بیٹھی ہوئی ہے اور کچھلی رات اسی آدمی کی کار میرے تعاقب میں رہی تھی۔!“

”اس وقت بھی یہ اسی گاڑی میں آیا ہے۔!“

عمران کچھ نہ بولا۔ رات کے آٹھ بجے تھے.... ہال کی آبادی بڑھتی جا رہی تھی!

”میرا خیال ہے کہ یہ اٹھنے والے ہیں....!“ صفدر بولا۔

کریسٹن اپنا وینٹی بیگ سنبھال رہی تھی.... پھر انہوں نے ہف روجر کو بھی اٹھتے دیکھا۔

جب وہ دونوں صدر دروازے سے نکل گئے تو عمران بھی اٹھا۔

”میں یہیں بیٹھوں....!“ صفدر نے اس سے پوچھا۔

”جیسا دل چاہے....!“ عمران کہتا ہوا صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔



کریسٹن اور ہف روجر گاڑی سے اتر کر جس عمارت میں داخل ہوئے تھے اس کی کمپاؤنڈ تاریک تھی۔ گاڑی پھانک کے باہر ہی چھوڑ دی گئی تھی اور وہ اندھیرے ہی میں پھانک سے گزر کر روش پر پہنچے تھے۔

روش کے انتقام پر برآمدہ تھا.... برآمدہ بھی تاریک تھا۔ ہف روجر نے اندھیرے ہی میں گھنٹی کا سوچ تلاش کر کے بٹن دبایا۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور روشنی کا لمبا سا مستطیل تاریک برآمدے کے فرش پر پھیلتا چلا گیا تھا!

کریسٹن کسی قدر پس و پیش کے ساتھ اندر داخل ہوئی.... اس طویل راہداری میں کئی بلب روشن تھے۔ دروازہ کھولنے والا آگے چل رہا تھا اور یہ دونوں پیچھے تھے!

وہ آدمی انہیں ایک بڑے کمرے میں لایا جہاں تین آدمی پہلے سے موجود تھے۔ یہ تینوں بھی کسی مغربی ملک ہی سے تعلق رکھتے تھے۔

انہوں نے کریسیوں سے اٹھ کر ان دونوں کا استقبال کیا تھا۔

انہیں کرسیاں پیش کی گئیں۔! کریسٹن کی الجھن بڑھتی جا رہی تھی۔

”آپ کیا پنا پسند فرمائیں گی ماموز نیل.....!“ ان میں سے ایک نے بڑی شائستگی سے پوچھا۔  
”شکریہ..... کچھ بھی نہیں.....!“

”آپ موسیو.....!“ اس نے ہف روجر سے بھی پوچھا۔

ہف روجر نہ اسامہ بنا کر بولا۔ ”وقت ضائع نہ کرو میں بہت مصروف آدمی ہوں۔!“  
وہ تینوں کچھ عجیب سے انداز میں کریسٹن کو دیکھے جا رہے تھے خود اس نے بھی اسے محسوس کیا اور  
ہف روجر کی طرف دیکھنے لگی۔ لیکن وہ اب کچھ ایسا بے تعلق سا نظر آ رہا تھا جیسے اسے پہچانتا تک نہ ہو۔  
خوف کی لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی۔

”ہاں تو ماموز نیل.....!“ ان تینوں میں سے وہی بولا جو پہلے بولا تھا۔

کریسٹن اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

”آپ کو اپنی اسکنج بک واپس لینے ہے؟“

”یقیناً.....!“ اس نے دلیر بننے کی کوشش کرتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔

”کیا وہ بہت قیمتی ہے.....؟“

”یقیناً.....!“

”اس کی کوئی خاص اہمیت ہے.....؟“

”کیوں نہیں.. وہ ہماری خاندانی اسکنج بک ہے۔ میرا دادا آرٹسٹ تھا۔ میرا باپ آرٹسٹ تھا۔ میں  
بھی آرٹسٹ ہوں لہذا اس میں تین ادوار کے بہت بڑے بڑے آرٹسٹوں کے آؤگرافڈ اسکیچز ہیں۔!“  
”انداز اس کی کیا قیمت ہوگی۔!“

”تمہیں اس سے کیا سروکار..... میں اُسے واپس لینے آئی ہوں۔!“

”بچھلی رات وہ وہ آدمی جو آپ کے ساتھ گرانڈ ہوٹل آئے تھے کون تھے۔!“

”یہ کیا بکواس ہو رہی ہے یہاں.....!“ کریسٹن جھلا کر ہف روجر کی طرف مڑی۔ وہ دوسری

طرف منہ کئے سگریٹ پی رہا تھا۔ کریسٹن کے مخاطب کرنے پر بھی متوجہ نہ ہوا۔

کریسٹن کھڑی ہو گئی۔

اب ہف روجر نے اس کی طرف دیکھا اور دیکھنے کا انداز قطعی طور پر دھمکی سے بھر پور تھا۔

”میں اس کا مطلب نہیں سمجھ سکتی۔!“ کریسٹن تیز ہو کر بولی۔

”مطلب یہی ہے کہ وہ دونوں کون تھے۔!“ ہف روجر کا لہجہ سرد تھا۔

”اوہ تو میرے ساتھ فریب کیا گیا ہے.....!“ کریسٹن نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

کوئی کچھ نہ بولا۔ وہ پانچوں اُسے ہی ایسی خوں خوار نظروں سے دیکھے جا رہے تھے جیسے کسی

بھی لمحے میں اس کی نکال پھینک دی جائے گی۔

”میں نہیں جانتی وہ دونوں کون تھے۔!“ وہ کچھ دیر بعد بولی۔

”نا قابل یقین.....!“ ہف روجر غرایا۔

”میں نے ان کے بارے میں پولیس کو بیان دیا تھا..... اور وہ حرف بحرف صحیح ہے۔!“

”بولے جاؤ.. لیکن جب تک سچی بات تمہاری زبان سے نہیں نکلے گی چھکارا مشکل ہے۔!“

”تب تو پھر میں کسی طرح بھی یقین نہیں دلا سکتی۔!“

”تم پر تشدد بھی کیا جاسکتا ہے۔!“

”آخر کیوں.....؟“

”سچی بات معلوم کرنے کے لئے۔!“

”میں اپنی اسکنج بک واپس لینے آئی ہوں۔!“

ہف روجر نے قہقہہ لگایا۔

”تم لوگ آخر چاہتے کیا ہو.....!“

دفعتاً ہف روجر سنجیدہ ہو کر اُسے خوں خوار نظروں سے دیکھنے لگا۔

پھر ان لوگوں کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”اسکنج بک نکالو.....!“

ایک نے اپنے برف کيس سے ایک مجلد کا پی نکالی اور اُسے ہف روجر کی طرف بڑھادیا۔

کریسٹن کی آنکھوں میں چمک سی لہرائی اور وہ مضطربانہ انداز میں ہف روجر کی طرف بڑھتی

چلی گئی۔

پھر اس نے اسے لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا لیکن ہف روجر نے بڑی بے دردی سے اس کا

ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا۔ ”تم اس کے..... اسکیچز کے بارے میں وضاحت سے بتاؤ۔!“

وہ کئی قدم پیچھے ہٹ گئی تھی اور ایک بار پھر اس کی آنکھوں سے خوف جھانک اگا تھا۔

”میرے قریب آؤ.....!“ ہف روجر اُسے گھورتا ہوا بولا اور وہ غیر ارادی طور پر اس کی



برف کھنچی چلی آئی۔

ہف روجر نے کاپی کے کچھ ورق الٹنے کے بعد ایک تصویر کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ ”کیا یہ اسکیچ بھی کسی مشہور آرٹسٹ کا بنایا ہوا ہے۔“

”ہاں.....!“ وہ مردہ سی آواز میں بولی۔

”آرٹسٹ کا نام.....!“

”اس کے دستخط موجود تو ہیں۔!“

”میں صاف پڑھ نہیں سکتا۔!“

”مجھے..... مجھے خود بھی نہیں معلوم.....!“

”تم جھوٹی ہو.....!“

وہ بے بسی سے اس کی شکل دیکھتی رہی۔

”تمہیں اس آرٹسٹ کا نام بتانا پڑے گا۔!“

”اس میں سے بہترے آرٹسٹوں کے نام میں نہ بتا سکوں گی یہ تو میں نے اپنے باپ سے سنا تھا۔!“

”پھر جھوٹ.....!“

”یقین کرو..... بہتروں کے دستخط میری سمجھ میں بھی نہیں آئے..... آخر میں تمہیں اس

طرح یقین دلاؤں۔!“

کچھ دیر کے لئے سنانا چھایا رہا۔ ہف روجر کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئی تھیں۔

وہ چاروں بھی خاموش تھے۔

وہ اسکیچ بک کے صفحات الٹا پلٹتا رہا۔ پھر ایک صفحے پر اس کی نگاہ جم کر رہ گئی۔

یہ ایک پرندے کی تصویر تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی آرٹسٹ نے فرصت کے لمحات

میں یونہی الٹی سیدھی لکیریں کھینچتے کھینچتے ان کے مجموعے کو کسی پرندے کی شکل دے دی ہو۔

”اے دیکھو..... اس پر کسی کے دستخط نہیں ہیں۔!“ ہف روجر نے سر اٹھا کر کہا۔

”ہاں ایک تصویر ایسی بھی ہے۔!“

”یہ کس نے بنائی ہے.....؟“

”میں نہیں جانتی۔!“

”تم جانتی ہو.....! تمہیں بتانا پڑے گا۔!“

”آخر یہ ہے کیا مصیبت..... میرے دماغ کی رگیں پھٹنے والی ہیں۔!“

”محض اس بات پر تم موت کے گھاٹ بھی اتر سکتی ہو۔!“

”آخر کیوں.....؟“

”تم اس تصویر کے بارے میں جو کچھ بھی جانتی ہو..... سچ مچ بتاؤ.....!“

”آخر کیا بتاؤں.....؟“

”کس نے بنائی تھی.....؟“

”میں کس طرح بتا سکتی ہوں جب کہ اس پر نام بھی موجود نہیں۔!“

”پھر کون بتا سکے گا۔!“

”میرے باپ کے علاوہ اور کوئی بھی شاید نہ بتا سکے..... اور ان سے معلوم کرنے کے لئے

تمہیں اپنے جسم کی قید سے آزاد ہونا پڑے گا۔!“

”اوہ..... تو مر چکا ہے تمہارا باپ.....!“

”کئی سال ہوئے..... لیکن میں نہیں سمجھ سکتی کہ اس اسکیچ بک کے لئے اتفاقاً کار کیوں؟“

ہف روجر کچھ نہ بولا..... دفعتاً کسی نے دروازہ کھولا۔

وہ سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے..... آنے والے کے ہاتھ میں ریوالتور تھا۔

”اچھے آدمیو..... تم میں سے کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔!“

کریسٹن نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا..... عجیب ڈراؤنا سا چہرہ تھا۔ پھولی ہوئی ناک کے نیچے

اتنی گھنی مونچھیں تھیں کہ دہانہ چھپ کر رہ گیا تھا۔

”اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ.....!“ وہ غرایا۔

مشینی انداز میں ان کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے..... کریسٹن نے بھی ہاتھ اٹھا دیئے تھے۔

”ہف روجر.....! یہ اسکیچ بک فرش پر ڈال دو.....!“ آنے والے نے تحسانہ لہجے میں کہا۔

”کیوں.....؟“ ہف روجر کسی لکھنے کتے کی طرح غرایا۔

”اس لئے کہ میں بھی اس کے عجائبات کی سیر کرنا چاہتا ہوں..... باتوں میں وقت ضائع نہ

کرد۔ میں صرف دھمکی کے لئے ریوالتور استعمال نہیں کرتا۔!“

”تم ہو کون.....؟“

”ہف روجر.....!“

اس نے اسکیج بک فرش پر پھینک دی۔!

”لڑکی.....!“ نووارد نے کریسٹن کو مخاطب کیا۔ ”اسکیج بک اٹھا کر میرے پاس لاؤ۔!“

”کریسٹن سب سے ہوئے انداز میں آگے بڑھی اور اسکیج بک اٹھا کر اس کے قریب آئی۔ اس نے اس کے ہاتھ سے اسکیج بک جھپٹتے ہوئے کہا۔ ”خاموشی سے باہر چلی جاؤ..... یہاں تمہاری زندگی خطرے میں ہے میں تمہارا ہمدرد ہوں۔!“

وہ ہکا بکا کھڑی اسے دیکھتی رہی۔

”میرے مشورے پر عمل کرو..... تمہاری موجودگی میں ان حضرات کی خاطر خواہ خدمت نہ کر سکوں گا۔!“

کریسٹن دروازے کی طرف بڑھی۔

”تم بچ کر نہیں نکل سکتیں.....!“ ہف روجر غرایا۔

”اس کی باتوں میں نہ آؤ لڑکی..... یہاں کوئی بھی نہیں ہے۔ تم اطمینان سے برآمدے میں میرا انتظار کر سکتی ہو.....!“ اجنبی بولا۔

کریسٹن نکلی چلی آئی..... جس راستے سے آئی تھی اسی راستے سے برآمدے میں جا پہنچی..... برآمدہ اب بھی تاریک تھا۔ وہ سوچ رہی تھی یہ دوسری مصیبت نازل ہوئی۔ ایک کے ہاتھ سے نکل کر دوسرے کے ہاتھ پڑی۔

دفعۃً اسے اس گاڑی کا خیال آیا جس پر وہ یہاں تک پہنچی تھی۔ کیوں نہ وہ نکل بھاگے۔! لیکن ضروری نہیں کہ اس کی کنجی اکینشن ہی میں رہنے دی ہو۔! پھر بھی دیکھ لینے میں کیا حرج ہے۔ ہو سکتا ہے وہ کنجی نکالنا بھول گیا ہو۔ اکثر لوگ بھول جاتے ہیں۔

وہ روش طے کر کے پھانک سے گذرتی ہوئی کار تک آئی۔ ڈیش بورڈ پر ہاتھ پیچھے رکھ کر دیکھا۔ کنجی اکینشن میں موجود نہیں تھی۔ پھر دفعۃً اسے یاد آیا کہ وہ اپنا بیگ وہیں بھول آئی ہے ورنہ نیل کٹر استعمال کرتی۔ اکثر اس نے نیل کٹر کے پچھلے حصے سے خود اپنی گاڑی اشارت کی ہے۔

وینٹی بیگ میں اس کے کاغذات بھی تھے۔ وہ سوچنے لگی اب کیا کرے پتہ نہیں واپس جانا اس کے

حق میں اچھا ثابت ہو یا نہ۔

لیکن کاغذات..... ان کے بغیر تو وہ اس اجنبی دیس میں ایک قدم بھی نہ اٹھا سکتی۔

اور یہ ہمدرد.....؟

وہ غیر ارادی طور پر پھر برآمدے کی طرف چل پڑی۔ ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا۔ راہداری پہلے ہی کی طرح سنسان پڑی تھی۔ وہ اس کمرے کے قریب پہنچ کر رکی۔ یہاں تک آنے میں اس نے خاص احتیاط برتی تھی کہ اس کے قدموں کی آواز نہ پیدا ہو سکے۔

دروازے سے کان لگا کر کچھ سننے کی کوشش کرتی رہی۔ پھر قفل کے سوراخ سے آنکھ لگا دی۔ اندر ہف روجر ان چاروں میں سے ایک کے ہاتھ اس کی پشت پر باندھ رہا تھا۔ غالباً اس کے لئے اس نے اسی کے گلے سے ٹائی اتاری تھی۔ پھر اس نے اسے دوسرے کے گلے سے ٹائی کھولتے دیکھا۔ اسی طرح چاروں کے ہاتھ باندھ دیئے گئے۔

”اب تم ان کے قریب سے ہٹ جاؤ.....!“ خوف ناک صورت والے آدمی کی آواز آئی۔ کریسٹن نے ہف روجر کے چہرے پر نفرت اور غضب ناک کے آثار دیکھے۔ وہ ان کے پاس سے ہٹ گیا تھا اور اب ریوالور والا اجنبی ان لوگوں کے بندھے ہوئے ہاتھوں کا جائزہ لیتا ہوا نظر آیا۔ لیکن ریوالور کا رخ ہف روجر کی طرف تھا۔

دفعۃً اس نے دھکے دے کر ان چاروں کو فرش پر گرانا شروع کر دیا۔ اسی دوران میں ہف روجر کو موقع مل گیا کہ وہ اس پر ٹوٹ پڑتا۔ کریسٹن کے اندازے کے مطابق اس نے بڑی بچی تلی چھلانگ لگائی تھی۔ لیکن اجنبی کہیں زیادہ پھر تیرا ثابت ہوا۔ وہ نہ صرف اس حملے سے بچا تھا بلکہ بچتے وقت اس کی ایک ٹانگ اس طرح چلی تھی کہ ہف روجر سامنے والی دیوار سے جا ٹکرایا تھا۔ وہ پھر نہ اٹھ سکا۔ اجنبی ایسے انداز میں ان سمجھوں کو دیکھ رہا تھا جیسے کوئی کسان اپنے بھرے پڑے کھلیان کو دیکھتا ہے۔

کریسٹن نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا اور وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”مم..... میرا وینٹی بیگ.....!“ وہ ہکلائی۔

”لپ اسٹک سدھا روگی کیا.....؟“ اجنبی نے خوش ہو کر پوچھا۔

”تم لوگ پتہ نہیں کون ہو..... اور کیا چاہتے ہو.....!“

”میں تو کچھ بھی نہیں چاہتا.... اٹھاؤ اپنا بیگ اور باہر چلو....!“

وہ بیگ اٹھانے کے لئے جھکی اور اجنبی ان چاروں کو مخاطب کر کے بولا۔ ”موت ہی گا دیو ہے گی اگر تم لوگوں نے باہر نکلنے کی کوشش کی!“

”تم کوئی بھی ہو چنانہ سکو گے....!“ ان چاروں میں سے ایک غرایا۔

”پچھلے سال ایک نجومی بھی یہی کہہ رہا تھا!“ اجنبی لا پرواہی سے بولا اور پھر کچھ سوچنے لگا۔ اب اس کے ہاتھ میں ریوالور نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد وہ ہف روجر کی طرف بڑھا اور اس کے گلے سے ٹائی کھولنے لگا اور پھر اسی ٹائی سے اس کے ہاتھ بھی پشت پر باندھ دیئے۔ ہف روجر کی بے ہوشی بدستور قائم تھی۔

”اب چلتا ہی چاہئے.... ان شریف آدمیوں کے آرام کا وقت ہے کیوں؟ تم لوگوں نے رات کا کھانا کھالیا تھا یا نہیں!“ اس نے ان چاروں کو مخاطب کر کے کہا اور کریسٹن کا بازو پکڑ کر نکالا آیا۔

”ہم واپسی کا سفر موٹر سائیکل پر کریں گے!“ اس نے کریسٹن سے کہا۔

”اب تم کہاں لے جاؤ گے مجھے۔!“

”جہاں تم کہو گی۔!“

”گرائڈ ہوٹل۔!“

موٹر سائیکل چل پڑی۔ کریسٹن کیریئر پر بیٹھی ہوئی تھی۔

یہ سفر تین چار منٹ سے زیادہ جاری نہیں رہا تھا۔

کریسٹن نے محسوس کیا کہ وہ ایک دیرانے میں ہے چاروں طرف اونچے اونچے درخت نظر آرہے تھے اور وہاں گہرا اندھیرا تھا۔

”تم کوئی بھی ہو!“ کریسٹن خوف زدہ آواز میں بولی۔ ”لیکن کسی بات پر مجھے مجبور نہیں کر سکو گے۔!“

”میں بے چارہ کس شمار و قطار میں ہوں تمہیں تو پانچ آدمی بھی مجبور نہیں کر سکتے۔!“

”ویسے پتہ نہیں کیوں؟ تمہارا وجود مجھے تحفظ کا احساس دلاتا ہے ایسا لگتا ہے جیسے....“

وہ جملہ پورا کئے بغیر خاموش ہو گئی۔

”تو چلو میرے ساتھ یہاں کب تک کھڑی رہو گی۔!“

”چلو....!“

”میرا ہاتھ پکڑ لو اور چلتی رہو.... راستہ دشوار گزار ہے۔!“

اس نے جیب سے ایک چھوٹی سی نارنج نکالی اور سامنے اسکی محدود روشنی ڈالتا ہوا راستہ طے کرنے لگا۔ زمین اونچی نیچی تھی.... وہ ایک پگڈنڈی پر چل رہے تھے جس کی دونوں جانب چھوٹی چھوٹی خاردار جھاڑیاں تھیں۔

راستہ جلد ہی طے ہو گیا اور وہ ایک چھوٹے سے تاریک مکان میں داخل ہوئے۔

کچھ دیر بعد وہ کیروسین لیپ کی روشنی میں ایک دوسرے کے مقابل بیٹھے ہوئے تھے۔

”لاؤ اب میری اسکیج بک بھی واپس کر دو....!“ کریسٹن بولی۔

”فی الحال یہ مناسب نہیں کہ اسکیج بک تمہارے قبضے میں رہے کیا تم نے اسی کے سلسلے میں

ایک لاش اپنے کمرے میں نہیں دیکھی۔!“

”اوہ....!“ وہ دم بخود رہ گئی.... کچھ دیر بے حس و حرکت بیٹھی رہی پھر بولی۔ ”تم کون ہو اور

مجھ سے کیا چاہتے ہو....؟“

”وہ میں پھر بتاؤں گا.... تم ہف روجر کے کیسے ہاتھ لگیں۔!“

”میں اسے پہلے سے نہیں جانتی تھی اس نے فون پر گفتگو کر کے مجھے ٹپ ٹاپ کلب میں بلایا تھا۔!“

”اور تم چلی گئیں....؟“

”ہاں حماقت تھی.... لیکن اس کا نفسیاتی جواز موجود ہے میرے پاس اس نے گفتگو کے لئے میری

ہی زبان استعمال کی تھی۔! تم خود سوچو.... ایسے حالات میں اپنے کسی ہم وطن سے مل بیٹھنا میرے

لئے کتنی بڑی ڈھارس ہو سکتی ہے۔ بہر حال جب میں وہاں پہنچی تو میرا استقبال کرنے والا میرا ہم وطن

نہ ثابت ہو سکا۔ اس نے انگریزی میں گفتگو کی۔ پھر اس نے اسکیج بک کا ذکر کیا اور اسی آدمی کے حوالے

سے مجھے اس عمارت میں لے گیا جس نے مجھ سے میری زبان میں فون پر گفتگو کی تھی۔!“

”یہ اسی صورت میں ناممکن ہو گا جب تم اسکیج بک کے لئے اپنی زندگی بھی گنوا دینے کی ہمت

رکھتی ہو۔!“

”میں اس کے لئے سب کچھ کر سکتی ہوں....!“

”شوق کی چیز ہو گی....!“

”کیا تم نہیں جانتے کہ میں ایک آرٹسٹ ہوں....!“

”ہاں.... اور وہ تم سے اس اسکیج بک کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔!“

”میں بڑی اذیت میں مبتلا ہوں عمران....!“

”ہاں واقعی میں بھی یہی دیکھ رہا ہوں.... پولیس ضرور پریشان کرے گی وہ کبھی باور نہیں کرے گی کہ ایک اسکیج بک کے لئے یہ سارا ہنگامہ ہوا ہے۔!“

وہ کچھ نہ بولی.... عمران خاموش ہو گیا تھا۔ نہ صرف خاموش ہو گیا تھا بلکہ چہرے پر چھائی ہوئی حماقت کچھ اور گہری ہو گئی تھی۔

”دیکھو....!“ دفعتاً وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ ”پتہ نہیں کیوں اس خوف ناک میک اپ میں بھی میں تم سے خوف زدہ نہیں تھی اور اس وقت بھی خوف زدہ نہیں ہوں۔ کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں تم پر اعتماد کر سکتی ہوں۔!“

”عورتوں کے علاوہ اور آج تک کسی نے بھی مجھ پر اعتماد نہیں کیا۔ کیا میرے چہرے پر کسی قسم کا عورت پن پایا ہے۔!“

”یہ میں نہیں جانتی لیکن تمہارے ساتھ رہ کر نہ جانے کیوں خود کو محفوظ سمجھ رہی ہوں۔!“

”چیونگم....!“ عمران جیب سے چیونگم کا پیکٹ نکال کر اسے پیش کرتا ہوا بولا۔

اس نے حیرت سے اسے دیکھا کچھ نہ بولی۔ چپ چاپ چیونگم کا پیکٹ اس کی ہتھیلی سے اٹھالیا۔

”تم یہ مت سمجھنا کہ میں تمہیں مصیبت میں چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔!“ عمران نے احمقانہ انداز میں ہنس کر کہا۔ ”اگر یہ بات ہوتی تو میں اس وقت اچانک وہاں کیسے آ پہنچتا۔!“

”پھر تم نے کیا کیا تھا....؟“ کریسٹن نے بالکل ایسے ہی لہجے میں پوچھا جیسے کسی ننھے سے بچے کو پھسلا کر اس سے کچھ معلوم کرنا چاہتی ہو۔

”جب ہم دونوں دوسری منزل سے اتر کر بھاگے تو کچھ دور جا کر محسوس ہوا کہ کوئی گاڑی ہمارا تعاقب کر رہی ہے۔ میں بڑی الجھن میں پڑ گیا تھا۔ وہ مردود تو اندھا بنا بیٹھا تھا۔!“

”کیا سچ سچ اس نے آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔!“

”نہیں.... وہ میرے لئے درد سر ہے.... بہر حال میں نے اس گاڑی کو نہ صرف ڈانچ دینا شروع کیا بلکہ ایک بار اس سے پیچھا چھڑانے میں بھی کامیاب ہو گیا اور اسی بھاگ دوڑ میں اس کے نمبر بھی نوٹ کر لئے۔ پھر اس کے بعد پتہ لگا لینا کیا مشکل تھا کہ گاڑی کس کی ہو سکتی ہے۔ میرا

”مجھے معلوم ہے اور اسکیج بک کے بارے میں بھی تمہاری ہی زبان سے اسی عبارت میں کچھ سنا تھا۔!“

”دنیا کے بہت بڑے بڑے آرٹسٹوں کے اسکیج اس میں موجود ہیں۔!“

”ہوں گے....!“ وہ گردن جھٹک کر لاپرواہی سے بولا۔ ”مجھے تو اس کی فکر تھی کہ تم اہم لینے

گئی تھیں اور واپسی پر بے ہوش ہو گئی تھیں۔!“

”تم کون ہو....!“ وہ بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔

”گھاؤنچ ہیرا....!“

”کیا مطلب....؟“

”کیا میں صورت ہی سے گھاؤنچ ہیرا نہیں لگ رہا۔ یہ پھولی ہوئی ناک اور یہ مونچھیں۔!“ اس نے اپنی ناک پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور پھر جو ہاتھ ہٹایا تو نہ وہ ناک تھی اور نہ وہ مونچھیں۔

”تنت.... تم.... وہ عمران....!“

”مگر تم نے مجھ سے مذاق کیوں کیا تھا.... تم اندازہ نہیں کر سکتیں کہ اس قتل کے اندھے کو کس طرح دوسری منزل سے نیچے اتارا تھا اور پھر ساری رات اس فکر میں گزار دی تھی کہ اگر صبح سنہری تتلی دستیاب نہ ہو سکی تو کیا ہوگا۔ کیا میں ساری زندگی اس اندھے کی لاشیں بنا رہی ہوں گا۔!“ وہ خاموش کھڑی رہی۔

”بیٹھ جاؤ.... بیٹھ جاؤ....!“ عمران ہاتھ ہلا کر بولا۔

”تو تم نے لاش نہیں دیکھی تھی۔!“

”لاش دیکھ کر ہی تو بھاگ نکلا تھا۔!“

”وہ سب کیا تھا....؟ مجھے بتاؤ۔!“ وہ سامنے کرسی پر بیٹھتی ہوئی بولی۔

”میں کیا بتا سکتا ہوں۔!“

”پولیس کو اطلاع دیئے بغیر میں اس شہر سے باہر نہیں جاسکتی.... حالانکہ میرے فرشتوں کو

بھی علم نہیں تھا کہ میری عدم موجودگی میں میرے کمرے میں کیا ہو رہا تھا۔!“

”بہر حال اتنا میں بھی جانتا ہوں کہ جس سفارت خانے کے فرسٹ سیکریٹری کی لاش

تمہارے کمرے میں ملی تھی اسی سفارت خانے کا ایک آفیسر ہف روجر بھی ہے۔!“

”نہیں....!“

ایک دوست ٹریفک سارجنٹ ہے اس نے رجسٹریشن آفس سے پتہ لگوا دیا تھا۔!

”لیکن ٹھہرو....!“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”ان لوگوں نے تم دونوں کے بارے میں ایسے انداز میں پوچھا تھا جیسے تم سے اچھی طرح واقف ہوں۔ بلکہ وہ تو کہہ رہے تھے کہ میں دیدہ و دانستہ تم لوگوں کو اپنے ساتھ لے گئی تھی۔!“

”ہو سکتا ہے جانتے ہوں.... وہ مردود کالا پہاڑ مجھے سارے شہر میں تماشہ بنانے پھرتا ہے۔ اب دیکھو رات ہی اس نے کیا جلوس نکالا تھا میرا۔!“

”وہ آخر ہے کون....؟“

”میرا ملازم.... بس گلے پڑ گیا ہے.... یہ سمجھ لو کہ ہاتھی پالا ہے میں نے چھ بوتلیں روزانہ مہیا کرنی پڑتی ہیں اس کے لئے۔!“

”تم کیا کرتے ہو....؟“

”آج تک سمجھ ہی میں نہیں آسکا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔“

”تو تم یہاں کے کوئی بے فکر رئیس ہو۔ جاگیر دار ہو یا نواب زادے۔ میں نے یہاں کے نوابوں اور جاگیر داروں کی دولت کے بہت قصے پڑھے ہیں۔!“

”چلو یہی سمجھ لو....!“

”لیکن میں نے پولیس کو بیان دیتے وقت تم لوگوں کا تذکرہ بھی کیا تھا۔!“

”اس کی مجھے کیا پرواہ ہو سکتی ہے۔ پتہ نہیں مجھ جیسے کتنے نواب زادے یہاں مارے مارے پھرتے ہیں۔ پولیس کس کس کے پیچھے جائے گی۔!“

”تمہارا اثر ہو گا پولیس پر.... میرا دعویٰ ہے کہ وہ پولیس آفیسر تمہارے نام پر چونکا تھا اور اپنے ساتھیوں کو معنی خیز نظروں سے دیکھنے لگا تھا۔!“

”پھر اس نے خود ہی تمہارا حلیہ دہرانا شروع کیا تھا۔ میں ہاں ہاں کرتی رہی تھی نہ صرف تمہارا بلکہ اس نیگرو کا حلیہ بھی۔!“

”پولیس والوں سے میرے بڑے احمقانہ تعلقات ہیں۔!“

”لیکن تم تو احمق نہیں معلوم ہوتے۔!“

”شکریہ....! کسی سے اپنے بارے میں یہ رائے سن کر کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اسی وقت

دوبارہ پیدا ہوا ہوں۔!“

”کیا مطلب....؟“

”بچپن سے اپنے بارے میں یہی سنتا چلا آرہا ہوں کہ پرلے درجے کا احمق ہوں۔!“

”کوئی احمق اس طرح کسی کی جان نہیں بچا سکتا.... جیسے تم نے اس وقت میری بچائی ہے۔!“

”خیر چھوڑو....!“ عمران شرما کر بولا۔ ”شرم آتی ہے اپنی تعریفیں سن کر....!“

”اب میرا کیا ہو گا۔!“

”گراؤڈ ہوٹل کی طرف رخ بھی نہ کرنا۔!“

”پھر پولیس میری تلاش میں نکل کھڑی ہوگی۔!“

”پرواہ مت کرو.... کیا تم رات کا کھانا کھا چکی ہو۔!“

”نہیں.... مجھے بھوک لگ رہی ہے۔!“

”میں دونوں مل کر کھانا تیار کریں گے.... یہ جگہ میری آرام گاہوں میں سے ایک ہے۔!“

”وہ تو سب ٹھیک ہے.... لال.... لیکن....!“

”لیکن کیا....!“

”میری اس کچنگ مجھے واپس کر دو.... اس کے بغیر میں اپنا مشن پورا نہ کر سکوں گی۔!“

”اس کچنگ بک کہیں بھاگی نہیں جاتی۔ مجھے اس نے صرف اسی حد تک دلچسپی ہے کہ اس کی وجہ

سے ایک قتل ہوا ہے۔!“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کی وجہ سے قتل کیوں ہو سکتا ہے۔!“

”جب تک کہ مجھے اس کی اہمیت اور تمہارے مشن کا علم نہ ہو میں کس طرح سمجھا سکوں گا۔!“

”اچھی بات ہے.... میں تمہیں بتا دوں گی۔ لیکن پہلے کچھ کھانا چاہئے بھوک سے طبیعت

ٹھہرا رہی ہے۔!“



بہف روجر کو ہوش آیا تو اس نے اپنے ہاتھ بھی پشت پر بندھے ہوئے پائے اور ان چاروں کو

اپنے ہاتھ کھول لینے کی جدوجہد میں مصروف دیکھا۔

”تم سب گدھے ہو....!“ وہ حلق پھاڑ کر دھاڑا۔

”واقعی گدھے ہیں.... ہم پانچوں!“

”شٹ اپ....!“ ہف روجر دہاڑا۔

”اس سے کوئی فائدہ نہیں.... ہمیں یہاں سے نکلنا چاہئے۔! پتہ نہیں یہ کون تھا۔!“

”دروازہ مقفل کیوں نہیں کیا گیا تھا....!“ ہف روجر غرایا۔

”تم نے ہی کیوں نہیں خیال رکھا۔!“

”میں کہتا ہوں خاموش رہو....!“

”لیکن وہ ہمیں اس طرح باندھ کر کیوں ڈال گیا ہے۔!“

”میں نہیں جانتا....!“ ہف روجر بیزاری سے بولا۔

”وہ اس کچ بک بھی لے گیا۔!“

”میرا دماغ نہ کھاؤ....!“ ہف روجر کی آواز پست ہو گئی تھی۔

”کیا ہم اس کی واپسی کے انتظار میں پڑے رہیں گے....؟“

”اسے واپس آئیگی کیا ضرورت ہے۔ لیکن ہم کسی تیسری پارٹی کے وجود سے لاعلم رہے ہیں۔!“

”آخر اس اس کچ بک میں کیا ہے روجر....؟“

”میں نہیں جانتا.... وہ بلڈاگ کا بچہ خود نہیں آنا چاہتا لڑکی کے سامنے.... اس لئے اس کچ بک

تم لوگوں کے حوالے کر دی تھی۔!“

”اور تم نے وہ اس کچ بک اس کے حوالے کر دی۔!“ ان میں سے ایک نے طنز یہ لہجے میں کہا۔

”ہیلے.... اس سے کہو خاموش رہے۔!“

”سنو روجر... جب اسے یہ معلوم ہو گا کہ اس کچ بک ہم سے کسی جیب کترے نے ہتھیالی تو؟“

”خاموش رہو.... خاموش رہو.... ہمیں جلد ہی کچھ کرنا چاہئے۔!“

وہ پھر اٹھ بیٹھنے کی کوشش کرنے لگے۔

اتنے میں راہداری سے بھاری بھاری قدموں کی آواز آئی اور وہ ایک دم ساکت ہو گئے۔

پھر اس نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا.... اور اندر آ گیا۔

یہ ایک چوڑے شانوں والا کوتاہ گردن آدمی تھا۔ ٹھوری بھاری تھی اور ہونٹ اتنے پتلے تھے

کہ نوکیلی ناک کے نیچے صرف ایک لکیری معلوم ہوتی تھی۔ آنکھیں بھوری تھیں اور غیر معمولی

طور پر گھٹی بھوؤں کے نیچے بڑی ہیبت ناک لگ رہی تھیں۔ جسم کی بناوٹ بے پناہ قوت کی غمازی

کر رہی تھی۔ دروازے کے قریب ہی رک کر اس نے سر دلچے میں کہا۔ ”یہ کیا مسخرہ پن ہے۔!“

کوئی کچھ نہ بولا.... ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انہیں سانپ سونگھ گیا ہو۔

”بتاؤ....!“ وہ پیر پٹخ کر دہاڑا۔

”ہم نہیں جانتے وہ کون تھا؟“ ہف روجر مردہ سی آواز میں بولا۔

”کون....؟“

”میں کریسٹن کو یہاں لایا تھا اور اس کچ بک دکھا کر اس سے سوالات کر رہی رہا تھا کہ اچانک وہ آ گیا۔!“

”وہ کون....؟ سور کے بچے۔!“

”میں نہیں جانتا.... اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔!“

”کیسا تھا....؟“

”کچھ عجیب سی شکل تھی۔ پھولی ہوئی بد نما ناک کے نیچے اتنی گھنی مونچھیں تھیں کہ دہانہ

چھپ گیا تھا۔“

”کوئی مقامی آدمی....!“

”ہاں مقامی ہی معلوم ہوتا تھا....!“

”یقیناً وہ تمہارے ہی پیچھے لگ کر یہاں تک پہنچا ہو گا۔!“

”پتہ نہیں۔!“

”پتہ نہیں....!“ آنے والے نے دانت پیس کر دہراتے ہوئے اس زور کا تھپڑ ہف روجر

کے منہ پر رسید کیا کہ وہ پھر فرش پر لوٹ گیا۔ اس کی ناک سے خون کی دھار بہہ نکلی تھی۔

اب وہ ان چاروں کی طرف متوجہ ہوا۔ چند لمحے انہیں گھورتا رہا پھر سر دلچے میں بولا۔ ”کیا وہ

تھا تھا۔!“

”تھا تھا....!“ ان میں سے ایک نے پھنسی پھنسی آواز میں جواب دیا۔

”تھا آدمی تم پانچوں کو اس طرح بے بس کر گیا کیوں....؟“

کوئی کچھ نہ بولا۔

”اس کچ بک کہاں ہے....؟“ وہ حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

”اے چھوڑو یہ بتاؤ کہ ان پانچوں میں سے کوئی بھی تمہیں سوئیڈش معلوم ہوا تھا یا نہیں!“  
 ”میرا خیال ہے کہ ان میں سے ایک بھی میرا ہم وطن نہیں تھا۔“  
 ”تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ جس نے تم سے فون پر گفتگو کی تھی ان لوگوں کے درمیان موجود نہیں تھا۔“

وہ کچھ نہ بولی۔ خاموشی سے ابلے ہوئے مٹر حلق سے اتارتی رہی۔

”اچھی بات ہے.... اے بھی چھوڑو....!“ عمران کچھ دیر بعد بولا۔

”یہ بتاؤ کبھی تمہارے ملک میں بھی کسی نے اس اسکلچرک کے لئے بے چینی ظاہر کی تھی۔!“

”کبھی نہیں....! وہاں میں بڑے سکون سے زندگی بسر کرتی رہی ہوں۔!“

وہ پھر کچھ دیر خاموشی سے کھاتے رہے۔

عمران کو شش کر رہا تھا کہ وہ خود ہی آہستہ آہستہ اسکلچرک کی اصل کہانی اگل دے۔

دفعتاً وہ چونک پڑا اور اس طرح اٹکنے لگا جیسے کسی قسم کی آواز سنی ہو۔

”کیا بات ہے؟“ ٹکر سٹن نے پوچھا۔ لیکن اسے جواب دینے کی بجائے عمران نے فوراً

کرو سین لیپ بچھا دیا۔

”نک.... کیا....!“

”خاموش بیٹھی رہو....!“ عمران آہستہ سے بولا۔

اور پھر وہ آواز واضح ہوئی اور یہ کسی بلند ہاؤنڈ کی آواز ہو سکتی تھی۔

”شاید کوئی کتاب ہماری تلاش میں سرگرداں ہے۔!“ عمران بولا۔

”کیا مطلب....؟“

”اوہ.... تو وہ ہماری راہ پر لگ گیا ہے۔!“ آواز آہستہ آہستہ قریب آتی جا رہی تھی۔

”پھر کیا ہو گا۔!“

”جہاں ہو وہیں بیٹھی رہو.... میں دیکھ لوں گا۔!“

ذرا ہی دیر میں وہ مکان کی چھت پر جا پہنچا.... کتاب مکان کے قریب ہی کھڑا جھونک رہا تھا

اور اس کے ساتھ ایک انسانی ہیولا بھی نظر آیا اس نے مکان پر نارنج کی روشنی ڈالی تھی عمران نے

بڑی پھرتی سے خود کو روشنی کی پہنچ سے بچایا۔

”وہ اسکلچرک لے گیا....!“ ہف روجر بھی اسی کے سے انداز میں چیخ کر بولا۔

”اور کریسٹن کو بھی لے گیا۔!“

”کتے....!“ اس نے بڑھ کر اس کے سر پر ایک زور دار ٹھوکر سید کی پھر ہف روجر کسی

مرتے ہوئے پھینے کی طرح ذکر کر خاموش ہو گیا تھا۔

کو تھ گردن آدمی کسی غضب ناک بھیڑیے کی طرح ہانتا رہا۔ پھر چپ چاپ کمرے سے باہر چلا گیا۔

وہ چاروں اب ہف روجر کی طرف دیکھ رہے تھے جو غالباً دوبارہ بے ہوش ہو گیا تھا۔

اس کے بعد وہ خاموشی سے ایک دوسرے کی شکل دیکھتے رہے تھے۔!

دروازہ پھر کھلا اور وہی آدمی اندر آیا۔ اس بار وہ خالی ہاتھ نہیں تھا۔ بلکہ چوڑے پھل والی ایک

بڑی سی کلہاڑی سنبھال رکھی تھی۔!

اسے اس ہیئت کدائی میں دیکھ کر وہ چاروں ہدایتی انداز میں چیختے لگے۔

”تم میں سے کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا۔!“

”نہیں.... نہیں....!“ وہ بیک وقت گھٹکھیا۔

لیکن وہ ایک کے شانے پر کلہاڑی سے وار کر چکا تھا.... اس کی گردن کٹ کر بائیں شانے پر

جھول گئی۔ بڑی خوف ناک خرخرہٹ کے ساتھ کئی ہوئی گردن سے خون کا فوارہ چھوٹا تھا۔

پھر وہ سب بے بسی سے چیختے اور یکے بعد دیگرے قتل ہوتے رہے۔ آخر میں اس نے بے

ہوش ہف روجر کی گردن پر بھی وار کیا اور وہ بھی چپ چاپ ختم ہو گیا۔



میز پر ابلے ہوئے مٹر کے دانوں اور اٹنڈوں کے خاکینے کے ساتھ ہی باسی روٹی کے بھورے

ٹوسٹ بھی موجود تھے۔

”ایسے ہی کھانے سے بدن میں جان آتی ہے۔!“ عمران کریسٹن سے کہہ رہا تھا۔

”جھوک میں ہر چیز اچھی لگتی ہے۔ تمہارے اور کیا مشاغل ہیں....؟“ کریسٹن نے پوچھا۔

”مشاغل؟ ہاں ہاں.... مشاغل شریف آدمیوں کے ہوتے ہوں گے۔ ہم جیسوں کو مشاغل

کی فرصت کہاں۔!“

”آخر کچھ نہ کچھ تو کرتے ہو گے۔!“

اس کے بعد ہی دروازہ پینے کی آواز سنائی دی تھی۔ عمران دوبارہ نیچے پہنچا۔ کریسٹن بُری طرح سہی ہوئی تھی.... دفعتاً باہر سے گونج دار آواز سنائی دی۔  
”دروازہ کھولو ورنہ توڑ دیا جائے گا!“

”تم بس اسی طرح خاموش بیٹھی رہنا....!“ وہ آہستہ سے بولا اور پھر کمرے سے نکل کر پچھلے دروازے پر پہنچا.... یہ آہستگی دروازہ کھول کر مکان کی پشت پر نکل آیا اور اب وہ زمین پر سینے کے بل لیٹ کر آہستہ آہستہ ریٹنگتھا ہوا صدر دروازے کی طرف جا رہا تھا۔

کتے کی دھندلی پر چھائیں تو اسے نظر آئی لیکن دروازہ پینے والا نہ دکھائی دیا پھر قتل مندی کا تقاضہ یہی تھا کہ وہ سائیلنسر لگے ہوئے ریوالور سے کتے پر فائر کر دیتا اور یہ حقیقت ہے کہ اگر پل بھر کے لئے بھی چوکا ہوتا تو کتے نے اس پر چھلانگ لگا دی ہوتی۔

وہ گولی کھا کر اچھلا ہی تھا کہ عمران نے دوسرا فائر بھی کر دیا اس کی آخری چیخیں بڑی بھیانک تھیں۔ عمران نے دوسرے ہی لمحے میں بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنیں لیکن بھاگنے والے کو نہ دیکھ سکا۔

پھر ذرا ہی سی دیر میں پہلے کا سانسنا طاری ہو گیا۔

اب وہ دوبارہ ریٹنگتھا ہوا مکان کے عقبی حصے کی طرف واپس جا رہا تھا۔

کریسٹن سہی ہوئی حالت میں ملی۔

”وہ سب کیا تھا....!“ اس نے گھٹی گھٹی سی آواز میں پوچھا۔

”میرا خیال ہے کہ ہم یہاں محفوظ نہیں ہیں۔!“

”تو پھر اب کیا ہو گا۔!“

”میں تمہاری حفاظت کی ذمہ داری لے چکا ہوں۔!“

”میرے خدا میں کیا کروں.... سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ان حالات سے گزرنا پڑے گا۔!“

”پردہ مت کرو.... میں ابھی آیا....!“

”ایک بار پھر وہ پہلے ہی کی طرح عقبی راستے سے اسی طرف جا رہا تھا۔ کتے کی لاش کے

قریب پہنچ کر وہ اس کی گردن ٹٹولنے لگا اور ایک آسودہ سی طویل سانس لی۔

اب وہ اس کے گلے سے پٹہ کھول رہا تھا۔

پھر بیس منٹ کے اندر ہی اندر وہ وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔  
موٹر سائیکل جہاں چھوڑی گئی تھی وہیں ملی۔

سفر دوبارہ شروع ہو چکا تھا.... کریسٹن خاموش تھی.... سوچتے سوچتے اس کا ذہن تھک گیا تھا وہ ایسا محسوس کر رہی تھی جیسے اس کا جسم ہلکا ہو کر فضا میں اڑا جا رہا ہو۔  
سڑک سنسان تھی اور موٹر سائیکل تیز رفتاری کے ریکارڈ توڑ رہی تھی۔



صفدر حیرت سے آنکھیں پھاڑے ان پانچوں لاشوں کو گھورے جا رہا تھا۔ ان میں اسے ہف روجر بھی نظر آیا۔ کیا یہ خود عمران کی حرکت ہے؟ اس کے ذہن میں ابھرا۔ نہیں وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ ذہن ہی نے جواب دیا۔

قتل ہونے والوں کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ یہ عمران کا کام نہیں ہو سکتا۔ ہرگز نہیں۔  
عمران ہی نے صفدر کو فون پر ہدایت دی تھی کہ وہ اس عمارت کی نگرانی کرے۔ اگر محسوس کرے کہ عمارت خالی ہے تو کسی طرح اندر جا کر اس کی تصدیق کرے۔

تو اس طرح وہ عمارت کے اندر پہنچا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ عمارت سے باہر آگیا.... عمران نے دوبارہ رابطہ قائم کرنے کے لئے اس کو فون نمبر دیئے تھے۔

شہر واپس آ کر اس نے اسی نمبر پر عمران سے رابطہ قائم کیا اور اسے رپورٹ دی۔

”کیا خیال ہے تمہارا....!“ دوسری طرف سے عمران کی آواز آئی۔

”کیا یہ آپ کا کارنامہ ہے؟“

”ہوش کی دوا کرو....!“

”مجھے یقین ہے کہ آپ ایسا نہیں کر سکتے عام حالات میں۔!“

”خیر.... اب دوسرا کام ہے صبح دس بجے تک ہو جانا چاہئے۔!“

”فرمائیے....!“

”میونیکل کارپوریشن کے پالتو جانوروں کے شعبے سے معلوم کرو کہ ایک ہزار دو سو تیرہ

(۱۲۱۳) نمبر والا سنسن کس کتے کو دیا گیا تھا۔!“



”آپ جانتے ہیں۔!“

”جی ہاں.... وہ اگلی کے آگے والی گلی میں رہتے ہیں۔!“

”براہ کرم انہیں وہاں پہنچانے میں میری مدد کیجئے۔!“ صفدر نے اس کے لئے اگلی سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

کار دوبارہ چل پڑی۔

”ان پر کبھی کبھی بے ہوشی کے دورے پڑتے ہیں۔!“ راہ گیر بولا۔

”تب تو ہمیں کسی ہسپتال کا رخ کرنا چاہئے۔!“

”ان کے گھر کے کسی آدمی کو بھی لے لیں۔!“ راہ گیر بولا۔

”جی ہاں.... ٹھیک ہے۔!“

گاڑی اس کی بتائی ہوئی گلی میں مڑی اور کچھ دور چل کر رک گئی۔

راہ گیر اتر کر ایک عمارت میں داخل ہوا اور کچھ دیر بعد پھر پلٹ آیا۔

”گھر میں انکی بیگم صاحبہ تنہا ہیں۔ بیٹوں میں سے کوئی بھی نہیں انکا اصرار ہے کہ قاضی صاحب کو اندر پہنچاد۔ وہ گھر ہی پر ڈاکٹر کو بلوالیں گی۔ اب آپ انہیں اندر پہنچانے میں میری مدد کیجئے۔!“

صفدر نے براہِ سامنہ بنایا اور پھر وہ دونوں بے ہوش بوڑھے کو ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے ایک فلیٹ میں داخل ہوئے کمرے میں سامنے ہی بستر نظر آیا اور اسے لٹا کر جیسے ہی صفدر سیدھا کھڑا ہوا اس کی آنکھوں میں ستارے ناچ گئے۔

بہت ہی دزنی چیز سے اس کے سر پر ضرب لگائی گئی تھی۔ فوری طور پر وہ اپنے گرد و پیش سے بے خبر ہو گیا۔



عمران بحیثیت ایکس ٹوفن پر کیپٹن خاور کی کال ریسیو کر رہا تھا۔

”وہ بوڑھا جو میونسپل کارپوریشن سے اس کی گاڑی میں سوار ہوا تھا پریورڈ پر پہنچ کر پچھلی سیٹ پر بے ہوش پلایا گیا۔ ایک راہ گیر نے اس کی شناخت کی اور صفدر کو اس کے گھر تک لے گیا۔ پھر ان دونوں نے بوڑھے کو گاڑی سے نکالا اور ہاتھوں پر اٹھائے ہوئے ایک عمارت میں داخل ہوئے۔ پچیس منٹ ہو چکے ہیں۔ لیکن صفدر ابھی تک عمارت سے باہر نہیں آیا۔ نعمانی کو اپنی جگہ

”ذرا ٹھہریے.... میں نوٹ کر لوں۔!“

”صبح ہونے والی تھی.... صفدر نے سوچا اب آرام کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اگر دس منٹ کے لئے بھی لیٹا تو دس گھنٹے سے پہلے آنکھ نہ کھلے گی۔

میونسپل کارپوریشن والے کام میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ پانچ روپے اس شعبے کے چراسی کو دیئے تھے اور وہ ”ہیٹل پاس“ کے نمبروں کے ذریعہ کتے کے مالک کا پتہ نکال لایا تھا۔

اور پھر جب صفدر اپنی گاڑی میں بیٹھ رہا تھا ایک آدمی اس کے قریب آکر لفٹ کا خواہاں ہوا۔ ضعیف آدمی تھا اس کی سانس پھول رہی تھی۔

”مم.... مجھے پریورڈ تک جانا ہے.... کیا آپ اس طرف سے تو نہیں گذریں گے۔!“

”بیٹھ جائیے.... میں آپ کو پہنچا دوں گا۔!“

”بہت.... بہت شکریہ....! خدا عمر دراز عطا کرے۔!“ وہ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر

اندر بیٹھتا ہوا بولا۔ صفدر نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

پریورڈ سے گزرتے وقت اس نے پوچھا تھا کہ گاڑی کہاں روکی جائے لیکن جواب نہیں ملا تھا۔ ”کیا سو گئے جناب....!“ اس نے پھر اونچی آواز میں اسے مخاطب کیا اور جواب نہ ملنے پر

گاڑی فٹ پاتھ سے لگا کر کھڑی کر دی۔

مڑ کر دیکھا تو وہ ہاتھ پیر ڈھیلے کئے سیٹ کی پشت گاہ سے ٹکا ہوا تھا۔ منہ پھیلا ہوا تھا اور آنکھیں بند تھیں۔ سانس پہلے ہی کی طرح پھول رہی تھی۔ صفدر نے اس کو گھٹنا پکڑ کر بلایا لیکن

اس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔

”کیا مصیبت ہے....؟“ وہ بڑبڑایا اور گاڑی سے اتر آیا.... اور پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر

بہت قریب سے اسے آواز دینے لگا لیکن بے سود۔

”کیا بات ہے جناب....؟“ ایک راہ گیر چلتے چلتے رک گیا۔

ان صاحب نے پریورڈ کے لئے مجھ سے لفٹ لی تھی۔ پتہ نہیں سو رہے ہیں یا بے ہوش

ہو گئے ہیں۔!“ صفدر مڑ کر بولا۔

راہ گیر اور قریب آ گیا تھا۔

”اوہ.... یہ تو قاضی صاحب ہیں....!“ اس نے کہا

لجے میں بولا۔

”اچھی بات ہے تو اب تم اردو کی کسی لغات میں بوں ڈر تلاش کرو۔۔۔!“

”کیا بکواس ہے۔۔۔؟“

”بوں ڈر پوری زبان میں بگو لے یا گرد باد کو کہتے ہیں۔ یقین کرو کہ بوں ڈر اور بگو لے کتبہ والے پڑوسی بھی ہو سکتے ہیں۔ ایسے پڑوسی کہ دونوں کے درمیان صرف ایک دیوار حائل ہو۔!“

”جہنم میں جائے۔۔۔!“ فیاض غریبا۔ ”کریسٹن کو کہاں چھپایا ہے۔!“

”دل میں۔۔۔۔!“

”عمران۔۔۔۔!“

”مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔۔۔۔!“ عمران خشک لہجے میں بولا اور سلسلہ منقطع کر کے جلدی چلی۔ لباس تبدیل کرنے لگا۔

دس منٹ کے اندر ہی اندر اس کی گاڑی پریٹورڈ کی طرف جارہی تھی۔

گلی کے موڑ سے پہلے اس نے گاڑی روک دی اور اتر کر اس کا بونٹ اٹھایا تھا۔ انجن پر کچھ دیر بھکے رہنے کے بعد پھر اسٹیرنگ پر آمیشا لیکن گاڑی اسٹارٹ نہ ہوئی۔ اس نے مایوسی سے چاروں طرف دیکھا اور آنے جانے والوں سے گاڑی کو دھکا لگانے کی درخواست کرنے لگا۔

گاڑی کو دھکا دینے والوں میں سار جٹ نعمانی بھی شامل تھا۔

عمران نے اسے گلی میں موڑ دیا۔۔۔ کچھ دور پر صفدر کی گاڑی کھڑی دیکھ کر اطمینان کی سانس لیتا ہوا بلند آواز میں بولا۔ ”بس“

گاڑی سے اترتے ہوئے اس نے دھکا لگانے والوں کا بڑی لجاجت سے شکریہ ادا کیا۔

اور پھر بونٹ اٹھا کر دوبارہ انجن پر جھکا ہی تھا کہ نعمانی قریب آکر آہستہ سے بولا۔ ”ابھی اندر ہی ہے۔!“

”ڈسٹری بیوٹر کے کتے تڑمڑ گئے ہیں۔!“ عمران سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔

”تو پھر میں اس سلسلے میں کیا خدمت کر سکوں گا۔“ نعمانی مسکرا کر بولا۔

”کچھ نہیں۔۔۔۔ ڈسٹری بیوٹر میں بھی ایک کتا اور ایک کتیا ہونی چاہئے۔!“

”موڈ بہت خراب معلوم ہوتا ہے۔!“

”چوڑ کر ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ تک آیا ہوں۔!“

”ٹھیک ہے!“ عمران بولا۔ ”وہیں ٹھہرو۔۔۔۔ عمران تمہاری جگہ لے گا۔ عمارت کا پتہ بتاؤ۔!“

پھر دوسری طرف سے خاور اسے عمارت کا محل وقوع بتاتا رہا اور کاغذ پر نوٹ کرتا گیا۔

”اچھی بات ہے۔!“ ایکس ٹو غریبا۔ ”تم گدھوں کے پیچھے اگر کوئی دوسرا گدھا بھی نہ لگا ہو تو تم سب بیک وقت غرق ہو جاؤ میں جانتا تھا کہ یہ ضرور ہو گا۔ اور۔۔۔۔!“ اس نے ریسیور کریڈل پر رکھتے ہوئے طویل سانس لی۔

پچھلی رات سے اب تک نہیں سویا تھا۔ کریسٹن کو ایک محفوظ جگہ پہنچانے کے بعد اپنے فلیٹ میں واپس آ گیا تھا۔ اس کے پاس تھی کریسٹن نے اس کا مطالبہ نہیں کیا تھا اور نہ عمران ہی نے اس سے اس کی کہانی پوچھی تھی۔

وہ ابھی فون کے قریب سے ہٹا بھی نہیں تھا کہ پھر گھنٹی بجی۔

اس نے ریسیور اٹھالیا۔۔۔ دوسری طرف سے جولیانافنر واٹر کی آواز آئی۔ ”یس“ وہ ایکس ٹو کے لہجے میں غریبا۔

”اس عمارت پر ٹولٹ کا بورڈ لگا ہوا ہے جناب۔۔۔۔!“ میں نے مالی سے اس کے لئے بات کی۔۔۔۔ اس نے مجھے پوری عمارت دکھائی۔ کہیں کوئی لاش نہیں ملی۔!“

”تمہیں یقین ہے کہ تم ٹھیک جگہ پہنچی تھیں۔!“

”بالکل یقین ہے جناب۔۔۔۔!“

”اچھا۔۔۔۔!“

اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔ پھر نشست کے کمرے میں قدم رکھا ہی تھا کہ یہاں والے فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے فیاض کی آواز سنائی دی۔

”کریسٹن کہاں ہے۔۔۔۔!“

”کون کریسٹن۔۔۔۔؟“ عمران نے پوچھا۔

”وہی آرٹسٹ لڑکی۔۔۔۔!“

”اوہ۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔ گھاؤنچ ببرا کی خالق۔۔۔۔!“

”گھاؤنچ ببرا بکواس ہے۔ انسائیکلو پیڈیا میں اس نام کا کوئی پرندہ نہیں مل سکا۔!“ فیاض غصیلے

”گھاؤنچ ہبر!“

”کیا؟ یہ کیا بلا ہے....!“

”کچھ نہیں.... مقدر کی خرابی کو کہتے ہیں۔ بعض اوقات کنوارے آدمی کو بھی کہہ دیتے ہیں۔ جہاں جیسا موقع ہو۔ واللہ اعلم بالصواب....!“

”کہاں کی ہانک رہے ہیں جناب....!“

عمران نے شعر پڑھا۔

عالم و فاضل کیوں کہلائے وہ جاہل بے پیر  
ان آنکھوں میں پڑھ نہ سکے جو کاجل کی تحریر  
”اللہ رحم کرے!“ نعمانی نے مسکسی صورت بنا کر کہا۔

”دوسرا شعر سنو۔

اس کے جلوے کو بہت ہے ہم کو چشم سر گلیں  
ہم نہیں موسیٰ کہ جاکر کوہ پیما کی کریں

تیسرا شعر سنو۔

کتوں نے کس کا راہ فنا میں دیا ہے ساتھ  
تم بھی چلے چلو یونہی جب تک چلی چلے

”اچھا تو میں چلا....!“

”خاور کو بھی ساتھ لیتے جانا....!“

”تم کیا جانو....!“

”تمہارا چوہا کم از کم مجھے ساری تفصیلات سے آگاہ رکھتا ہے۔!“

”بس جاؤ.... میں بھیڑ بھاڑ پسند نہیں کرتا۔!“

”سچ بتانا کبھی دیکھا ہے اُسے۔!“

”گھاؤنچ ہبر اسی کبھی نہیں دیکھا تھا اسے دیکھ کر کونسا سکھ پالیا ہے کہ کسی اور کی تمنا کر سکوں

بس ٹانا....!“

”گھاؤنچ ہبر کیا ہے....!“

”میرے اور کینٹین فیاض کے دماغ کا فتور.... چلتے پھرتے نظر آؤ۔!“

”ہو سکتا ہے۔“ ہمیں مدد کی ضرورت پیش آئے۔!“

”اپنی مدد آپ کرنے کی عادت ڈال رہا ہوں۔ ضروری نہیں کہ مددگار ہر وقت مہیا ہو سکے یا مدد کرنے کے سلسلے میں مخلص بھی ہو۔ میاں ہم تو بس اپنا ہی دم قدم دیکھتے ہیں۔ گدھے دست اہل کرم دیکھتے ہیں۔!“

”گدھے نہیں گدا....!“

”وہ بغیر دم کا ہوتا ہے اس لئے خارج از بحث ہے یا بحث از خارج ہے۔ جو کچھ بھی کہتے ہوں۔!“  
دفترا نعمانی چونک کر بولا۔ ”اوہو.... وہ پھر بے ہوش بوڑھے کو اٹھائے ہوئے لار ہے ہیں۔ لیکن صفدر کہاں ہے.... میرے خدا.... یہ وہ بوڑھا تو نہیں معلوم ہوتا۔! وہ اتنا تندرست نہیں تھا۔!“

عمران اس کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے پھر انجن پر جھک گیا۔

”اوہو.... وہ اسے صفدر ہی کی گاڑی میں ڈال رہے ہیں۔ لیکن صفدر کہاں ہے۔!“ نعمانی بڑبڑایا۔

”اُدھر مت دیکھو....!“ عمران انجن پر جھکا ہوا آہستہ سے بولا۔

صفدر کی گاڑی ان کے قریب سے گزر گئی۔

”چلو بیٹھ جاؤ....!“ عمران نے بونٹ گراتے ہوئے کہا۔

”نعمانی بڑی پھرتی سے اگلی سیٹ پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ”بائیں جانب مڑی ہے۔!“

عمران گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا اور پھر جیسے ہی گاڑی موڑ پر پہنچی خاور بھی پچھلا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔

”اُسے کیا دماغ چل گیا ہے تم لوگوں کا....!“ عمران سر جھٹک کر بولا۔

”تیزی سے چلو....!“ خاور ہانپتا ہوا بولا۔ ”میں نے قریب سے دیکھا تھا انہوں نے بے ہوش

صفدر پر بوڑھے آدمی کا میک اپ کیا ہے۔!“

عمران نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبایا کچھ بولا نہیں۔ اس نے بحیثیت ایکس ٹوان سے کہا تھا

نران ان کی جگہ لے گا۔ پھر بھی چٹے ہوئے ہیں۔ خیر دیکھا جائے گا۔

سے اطمینان سے آہستہ آہستہ جارہے ہیں وہ لوگ۔“ نعمانی بولا۔

”نہیں معلوم ہوتے۔!“ پچھلی سیٹ سے خاور کی آواز آئی۔ ”وہ بھی اطمینان کرنا چاہتے

ن کہ ان کا تعاقب تو نہیں کیا جا رہا۔“

”اگر کھیل بڑ گیا تو ذمہ داری تم دونوں پر ہوگی۔“ عمران بولا۔

”تم تو اشعار ہی سناتے چلو پیارے۔“ نعمانی نے ہنس کر کہا۔

”کچھ دیر بعد تم دونوں کا مرثیہ پڑھتا نہ نظر آؤں۔“

”مرچیں چبار کھی ہیں کیا۔۔۔!“ خاور بولا۔

”تم لوگوں نے میری زندگی تلخ کر رکھی ہے۔“

کچھ دیر بعد گاڑی ایک غیر ملکی مشن ہسپتال کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ ”کیا چکر ہے“ نعمانی بڑبڑایا۔

”چکر نہیں۔۔۔۔۔ چکرات کہو۔۔۔۔۔!“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا اور اس کی گاڑی آگے

بڑھتی چلی گئی۔

ہسپتال کی کمپاؤنڈ سے آگے جا کر اس نے گاڑی روکی۔

”اب کیا کرو گے۔۔۔۔۔!“ خاور بولا۔

”گاڑی تم دونوں کے حوالے کر کے جدھر سینگ سائیں گے بھاگ نکلوں گا۔“

”ہم دونوں تو اندر جا رہے ہیں۔!“

”خدا کا شکر ہے۔۔۔۔۔ میں بری الذمہ۔۔۔۔۔!“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

وہ دونوں گاڑی سے اتر گئے۔ عمران انہیں پھاٹک میں داخل ہوتے دیکھتا رہا۔

کچھ دیر بعد وہ بھی گاڑی سے اتر ا اور کمپاؤنڈ میں داخل ہو کر ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ کی

طرف چل پڑا اور ٹھیک اس وقت وہاں پہنچا جب صفدر کے سر کی ڈریسنگ کی جارہی تھی اور اب

بوڑھے کے میک اپ میں نہیں تھا بے ہوش بھی نہیں تھا۔ ایک بیہوش والی کرسی پر بیٹھا اپنے سر

پر پٹی بندھوا رہا تھا۔ کوٹ کے پچھلے حصے پر خون کے دھبے تھے۔

اس کے بعد اس کو ایک انجکشن دیا گیا اور آئوینڈ چیئر دروازے کی طرف دھکیلتی جانے لگی۔

اسے صفدر کی گاڑی تک لے جایا گیا تھا۔

دو آدمیوں نے اسے کرسی سے اتار کر گاڑی میں بٹھایا۔۔۔۔۔ اب پھر اس کی آنکھیں بند ہو گئیں

تھیں۔ اسے پچھلی سیٹ پر بٹھایا گیا تھا اور دو آدمی اس کی دونوں طرف بیٹھے تھے۔

تیسرے نے اسٹیرنگ سنبھال لیا تھا۔



صفدر کو ایک بار اس وقت ہوش آیا تھا جب اس کے سر کی ڈریسنگ کی جارہی تھی لیکن یہ

بے ہوش طور پر شعور کی بیداری نہیں کہلایا جاسکتا تھا۔ ورنہ وہ کرسی سے اٹھ کر کسی نہ کسی

مخرج وہاں سے نکلنے کی کوشش کرتا۔ دوبارہ ہوش میں آنے کے بعد اس نے خود کو ایک وسیع

کمرے میں پایا تھا۔ جہاں چھت سے کئی روشن فانوس لٹک رہے تھے۔

وہ خود ایک آرام کرسی پر نیم دراز تھا۔ دفعتاً دروازہ کھلا اور ایک آدمی اندر داخل ہوا۔ کچھ

ٹیپ سا تھا۔ چوڑے شانوں والا کوتاہ گردن آدمی ٹھوڑی اتنی بھاری تھی کہ سینے تک پہنچتی معلوم

ہوتی تھی ناک اونچی اور نوکیلی تھی اور ناک کے نیچے پتلے پتلے بھینچے ہوئے ہونٹ ایک خم دار لکیر

کی طرح نظر آرہے تھے۔

وہ چند لمحے صفدر کو گھورتا رہا پھر بولا۔ ”تم کون ہو۔۔۔۔۔؟“

زبان انگریزی تھی اور لہجہ غیر ملکی۔ صفدر نے خیر آمیز انداز میں پلکیں جھپکاتے ہوئے خشک

ہونٹوں پر زبان پھیری لیکن کچھ بولا نہیں۔

”کیا تم بہرے ہو۔۔۔۔۔!“ وہ حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

”چیننے کی ضرورت نہیں۔!“ صفدر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میں سوچ رہا تھا کہ میں کہاں ہوں۔ میرا

نام صفدر ہے اب تم بتاؤ کہ کون ہو اور میرے ساتھ کس قسم کا مذاق کیا گیا ہے۔! میں نے اس

بوڑھے خبیث کو لفٹ دی تھی۔! وہ میری گاڑی میں بے ہوش ہو گیا۔ اسے اس کے گھر پہنچانا پڑا

لیکن اس کے گھر والوں نے میرے احسان کا یہ بدلہ دیا۔!“

”تم کسی کتے کے مالک کا پتہ لگانے میں یوٹیل کارپوریشن کے دفاتر میں گئے تھے۔!“

”ہاں گیا تو تھا پھر۔۔۔۔۔؟“

”کس نے بھیجا تھا۔۔۔۔۔؟“

”کیا بکواس ہے۔۔۔۔۔ تمہیں آخر اس سے کیا سروکار۔۔۔۔۔!“

”میری بات کا سیدھی طرح جواب دو ورنہ یہاں سے زندہ نہ جاسکو گے۔!“

”اے تو کیا میں نے چوری کی ہے یا ڈاکہ ڈالا ہے۔ میرے ایک غیر ملکی دوست نے مجھ سے

درخواست کی تھی کہ کتے کے مالک کا پتہ لگاؤں.....؟“

”غیر ملکی دوست.....!“

”ہاں..... ایک زندہ دل فرانسیزی.....!“

”کیا نام ہے.....؟“

”وان ہیکزوی..... ہم دونوں ہر شام ٹپ ٹپ میں ملتے ہیں۔!“

”اس کا پتہ بتاؤ.....!“

”ہو سکتا ہے وہ اس وقت بھی وہیں ہو.....!“

”رہتا کہاں ہے.....؟“

”نہ اس نے آج تک بتایا اور نہ میں نے پوچھا۔!“

”یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ تم نے اس کتے کے مالک کے بارے میں بھی اس سے نہ پوچھا ہو۔!“

”پوچھے بغیر ہی اس نے بتا دیا تھا.....!“

”کیا بتا دیا تھا.....!“

”کتا آوارہ پھرتا ہو وان ہیکزوی کے ہاتھ لگا تھا اگر وہ اسے پولیس کے حوالے کر دے تو پولیس بھی اس کے مالک تک پہنچا سکتی ہے۔ لیکن دان ہیکزوی براہ راست مالک سے ملنا چاہتا ہے۔ کتا بے حد پسند آیا ہے۔ اور وہ اسے خریدنا چاہتا ہے۔ ہو سکتا ہے مالک اس کا آفر قبول کرے۔!“

”تم نے دیکھا ہے وہ کتا.....!“

”میں نے تو نہیں دیکھا..... اس نے مجھ سے صرف تذکرہ کر کے پوچھا تھا کہ آخر مالک کا پتہ کیسے لگایا جائے۔ میں نے کہا یہ کتنی بڑی بات ہے۔ اگر کتے کے گلے میں ”پیتل پاس“ موجود ہو تو اس کے سیریل نمبر ہی سے پتہ لگایا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کوئی ایسی دشوار بات نہیں تھی۔ چیز ای کو پانچ روپے دیئے اور اس نمبر کے کتے کے مالک کا نام اور پتہ رجسٹر سے نکلوا لیا۔“

کو تاہ گردن آدمی سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ اس طرح صفدر کی آنکھوں میں دیکھے جا رہا تھا جیسے اس کے بیان کو تولنے کی کوشش کر رہا ہو۔

پھر کچھ دیر بعد غریبا۔ ”جب تک وان ہیکزوی ہمارے ہاتھ نہ لگے تمہاری گلو خلاصی ناممکن ہے۔!“

”آخر کیوں.....؟ جہنم میں جائے وان ہیکزوی..... وہ کوئی میرا رشتہ دار ہے کہ تم بطور رینما۔“

مجھے روکے رکھو۔!“

”اس کا حلیہ بتاؤ.....!“

”کیا یہ کوئی خطرناک معاملہ ہے۔!“ صفدر نے خوف زدگی کی اداکاری کرتے ہوئے پوچھا اور خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔

”اگر تم نے نہ بتایا تو تمہاری حکومت تمہیں جیل میں سزا دے گی۔ مجھے پورا پورا اختیار حاصل ہے ان معاملات میں۔ تمہاری حکومت کی درخواست پر میری حکومت نے مجھے یہاں بھیجا ہے۔!“

”اؤہ..... تو کیا مجھ سے اس سلسلے میں کوئی غلطی سرزد ہوئی ہے۔!“

”یقیناً..... بہت بڑی غلطی ہوئی ہے۔!“ وہ زانو پر ہاتھ مار کر بولا۔

”لیکن مجھے یہ کب معلوم تھا میں تو سمجھا تھا کہ وہ تو صرف کتا خریدنا چاہتا ہے یہاں اجنبی ہے۔ دفاتر سے اس کی واقفیت نہیں ہے لہذا میں نے۔!“

”خیر..... خیر..... اب تمہارا فرض ہے کہ میرا ہاتھ بٹاؤ.....!“

”بالکل..... بالکل میں تیار ہوں۔!“

”حلیہ بتاؤ اس کا.....!“

”چھوٹی سی سنہری ڈاڑھی باریک ترشی ہوئی مونچھیں۔ آنکھوں پر ریم لیس فریم والی عینک۔ رک رک کر گفتگو کرتا ہے اور گفتگو کے دوران میں مسلسل مسکراتا رہتا ہے۔ کتنی ہی پی جئے لیکن بہکتا نہیں..... میں نے کئی بار آزمایا ہے۔ صرف آنکھوں سے معلوم ہوتا ہے اس نے پی رکھی ہے۔!“

”اگر یہ جھوٹ نکلا تو.....!“ وہ اسے گھور کر بولا۔

”میں ایک معزز شہری ہوں۔ ٹھہرو..... میں تمہیں اپنا کارڈ دیتا ہوں..... تم صبح نو بجے تک اور شام کو چار بجے تک مجھ سے میرے گھر پر مل سکتے ہو۔ چھ بجے کے بعد میں عموماً تفریح کیلئے نکل جاتا ہوں پھر دس بجے سے پہلے واپسی نہیں ہوتی۔ اکثر اس سے بھی زیادہ دیر تک باہر رہتا ہوں۔!“

صفدر نے کوٹ کی اندرونی جیب سے اپنا وزیٹنگ کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

وہ اسے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ ”اچھی بات ہے میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے لئے رات کے کھانے کا کیا انتظام ہے۔!“

”نہیں شکریہ.....! میں گھر جا کر کھاؤں گا۔!“

اسی سمت چلی گئی جدھر صفدر گیا تھا۔ پل بھر کے لئے سوار کے چہرے پر الکٹرک پول سے روشنی پڑی تھی اور عمران نے اسے پہچان لیا تھا۔ وہ کیپٹن خاور تھا۔

عمران نے بھی گاڑی ادھر ہانک دی۔ لیکن اب وہ کچھ ایسی جلدی میں نہیں معلوم ہوتا تھا۔ گاڑی معمولی رفتار سے چلتی رہی اور وہ اپنے فلیٹ تک آپہنچا۔ سب سے پہلے ایکس ٹو والے فون کی طرف گیا۔ فون سے ایچڈ ٹیپ ریکارڈر پر کسی نئی کال کے ٹیپ ہونے کا اشارہ موجود تھا۔

ٹیپ چلا دیا اور صفدر کی آواز سنی۔ ”آپ شامد موجود نہیں ہیں۔“

اور پھر اس نے وہ سب کچھ کہہ سنائی جو اس پر گزری تھی۔

اس کے بعد آواز آئی۔ ”میں اپنے گھر تک محدود ہو کر آپ کی ہدایت کا انتظار کروں گا۔“

ٹیپ ریکارڈر کا سوچ آف کر کے عمران کسی سوچ میں گم ہو گیا۔

صفدر نے اپنی اس کال میں آدمی کا حلیہ بھی بتایا تھا۔ عمران نے ایکس ٹو کے فون پر صفدر سے رابطہ قائم کرنے کی بجائے اپنا نجی فون استعمال کیا۔

دوسری طرف سے صفدر کی آواز سن کر بولا۔ ”تمہیں کیا تکلیف ہے....؟“

”سر پھٹ گیا ہے....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”کچھ بھی ہوا بھی مجھے ہدایت ملی ہے کہ تم سے فوراً ملوں۔ تمہارے پاس کوئی کہانی ہے۔!“

”آجائیے.... غم ہی غلط کریں گے۔!“

”غم اور غلط دونوں ہی ٹین سے شروع ہوتے ہیں۔ خدا خیر کرے۔!“

”ابھی آجائیے جلدی سے!“ صفدر کی آواز کے بعد ہی سلسلہ منقطع ہونے کی بھی آواز آئی۔

پھر سلیمان اسے رات کے کھانے کیلئے آوازیں ہی دیتا رہ گیا تھا اور وہ فلیٹ سے نکلا چلا آیا۔ صفدر کے چہرے سے خاصی نقابت ظاہر ہو رہی تھی۔ عمران نے ایک بار پھر اس کی کہانی سنی اور ہنس کر بولا۔

”آئندہ کسی بوڑھے کو ہر گز لفٹ نہ دینا.... خیر کتے کے مالک کا پتہ بتاؤ....!“

”ایک مقامی یوریشن ڈیوڈولیز ہے.... سکس تھری ڈی....“ خلجی ٹاؤن میں رہتا ہے۔“

عمران نے جیب سے نوٹ بک نکالی اور نام اور پتہ تحریر کیا۔ پھر بولا۔ ”میا خیال ہے تمہارا!

”ایسا بھی کیا....!“ وہ اٹھتا ہوا بولا اور کمرے سے نکل گیا۔

صفدر وہیں اسی پوزیشن میں آرام کر سی پر پڑا رہا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس آدمی کو مطمئن کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔!

تقریباً آدھا گھنٹہ گزر گیا۔ لیکن پھر کسی نے بھی اس کی خبر نہ لی۔ اس نے سوچا اب اٹھنا ہی چاہئے۔ اس شخص سے اتنی گفتگو کے بعد وہ کم از کم چل پھر سکتا ہی تھا۔

شامد اسکے سر سے بہت زیادہ خون بہہ گیا تھا کیونکہ اٹھتے ہی اس نے خاصی نقابت محسوس کی تھی۔ ہال سے گزر کر وہ دوسرے کمرے میں داخل ہوا۔ یہ بھی خالی ہی تھا۔ اسی طرح پوری عمارت میں چکراتا پھرا لیکن کہیں کوئی نہ دکھائی دیا بالآخر وہ راہداری سے گزرتا ہوا صدر دروازے تک آپہنچا۔ دروازے کے ہینڈل سے ایک تڑا مڑا سا کاغذ چٹا ہوا تھا۔

صفدر نے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تو کاغذ اس سے الگ ہو گیا۔

سیاہ روشنائی سے کاغذ پر تحریر تھا۔

”اب اپنے گھر جاؤ.... اگر تم جھوٹے ثابت ہوئے تو دنیا کے کسی گوشے میں بھی نہیں بچ سکو

گے۔ میرا ہاتھ ہر حال میں تمہاری گردن تک پہنچ جائے گا۔!“

صفدر نے دروازہ کھولا اور برآمدے میں نکل آیا۔ برآمدے سے گزر کر روش طے کی اور پھانک پر پہنچتے ہی اپنی گاڑی بھی دیکھ لی۔ سڑک کے کنارے کھڑی تھی۔



عمارت کا برآمدہ روشن تھا۔ دفعتاً عمران کو وہاں صفدر نظر آیا۔ وہ تنہا تھا۔ پھر اس نے اسے باہر نکل کر گاڑی تک آتے دیکھا۔ وہ تنہا ہی گاڑی میں بیٹھا تھا اور گاڑی چل پڑی تھی۔

”گھاؤنچ ببرا....!“ عمران کی زبان سے غیر ارادی طور پر نکلا۔

جہاں اس نے اپنی گاڑی پارک کی تھی اس پاس کئی اور گاڑیاں بھی موجود تھیں۔ کچھ خلا تھیں اور کچھ میں ان کے ڈرائیور بھی موجود تھے۔

عمران کو کوئی ایسی گاڑی نہ دکھائی دی جس کے بارے میں سوچا جاسکتا کہ وہ صفدر کے تعاقب میں گئی ہوگی۔

البتہ جب وہ اپنی گاڑی اشارت کر رہا تھا بائیں جانب والی گلی سے ایک موٹر سائیکل نکلی اور

ہماری حکومت کا وہ ہمدرد کس ملک کا باشندہ ہو سکتا ہے....؟“

”مجھے تو کچھ شمالی یورپ کا سا لگا تھا.... ناروے یا سویڈن کا باشندہ....!“

”ہوں تو تم اسے اپنا پتہ دے آئے تھے۔!“

”وان ہیکزی والی کہانی کے بعد میں نے یہی مناسب سمجھا تھا لیکن اب وان ہیکزی کہاں سے پیدا کروں.... میرا خیال ہے کہ ٹپ ٹاپ میں اس حلیے کا کوئی آدمی نہ پا کر وہ ادھر ہی آئے گا۔!“

”اپنی نوٹ بک پر ایک پتہ تحریر کرو....!“ عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”اگر اس کی طرف سے مزید پوچھ گچھ ہو تو آنکھیں بند کر کے یہی پتہ اس کے حوالے کر دینا....!“

”لیکن میں تو اس سے کہہ چکا ہوں کہ مجھے اس کی رہائش گاہ کا علم نہیں۔!“

”یہ بھی کوئی ایسی بات نہیں کہ بتائی نہ جاسکے.... کہہ دینا اتفاق سے کبھی اس نے تمہیں کوئی ڈاکھا تھا جس کا لفافہ تمہیں کسی کتاب میں رکھا ہوا مل گیا۔ لفافے پر وان ہیکزی کا پورا پتہ تحریر تھا۔!“

”ہاں.... اُل.... یہ ممکن ہے....!“ صفدر کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”ایکس ٹو تم پر بجا طور پر فخر کرتا ہے۔!“ عمران کا لہجہ سنجیدگی سے بھرپور تھا۔

صفدر اسے مضحکہ انداز میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”خیریت.... خیریت....!“

”اس کی پوری ٹیم میں تمہارا جواب نہیں.... ایک بڑی مشکل تم نے آسان کر دی ہے۔!“

”میں نہیں سمجھا....!“

”وان ہیکزی کی کہانی....!“

پھر عمران نے اسے ایک پتہ تحریر کرایا۔ صفدر نوٹ بک کوٹ کی جیب میں رکھ ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسیور اٹھالیا۔

”لیس صفدر ہی بول رہا ہے۔!“ اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ”وہ اچھا.... اچھا.... نہیں ملا.... پرواہ مت کرو.... مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس نے ایک بار مجھے ایک خط لکھا تھا۔ لفافے پر اس کا پتہ تحریر تھا۔ میں اس لفافے کو تلاش کر رہا ہوں.... ہر گز نہیں کبھی نہیں۔ اگر وہ مجھ سے ملا کہہ دوں گا کہ مصروفیت کے باعث میں اس کا کام نہیں کر سکا۔ نہیں شکریے کی ضرورت نہیں۔ میں اپنا فرض انجام دے رہا ہوں۔ پوری طرح تم سے تعاون کروں گا۔ گڈ بائی۔!“

صفدر نے ریسیور کرئڈل پر رکھ دیا اور عمران کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

”بہت اچھے جا رہے ہو....!“ عمران بولا۔ ”فوراً ہی اسے پتہ نہ بتا کر تم نے عقل مندی کا ثبوت دیا ہے۔ ہو سکتا ہے کچھ دیر بعد وہ تمہیں فون کرے یہ معلوم کرنے کے لئے کہ لفافہ ملا یا نہیں۔ لیکن اسے اچھی طرح یاد رکھنا کہ اس نے عمارت کی نگرانی بھی شروع کر دی ہوگی۔!“

”میں سمجھتا ہوں....!“

”پتہ کل صبح سے پہلے ہر گز نہ بتانا....!“

”میں سمجھتا ہوں۔!“



کریسٹن نے دیوار سے لگے ہوئے کلاک کی طرف دیکھا۔ سوا دس بجے تھے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ آخر اس کا کیا حشر ہوگا۔ وہ حیرت انگیز آدمی بھی پھر نظر نہ آیا۔

اس کی اسکیچ بک اسی کے پاس تھی.... کچھلی رات وہ اسے اس عمارت میں چھوڑ گیا تھا اور ابھی تک اس کی واپسی نہیں ہوئی تھی۔

عجیب آدمی ہے اس نے اس سے اسکیچ بک کی کہانی معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ حالانکہ اگر وہ ذرا سی بھی دلچسپی ظاہر کرتا تو وہ بلا پس و پیش بیان کر دیتی۔

آج تک اس نے اس کے بارے میں کسی کو بھی کچھ نہیں بتایا تھا لیکن وہ محسوس کر رہی تھی کہ کم از کم اس آدمی سے تو کچھ بھی نہیں چھپا سکے گی۔

ہف روجر نے اسے قتل کر دینے کی دھمکی تھی۔ شاید وہ ایسا کر بھی گزرتا لیکن کریسٹن نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ اسے اس کے بارے میں ایک لفظ بھی نہ بتائے گی!

عمران کہاں رہ گیا.... وہ بار بار سوچتی.... اسے کچھلی رات کے واقعات کئی بار یاد آئے۔ کتنا ڈراؤنا میک اپ اس نے کر رکھا تھا۔ اور کتنی آسانی سے ان پانچوں کو بے بس کر دینے کے بعد ان کا مضحکہ اڑاتا رہا تھا۔

پھر اسے وہ منظر یاد آیا جب ہف روجر نے عمران پر حملہ کیا تھا۔ وہ تو سمجھی تھی کہ شاید کھیل نہی ہو گیا لیکن عمران کے حیرت انگیز پھر تیلے پن کے سامنے ہف روجر کی ایک نہ چلی اور بالآخر ہٹا ڈھیر ہو گیا۔

”عمران.... اوہ کہاں رہ گئے تھے تم....!“ وہ آہستہ سے بڑبڑائی۔

اور ٹھیک اسی وقت کسی نے باہر سے کال بل کا بٹن دبایا۔

وہ تیزی سے صدر دروازے کی طرف بڑھی۔ بھلا عمران کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔

لیکن دروازہ کھلتے ہی ایک اجنبی بڑی پھرتی سے اندر داخل ہوا۔ اگر وہ ایک بل کے لئے بھی ہچکچایا ہوا تو کریسٹن دروازہ بند کر چکی تھی لیکن اس نے تو اسے اس کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔

”تم کون ہو....؟“ کریسٹن خود پر قابو پانے کی کوشش کرتی ہوئی غرائی۔ وہ کچھ نہ بولا۔ اس کے سامنے بے حس و حرکت کھڑا رہا۔

بڑی دلکش شخصیت کا مالک تھا.... بال سنہرے تھے.... چھوٹی سی آرٹسٹک ڈاڑھی تھی.... باریک تر چھی ہوئی مونچھیں.... آنکھوں پر ریم لیس فریم والی عینک لباس سے نفاست پسندی ظاہر ہوتی تھی۔ عمر زیادہ سے زیادہ تیس سال رہی ہوگی۔

”ماموز نیل.... وان میکزی....!“ وہ کسی قدر جھک کر بولا۔

لہجہ فرانسیسیوں جیسا تھا.... وہ یورپ کی کئی زبانیں بول سکتی تھی اور فرانسیسی تو اچھی خاص جانتی تھی۔

”تم اس طرح اندر کیوں گھس آئے!“

”مجھے یہیں آنا تھا ماموز نیل....!“ اس نے بڑی شائستگی سے کہا۔

”کیوں....؟“

”میں نے وعدہ کیا تھا ماموز نیل.... آپ کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔!“

”کیا مطلب....؟“ وہ چونک کر پیچھے ہٹی۔ کیونکہ یہ جملہ انگریزی میں ادا کیا گیا تھا اور آواز سو فیصد عمران کی تھی۔

”چلو....! الجھنے کی ضرورت نہیں....!“ وہ آگے بڑھتا ہوا بولا۔

”پہلے گرم گرم کافی پیوں گا پھر باتیں ہوں گی۔!“

”تم نے تو مجھے ڈرا دیا....! کچھ سی رات جتنے بھیانک میک اپ میں تھے اس وقت اتنے ناخوبصورت لگ رہے ہو۔!“

”خوبصورت....!“ وہ چلتے چلتے رک گیا۔

”میں غلط نہیں کہہ رہی.... بہت پیارے لگ رہے ہو....!“

”زندگی میں پہلی بار کسی عورت سے اس قسم کا جملہ سنا ہے سمجھ نہیں آتا کہ مجھے شرمنا چاہئے یا مغموم ہو جانا چاہئے۔!“

”چلو....!“ وہ اس کی کمر میں ہاتھ دے کر دھکیلتی ہوئی بولی۔ ”تمہاری باتیں سمجھ میں نہ آنے کے باوجود بھی دلچسپ معلوم ہوتی ہیں۔!“

وہ ڈرائنگ روم میں آئے۔

”ٹھہرو.... میں تمہارے لئے کافی بنا لاؤں۔!“ اس نے کہہ کر جانا چاہا۔

”میں بھی چل رہا ہوں.... باتیں بھی ہوتی رہیں گی۔!“

کچن خاصا وسیع تھا.... اور وہاں ایک میز اور چند کرسیاں بھی پڑی ہوئی تھیں۔

کریسٹن اسٹوڈ پر کافی کے لئے پانی رکھنے لگی اور وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

”تم نے کسی ایسے آدمی کا تذکرہ کیا تھا۔ جس نے تم سے فون پر سوئیڈش میں گفتگو کی تھی۔!“

”ہاں اور اس کے بعد ہف روجر ملا تھا....!“

”تمہارا خیال ہے کہ وہ حقیقتاً کوئی سوئیڈش ہی تھا۔!“

”مجھے یقین ہے....!“

”کیا تم کسی کو تاہ گردن اور چوڑھے شانوں والے سوئیڈش سے واقف ہو۔!“

”وہ اس کی طرف مڑی اور متحیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔“

”اس کی ناک اونچی.... اور نکلی ہے۔ ٹھوڑی بھاری اور ہونٹ بہت پتلے ہیں۔ وحشیانہ انداز میں گفتگو کرتا ہے۔!“

”اوہ.... یہ تو تم.... یہ تو تم.... بیرن فلچر بولڈ کا حلیہ بیان کر رہے ہو۔!“

”یہ کون ہے....؟“

”میرے شہر کا چیف آف پولیس.... اور تمہیں سن کر حیرت ہوگی کہ وہ بھی.... اوہ تو کیا

وہ بھی یہاں موجود ہے۔!“

”موال کرنے کی بجائے بات جاری رکھو....!“

”وہ بھی.... میری اسکیج بک میں دلچسپی لیتا ہے۔!“

”اب بتا بھی ڈالو اسکیج بک کے بارے میں.... یہ تو جان کو آگئی ہے۔!“



”پہلے تم بتاؤ.... کیا بیرن فلچر بولڈ یہاں موجود ہے۔!“

”نہ ہوتا تو میں تم سے اس کے بارے میں کس طرح دریافت کرتا۔!“

کریسٹن نے ایک طویل سانس لی اور کسی سوچ میں پڑ گئی۔ وہ بغور اس کے چہرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ بولی۔ ”سچ مچ مصیبت بن گئی ہے یہ اسکیج بک.... میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس کے لئے اتنا ہنگامہ ہو گا۔ لیکن ہنگامے کی وجہ سمجھنے سے قاصر ہوں۔!“

”تم نے بتایا تھا کہ یہ تمہارے دادا کے وقت سے تمہارے خاندان میں چلی آرہی ہے۔!“

”اور یہ جھوٹ نہیں ہے....!“

”مجھے یقین ہے.... لیکن اس ہنگامے کا تعلق دادا کے وقت سے تو نہ ہو گا۔!“

”قطعی نہیں.... یہ زیادہ پرانی بات نہیں.... دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے کچھ دنوں کے بعد اس اسکیج بک پر یہ نحوست نازل ہوئی تھی۔ میں چھوٹی سی تھی لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے اس واقعے کی تفصیل.... اس وقت بھی آنکھوں میں پھر گئی ہے۔ بڑی طوفانی رات تھی۔ ایسی بارش میری یادداشت میں تو پھر کبھی نہیں ہوئی۔ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ لیکن ایسے طوفان میں نیند کہاں۔ بچے تک جاگ رہے تھے اور بڑوں کے سبے ہوئے چہرے دیکھ کر دہلے جا رہے تھے دفعتاً کسی نے باہر سے ہمارا دروازہ پینا شروع کیا۔ میرے باپ دروازے کی طرف لپکے۔ ہم سب کا یہی خیال تھا کہ کوئی راہ گیر پناہ چاہتا ہے۔ لیکن وہ میرے باپ کا کوئی جگہری دوست ثابت ہوا۔ اس کی حالت تباہ تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس کا لباس تبدیل کر لیا جا چکا تو میرے باپ نے بتایا کہ اسے بہت تیز بخار ہے۔ وہ ایک آرام دہ اور گرم کمرے میں لٹایا گیا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس نے میرے باپ سے کہا تھا کہ وہ ایک اسکیج کرنا چاہتا ہے۔ ہم لوگ سمجھے شائد ہڈیاں بک رہا ہے۔ لیکن پھر بھی میرے باپ وہی اسکیج بک اٹھالائے تھے اور جب وہ اس پر اسکیج کر چکا تھا تو اسی کے کہنے پر میرے باپ نے ہم لوگوں کو وہاں سے ہٹا دیا تھا۔ ہم باہر نکلے تھے اور ہم نے دروازہ بولٹ کئے جانے کی آواز سنی تھی۔ پھر شاید آدھے گھنٹے کے بعد میرے باپ اس کمرے سے برآمد ہوئے تھے اور بے حد سنجیدہ نظر آرہے تھے۔ ادہ اب کافی پیو....!“

وہ اسٹو پر سے کیتلی اتارنے لگی۔

کافی کے دو کپ تیار کر کے وہ بھی ایک کرسی میز کے قریب کھینچ لائی۔

”کچھ کھانے کو بھی ہے....!“ عمران نے پوچھا۔

”ہاں.... ہاں.... کیوں نہیں....!“

”میں نے ابھی کھانا نہیں کھایا۔!“

وہ ابلے ہوئے جھینگوں کا ایک ڈبہ اٹھالائی.... کچھ سلائیش بھی تھے۔

”چلو ٹھیک ہے۔!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”ہمارا گھر بھرا ہوا تھا....!“ وہ کافی کا ایک گھونٹ لے کر کہنے لگی۔ ”لیکن میں اپنے باپ کی

تہاؤ لا رہی تھی۔!“

”تب پھر تین ہی آدمی تو ہوئے.... تم اور تمہارے ماں باپ....!“ عمران بولا۔

”نہیں کچھ اور رشتے دار بھی ہمارے ساتھ رہتے تھے۔!“

”خیر بہر حال.... دو دن بعد وہ آدمی مر گیا.... اور اسی دن سے میرے باپ مجھے آرٹ کی

تعلیم دینے لگے۔ یقین کرو میں سولہ سال کی عمر میں بہت اچھی مصور بن گئی تھی۔!“

”بھلا اس آدمی کے مر جانے اور تمہارے مصور بن جانے سے کیا تعلق....!“

”وہی تو بتا رہی ہوں.... کیا اس وقت اسکیج بک تمہارے پاس موجود ہے۔!“

”وہ تو میں یہیں چھوڑ گیا تھا....!“

”کہاں....؟“

”یہیں کچن میں....!“

”تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں....!“ وہ چڑ کر بولی۔

کافڈ کی بیکار تھیلیوں اور دوسری الا بلا کے نیچے دبی ہوا اسکیج بک نوکری سے گر پڑی۔

”عجیب آدمی ہو تم....!“

”بہت زیادہ اہم چیزیں اسی طرح محفوظ رہتی ہیں کہ انہیں رومی کی نوکری کی نذر کر دیا

جائے۔!“ عمران نے کہا اور اسکیج بک اٹھا کر اس کے حوالے کر دی۔

”خیر.... خیر.... یہ دیکھو.... یہ اسکیج اس پر کسی کے دستخط نہیں۔ یہ اسکیج پیا کے مرنے

الے دوست نے بنایا تھا۔ آڑی تر جھمی لکیروں کے ذریعہ ایک پرندہ بنایا گیا تھا۔!“

”ہاں ہے تو.... اور تم نے ہف روجر کو اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔!“

”اوہ تو تم نے پوری بات سنی تھی۔!“

”میں دروازے سے کان لگائے رہا تھا۔!“

”آخر تمہیں مجھ سے اتنی ہمدردی کیوں ہو گئی ہے۔!“

”گھاؤنچ ہبر کی وجہ سے۔!“ عمران نے کہا اور کھانے لگا۔ شاید روٹی کا کوئی ریزہ بلا قصد حلق سے اتر گیا تھا۔

”آخر وہ کیا چکر تھا....!“

”یقین کرو کہ کچھ بھی نہیں.... محض اسی کلوٹے کی حماقت....!“

”کیا تم نے اس پرندے کی تصویر نمائش میں دیکھی تھی۔!“ اس نے اسکیچ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”نہیں.... میں نے دھیان نہیں دیا تھا۔!“

”وہ اتنی واضح اور جاذب توجہ نہیں ہے اور اسی تصویر کے لئے میں نے اس نمائش میں شرکت کی ہے۔ میرے باپ نے مرتے وقت کہا تھا کہ اگر مشرق کے کسی بھی حصے میں پرندوں کی تصاویر کی نمائش ہو تو اس میں ضرور حصہ لینا اور دوسری تصاویر کے ساتھ اس تصویر کی ہو بہو نقل اتار کر اس کے نمائش میں رکھے جانے پر بھی اصرار کرنا۔!“

”یہ تو بڑی عجیب بات ہے.... بھلا اس تصویر میں رکھا ہی کیا ہے۔ ڈھنگ کا پرندہ بھی تو نہیں معلوم ہوتا۔!“

”بہت ہی عجیب.... دیکھو.... وہی صفحہ کھولو.... یہ دیکھو.... یہ تین لکیریں میرے باپ نے کہا تھا کہ نمائش میں لگائی جانے والی تصویر میں صرف یہ تین لکیریں ضرور چھوڑ دی جائیں۔!“

”یعنی یہ بنائی ہی نہ جائیں....!“ عمران نے احقانہ انداز میں کہا۔

”ہاں.... اور تمہیں یہ سن کر حیرت ہو گی کہ اسی شام جب تم سے ملاقات ہوئی تھی کسی نے وہ تینوں لکیریں ٹھیک اسی جگہ بنادیں جہاں انہیں ہونا چاہئے تھا۔!“

”یہ کس وقت کی بات ہے.... یعنی ہم سے ملنے سے کتنی دیر پہلے ایسا ہوا تھا۔!“

”یہ تو میں نہیں جانتی.... لیکن شام کو نمائش گاہ میں قدم رکھا تھا تب سے ان لکیروں کو دیکھتی رہی تھی اور جب تم دونوں مجھے اس انداز میں ملے تو میں نے سمجھ لیا کہ وہ آدمی تم دونوں ہی میں سے کوئی ہو سکتا ہے۔!“

”کون آدمی....!“ عمران آنکھیں پھیلا کر سیدھا بیٹھتا ہوا بولا۔

”وہی جس نے تصویر مکمل کی۔!“

”بھلا کیا بات ہوئی....!“

”میرے باپ نے کہا تھا کہ جو تصویر مکمل کرے گا اسی سے تمہیں ایک بہت بڑی دولت کی خوش خبری ملے گی۔ تم بہت امیر ہو جاؤ گی۔!“

”سلیمان کہہ رہا تھا کہ رات کے کھانے پر صرف مسور کی دال ہو گی اسی لئے تو بھگا بھگا پھر رہا ہوں۔!“ عمران آہستہ سے بڑبڑایا۔

”کیا کہا....؟“

”کچھ نہیں.... یہی سوچ رہا ہوں کہ تمہیں کس طرح خوش خبری دوں۔ کہیں خوشی کے بارے میں اسی ہارٹ فیل نہ ہو جائے۔!“

”پھر تم نے بے تکلی باتیں شروع کر دیں۔!“

”میں وہ آدمی نہیں ہوں....!“

”تو پھر....؟“

”میں کیا بتاؤں....؟ اچھا اب بیرن فلچر بولڈ کی بات کرو....!“

”وہ بھی میرے باپ کے پرانے دوستوں میں سے ہے۔ میرے باپ نے خاص طور پر منع کیا تھا کہ بیرن فلچر بولڈ کو اس اسکیچ یا اس تصویر کے بارے میں کبھی کچھ نہ بتاؤں۔!“

”اور وہ تم سے پوچھتا رہتا تھا....!“

”یقیناً.... وہ جب بھی ملتا میرے باپ کے اس مرحوم دوست کے بارے میں ضرور گفتگو کرتا۔ ظاہر ہے اس کی موت کوئی ڈھکی چھپی تو نہیں رہی تھی۔ اس کا جنازہ ہمارے ہی گھر سے گیا تھا۔!“

”کیا مرنے والا کوئی بہت بڑا آرٹسٹ تھا....!“

”یقین کرو.... اس کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتی.... البتہ ایک افواہ سنی تھی۔!“

”کیسی افواہ....!“

”یہی کہ وہ اتحادی ملکوں میں سے کسی کا جاسوس تھا.... اور جنگ کے دوران میں جرمنی میں کام کرتا رہا تھا۔!“

”گھاؤنچ بھرا.....!“

”جی.....!“

”براہ کرم ان سے کہہ دیں کہ ان کی کال ہے۔!“

”ہولڈ آن کیجئے۔!“

تھوڑی دیر بعد رحمان صاحب کی آواز سنائی دی۔

”تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔!“ عمران بولا۔ ”ابھی کچھ دیر پہلے فیاض سے معلوم ہوا کہ

آپ کو میری ضرورت ہے۔!“

”تم کہاں سے بول رہے ہو.....!“

”ایک ٹیلی فون بوتھ سے۔!“

”خود کو فوراً پولیس کے حوالے کر دو.....!“

”حکم کی تعمیل کروں گا..... لیکن کیا آپ میرے لئے اتنی معلومات حاصل کر سکیں گے کہ

پرنسوں کی تصاویر کی نمائش کی تجویز کہاں سے آئی تھی۔!“

”کیا مطلب.....!“

”میں آپ کو تکلیف نہ دیتا لیکن فیاض تعاون کرنے پر آمادہ نہیں۔!“

”کیا کو اس کر رہے ہو.....؟“

”معاملہ ایک غیر ملکی سفارت خانے کا ہے..... سوچ لیجئے۔!“

”تم کہنا کیا چاہتے ہو۔!“

”میرے تعاون کے بغیر کام نہیں چلے گا۔!“

”نمائش کا کرتادھر تا وہی تھا جو کریسٹن کے کمرے میں مارڈالا گیا۔!“

”یعنی وہ فرسٹ سیکریٹری بذات خود.....!“

”ہاں..... ہاں..... جلدی سے بک چکو.....!“

”بہت بہت شکریہ.....!“ عمران نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔ ویسے اسے یقین تھا کہ اس

حرکت پر رحمان صاحب آپے سے باہر ہو رہے ہوں گے۔!

اس کے بعد اس نے جولیا ٹائمر واٹر کے نمبر ڈائیل کئے اور ایکس ٹو کی آواز میں بولا۔ ”تمہیں

”اوہ.....!“ عمران نے سیٹی بجانے کے سے انداز میں ہونٹ ہکوڑے اور پھر بولا۔ ”نام یاد ہے۔!“

”مائیکل فراڈے۔!“

”مائیکل فراڈے.....!“ عمران نے اس طرح دوہرایا جیسے ذہن پر زور دے کر کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

”کیوں..... کیا بات ہے.....؟“

”کچھ نہیں اب تم آرام کرو..... ویسے تمہیں کوئی اعتراض تو نہ ہو گا اگر میں بھی یہیں رات بسر کروں۔!“

”نن..... نہیں..... مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ یقین کرو نہ تو میں تم سے خائف ہوں اور نہ تم سے متعلق کوئی ناگوار اثر اپنے ذہن پر پاتی ہوں۔!“

”شکریہ۔!“

وہ دونوں کچن سے پھر نشست کے کمرے میں واپس آ گئے۔

”وہ آدمی کون تھا جو تمہارے کمرے میں مارا گیا۔!“

”میں اس کے بارے میں اس سے زیادہ نہیں جانتی جو مجھے پولیس والوں سے معلوم ہوا۔!“

عمران کی نظر ٹیلی فون پر پڑی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اسٹول کے قریب آیا اور فون پر کیپٹن فیاض کے نمبر ڈائیل کئے وہ گھر پر موجود تھا۔

”ہوں تو تم ہو.....!“ وہ دوسری طرف سے غرایا۔ ”پھر کہتا ہوں کہ مجھ سے مل لو..... ورنہ

بڑے خسارے میں رہو گے۔ اب رحمان صاحب کو بھی گھاؤنچ بھرا ہوا گیا ہے۔!“

”بڑی اچھی خبر سنائی تم نے..... کہو تو جوزف کو بھی انہیں کے پاس بھجوا دوں۔!“

”ذرا ایک منٹ ٹھہرو..... کوئی آواز دے رہا ہے۔!“ دوسری طرف سے فیاض نے کہا اور عمران نے پر معنی انداز میں سر کو جنبش دے کر فوراً ہی سلسلہ منقطع کر دیا۔

اب وہ رحمان صاحب کے نمبر ڈائیل کر رہا تھا۔

”ہیلو.....!“ دوسری طرف سے غالباً ثریا کی آواز آئی۔

عمران نے آواز بدل کر کہا۔ ”کیا رحمان صاحب تشریف رکھتے ہیں۔!“

”آپ کون ہیں.....؟“

”اس کا نام تھا ولیم گیسپر فراڈے۔!“

”کیا مطلب....!“

”اور یہ نمائش اسی کی کوششوں کا نتیجہ تھی۔!“

”نہیں....!“ وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں کھڑی ہو گئی۔

”ہاں.... اور اب میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ مائیکل فراڈے سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔!“

”میں نہیں سمجھ سکتی۔!“

”جو نہ سمجھ سکو اس کا بھی تذکرہ ضرور کرو شاید میں سمجھ سکوں۔!“

”جنم میں جائے سب کچھ....!“ وہ جھنجھلا کر بولی۔ ”کاش میں نے اس کیج بک سے وہ صفحہ پھاڑ

کر آتش دان کی نذر کر دیا ہوتا۔!“

”اس سلسلے میں کچھ اور یاد آ رہا ہو تو مجھے بتاؤ....!“

”کچھ نہیں مجھے نیند آرہی ہے۔!“

”گڈ نائٹ....!“ عمران نے لاپرواہی سے کہا۔

”تم کہاں سوؤ گے۔!“

”یہاں دو بیڈ روم ہیں.... تم فکر نہ کرو۔!“



صفر بے خبر سو رہا تھا لیکن اچانک اس کی آنکھ کھل گئی۔ ذہن کے کسی گوشے میں یہ احساس

موجود تھا کہ وہ بے دجہ نہیں جاگا۔ پھر بڑی پھرتی سے اس نے بستر چھوڑ دیا تھا۔

لیکن وہ بیڈ روم سے باہر نہ نکل سکا۔ کیونکہ اسے دروازے پر ایک آدمی کھڑا نظر آیا تھا۔ جس

کے ہاتھ میں دبے ہوئے ریوالور کا رخ اس کی طرف تھا۔

وہ اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا۔ کیونکہ اس کی فیلٹ ہیٹ کا گوشہ پیشانی سے نیچے جھکا ہوا تھا اور

گہری نیلی روشنی بھی اس میں سے خارج ہوئی تھی۔

”جہاں ہو وہیں ٹھہرو....!“ وہ آدمی غرایا۔

”کیوں....؟“

”غیر ضروری گفتگو سے پرہیز کرو....!“

علم ہو گا کہ گرانڈ کے ایک کمرے میں ایک سفارت خانے کے سیکریٹری کی لاش ملی تھی۔!“

”مجھے علم ہے جناب....!“

”اس کا نام معلوم ہے تمہیں....؟“

”جی ہاں.... ولیم گیسپر فراڈے تھا....!“

”اس کے خاندان میں کسی مائیکل فراڈے کا پتہ لگانا ہے وہ کون تھا۔ زندہ ہے یا مر گیا۔!“

”بہت بہتر جناب....!“

”تین گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں دے سکتا۔!“

”کوشش کروں گی جناب....!“

عمران سلسلہ منقطع کر کے کیپٹن خاور کے نمبر ڈائیل کرنے لگا۔

کریسٹن اسے بہت غور سے دیکھے جارہی تھی اور وہ ایکس ٹو کی آواز میں کیپٹن خاور سے کہہ

رہا تھا۔ ”تمہیں معلوم کرنا ہے کہ پچھلے پندرہ دنوں میں بیرن فلچر بولڈ نام کا کوئی سویڈش یہاں آیا

ہے یا نہیں۔ اس کا موجودہ پتہ چاہئے حلیہ بھی۔!“

”بہت بہتر جناب....!“

”صرف تین گھنٹے دیئے جاسکتے ہیں۔!“

”میں انتہائی کوشش کروں گا جناب....!“

عمران ریسیور رکھ کر کریسٹن کی طرف مڑا۔ وہ اسے تحیر زدہ آنکھوں سے دیکھے جارہی تھی۔

”تم آخر ہو کون....؟“

”میں....؟ پتہ نہیں کیا کیا ہوں....!“

”نہیں....! میں نے ابھی محسوس کیا تھا کہ تم کئی طرح کی آوازوں اور لہجوں میں گفتگو

کر سکتے ہو۔!“

”کیا یہ کوئی بڑی بات ہے۔!“

”مائیکل فراڈے کا کیا ذکر تھا....!“

”کیا تم اس شخص کے نام سے واقف ہو جس کی لاش تمہارے کمرے میں ملی تھی۔!“

”نہیں....!“

اب صفدر سوچ رہا تھا کہ ہو سکتا ہے اسے آواز دے کر جگایا گیا ہو۔!

دوسرے کمروں سے لوگوں کے چلنے پھرنے کی آوازیں آرہی تھیں۔

”میں یہ ضرور جانتا چاہوں گا کہ تم کیا چاہتے ہو۔!“ صفدر نے کچھ دیر بعد کہا۔

”وان ہیکو کی کاوہ خط جس پر اس کا پتہ تحریر تھا۔!“

”مجھے ابھی تک نہیں مل سکا۔!“

”مطمئن رہو۔۔۔۔۔ اس وقت بھی اس کی تلاش جاری ہے۔!“

”اوہ۔۔۔۔۔!“

تو یہ بات ہے صفدر نے سوچا۔۔۔۔۔ لفافہ تلاش کیا جا رہا ہے۔۔۔۔۔ وہ کچھ نہ بولا۔

”تم خاموش ہو گئے۔۔۔۔۔“ ریوالور والے نے اسے چھیڑا۔

”خوش ہو رہا ہوں کہ تلاش کرنے کی زحمت سے بچ گیا۔ یہی بات تھی تو اس کی ضرورت

نہیں تھی۔!“ صفدر نے ریوالور کی طرف اشارہ کیا۔

”اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے رکھو۔۔۔۔۔!“

”تم لوگوں کا دماغ چل گیا ہے شاید۔۔۔۔۔ جب میں کہہ چکا تھا کہ پوری طرح تعاون کروں گا تو

پھر یہ سب کیوں۔۔۔۔۔!“

”بہتر ہے خاموش ہی رہو۔۔۔۔۔!“

دفعۃً کسی نے دروازے کو دھکا دیا۔ دروازہ کھل جانے پر دو آدمی اندر آئے اور ان میں سے

ایک نے آگے بڑھ کر تیز روشنی والا سوچ آگ کر دیا۔

اور پھر وہ دونوں ہی کمرے کا سامان اٹھنے پلٹنے لگے۔ صفدر خاموش کھڑا دیکھتا رہا۔

ذرا ہی سی دیر میں پورا کمرہ تھس تھس ہو کر رہ گیا۔

لیکن اس دوران میں صفدر نے اندازہ کر لیا تھا کہ ان تین آدمیوں کے علاوہ یہاں اور کوئی نہیں ہے۔

جب اس تلاش کا سلسلہ ختم ہو گیا تو ریوالور والے نے کہا۔ ”اب تمہیں ہمارے ساتھ چلنا پڑیگا۔“

”کیوں۔۔۔۔۔؟“

”میں اس بحث میں نہیں پڑتا۔“ اس نے ریوالور سے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

”کہاں چلنا ہو گا۔۔۔۔۔؟“

”وقت ضائع نہ کرو۔۔۔۔۔!“ وہ غرایا۔

”میں لباس تبدیل کر سکتا ہوں۔!“

”نہیں۔۔۔۔۔!“ اس کا لہجہ بہت سخت تھا۔

”اچھی بات ہے۔!“ صفدر مردہ سی آواز میں بولا اور پھر دروازے کی طرف بڑھتا نظر آیا۔

وہ تینوں ہی سمجھے تھے کہ وہ دروازے سے گزر جائے گا لیکن وہ اچانک ریوالور والے پر ٹوٹ پڑا۔

بقیہ دو پر اس غیر متوقع تبدیلی سے اضطراری کیفیات کا حملہ ہوا اور وہ بغیر کچھ سوچے سمجھے

صفدر سے چمٹ گئے۔ پھر ان میں سے ایک کا سر دیوار سے ٹکرایا تھا اور دوسرے کے حلق سے گھٹی

گھٹی سی آواز نکلی تھی۔

ریوالور والے کا ہاتھ اب خالی نظر آیا۔ پہلے ہی ہلے میں صفدر نے اس کے ہاتھ سے ریوالور

نکال دیا تھا۔ اتنے میں فون کی گھنٹی بجی اور بجتی ہی رہی۔

صفدر نے اپنے نیچے دبے ہوئے آدمی کو چھوڑ کر ریوالور کے لئے چھلانگ لگائی اور اس بار وہ

خود ان دونوں آدمیوں کے نیچے دبا ہوا تھا۔ جنہیں کچھ دیر پہلے جھٹک چکا تھا۔

تیسرا اس سے ریوالور چھیننے کی کوشش کرنے لگا۔۔۔۔۔ فون کی گھنٹی بجتی رہی۔

پھر صفدر نے وہاں چوتھے آدمی کی جھٹک دیکھی وہ بہت آہستگی سے کمرے میں داخل ہوا تھا۔

سیدھا صفدر کی طرف چلا آیا اور اس کے اس ہاتھ پر پیر رکھ دیا جس میں ریوالور دبا ہوا تھا۔

ریوالور پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ ایسا محسوس ہوا تھا جیسے کلائی کی ہڈی ٹوٹ جائے گی۔

بالآخر ریوالور اس کے ہاتھ سے ہی نکل گیا۔۔۔۔۔ اس نے اس کا پیر اپنی کلائی پر سے ہٹتے دیکھا

دوسرے آدمی نے ریوالور سنبھال لیا تھا اور کلائی پر سے پیر ہٹانے والا فون کی طرف جا رہا تھا۔

”اوہ۔۔۔۔۔!“ صفدر کے منہ سے بے اختیار نکلا۔۔۔۔۔ اب وہ اس آنے والے کا پوری طرح جائزہ

لے سکتا تھا۔ یہ تو وہی کوتاہ گردن اور چوڑے شانے والا آدمی تھا جس سے اس نے وان ہیکو کی والا

جھوٹ بولا تھا۔

ریوالور والے نے صفدر کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ اٹھا تھا اور تینوں نے اسے نرغے میں لے لیا تھا۔

کوتاہ گردن آدمی نے فون کا ریسیور اٹھایا اور بولا۔ ”ہلو۔۔۔۔۔ میں ڈاکٹر سڈلر بول رہا

ہوں۔۔۔۔۔ تمہارا مریض سے کیا تعلق ہے۔ ہاں۔۔۔۔۔ ہاں اس نے فون کر کے مجھے بلایا تھا۔ میں

قد مون کی چاپ تو ہرگز نہیں ہو سکتی تھی۔

جیسے ہی یہ چاپ اس کمرے میں داخل ہوئی صفدر نے آنکھیں کھول دیں۔

اوہو.... کچھ جانا پہچانا سا چہرہ.... ارے یہ تو سونیڈش آرٹسٹ کریسٹن ہے۔ ایکس ٹو نے

اسی کے بارے میں تو معلومات حاصل کرنے کو کہا تھا۔ لیکن وہ کو تاہ گردن کہاں ہے....؟

وہ بستر کے قریب آئی صفدر نے اٹھنا چاہا لیکن وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔

”لیٹے رہو.... لیٹے رہو.... ارے تمہاری بینڈج خون سے تر ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر کہاں ہے؟“

”ڈڈ.... ڈاکٹر.... لیکن تم کون ہو....؟“

”تمہارے دوست وان ہیکزی کی ایک ملنے والی۔ اس نے بتایا تھا کہ تم تنہا اور بیمار ہو۔!“

”وہ خود کیوں نہیں آیا....!“ صفدر نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”یہ میں نہیں جانتی.... میں تو تمہاری تیمارداری کے لئے آئی ہوں.... کیا یہاں کوئی

فرسٹ ایڈ بکس بھی موجود ہے۔ میں تمہاری بینڈج بدل دوں۔!“

”زخم کے ٹانکے ٹوٹ گئے ہوں گے۔ سر میں چوٹ تھی۔!“ صفدر بولا۔ ”فرسٹ ایڈ بکس

اس الماری میں ہے۔!“

جیسے ہی وہ الماری کی طرف بڑھی وہی آدمی اندر داخل ہوا جس کے ہاتھ میں ریوالور تھا۔

کریسٹن بوکھلا کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

”وان ہیکزی کہاں ہے....؟“ اس نے اس سے سخت لہجے میں پوچھا۔

”لگ.... کیا مطلب....؟“ وہ صفدر کی طرف مڑی۔

”اگر تم وان ہیکزی کی دوست ہو تو ابھی معلوم ہو جائے گا۔!“ صفدر کراہا۔ ”تم لوگ میرے

ملک کے مفاد کے خلاف کام کر رہے ہو.... کیوں....؟“

”میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی.... تم پتہ نہیں کیسی باتیں کر رہے ہو۔!“

”ابھی معلوم ہو جائے گا.... ابھی معلوم ہو جائے گا۔!“ صفدر نرا سامنہ بنا کر بولا۔ پھر

ریوالور والے سے کہا۔ ”ڈرا اس بھیانک آدمی کو تو بلا لینا دیکھ کر ہی دم نکل جائے گا۔!“

”تم خاموش رہو....!“ ریوالور والا غرایا۔

”جہنم میں جاؤ تم سب.... خواہ خواہ میری ٹانگ پھنسی ہے۔!“ وہ بڑبڑا کر رہ گیا۔

یہاں پہنچا تو وہ مجھے بے ہوش ملا۔ کیا تم اسے بہت قریب سے جانتے ہو۔ ہاں ہاں صفدر سعید....

پھانگ کی نیم پلیٹ پر یہی نام ہے۔ کیا.... کیا نام بتایا۔ وان ہیکزی....؟ تم کوئی بھی ہو خدا کے

لئے چلے آؤ.... میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔ میں تو پولیس کو فون کرنے والا تھا

پلیز ہری اپ.... وہ یہاں بالکل تنہا پڑا ہے۔!“ وہ ریسیور رکھ کر صفدر کی طرف مڑا اس نے

ہونٹوں پر بڑی سفاک سی مسکراہٹ تھی۔

”اگر تم اپنی خیریت چاہتے ہو تو بے ہوش بن کر بستر پر لیٹ جاؤ۔!“ اس نے صفدر سے کہا

صفدر کے سر کے زخم کے ٹانکے شائد کھل گئے تھے کیونکہ بینڈج سے خون رسنے لگا تھا۔

”فف.... فون پر کون تھا....!“

”شکار خود ہی جال کی طرف آ رہا ہے۔!“

”کیا مطلب....!“

”وان ہیکزی....!“

”صفدر نے طویل سانس لی.... اور زبردستی مسکرایا۔

”چلو.... میری جان تو چھوٹے گی....!“ اس نے کہا اور بستر کی طرف مڑ گیا۔

”ٹھہرو....!“ وہ آدمی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ صفدر رک گیا۔ پھر اس نے تینوں میں سے ایک

سے کہا۔ ”بستر کی اچھی طرح تلاشی لے لو۔!“

وہ آگے بڑھا اور جیسے ہی تکیہ اٹھایا صفدر کے ریوالور پر نظر پڑی۔

”خوب....!“ کو تاہ گردن صفدر کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

صفدر نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی اور بستر پر گر پڑا۔ شائد اسے احساس ہی نہیں

تھا کہ اس کے سر کا زخم دوبارہ رسنے لگا ہے۔

پھر کو تاہ گردن نے اپنے ساتھیوں سے کسی ایسی زبان میں گفتگو شروع کر دی جو صفدر

لئے نئی تھی۔! وہ تینوں کمرے سے چلے گئے۔

”اپنی آنکھیں بند کر لو....!“ کو تاہ گردن صفدر کو گھورتا ہوا بولا۔

”میں تم سے پوری طرح تعاون کروں گا۔!“ صفدر نے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔

دس پندرہ منٹ تک وہ یونہی پڑا رہا۔ پھر قدموں کی آوازیں سنیں لیکن کم از کم یہ

”وان ہیکڑی اس وقت کہاں ملے گا!“ ریو اور والے نے پھر کریسٹن کو مخاطب کیا۔  
 ”میں نہیں جانتی.... کچھ دیر پہلے اس نے فون پر مجھ سے درخواست کی تھی کہ اس کے ایک  
 پیار دوست کی خیر گیری کے لئے جاؤں.... اور یہیں کا پتہ بتایا تھا!“  
 ”کیا تمہیں علم ہے کہ پولیس تمہاری تلاش میں ہے!“  
 ”میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتی!“  
 ”تم نے ہوٹل کیوں چھوڑا....؟“  
 ”کسی نے میرے ساتھ فراڈ کیا تھا.... ایک ہمدرد نے جان بچائی لیکن تم کون ہو....؟“  
 ”اسکچ بک کہاں ہے....؟“  
 ”اوہ....!“ وہ دانت پیس کر بولی۔ ”تو تم انہیں لوگوں میں سے ہو....!“  
 اس نے اس بات کا کوئی جواب نہ دیا اتنے میں دو آدمی کمرے میں داخل ہوئے۔  
 ”اس کے ہاتھ پیر باندھ دو....!“  
 ”وہ دونوں اس کی طرف بڑھے ہی تھے کہ دروازے کے قریب سے آواز آئی۔  
 ”وان ہیکڑی حاضر ہے دوستو....!“  
 صفدر بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔  
 عمران آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ لیکن اس طرح کہ اس کی پشت دروازے کی طرف  
 ہونے پائے۔  
 ”وہیں ٹھہرو.... اور اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ....!“ ریو اور والے نے دھمکی دی۔  
 ”وہ کس خوشی میں میرے دوست....!“  
 ”میں فائر کر دوں گا!“  
 ”فائر کی آواز یقینی طور پر باہر جائے گی.... اور تم وہ نہ کر سکو گے جو کرنا چاہتے ہو۔!“  
 دفعتاً ایک آدمی پھر کمرے میں داخل ہوا۔ لیکن اس کا پورا چہرہ سیاہ نقاب سے ڈھکا ہوا تھا۔  
 صفدر نے سوچا کیا فرق پڑا نقاب سے گردن کی کوتاہی کہاں چھپ سکی۔  
 عمران اس کی طرف مڑا۔  
 ”وان ہیکڑی تمہارا کھیل ختم ہو گیا۔!“ نقاب پوش نے کہا۔

”تسلیم....! لیکن اسکچ بک ماموز نیل کریسٹن کے پاس نہیں ہے۔!“  
 ”ان دونوں کو باندھ لو....!“ نقاب پوش نے ان دونوں سے کہا جو خالی ہاتھ کھڑے تھے۔  
 ”شانگسی موسیو شانگسی۔!“ عمران نرم لہجے میں کہتا ہوا پیچھے ہٹا۔ وہ دونوں اس پر جھپٹے تھے۔  
 اور پھر صفدر بھی نہ دیکھ پایا کہ کس طرح ایک اچھل کر ریو اور والے پر جا پڑا تھا.... اور دوسرا  
 نقاب پوش پر۔ نقاب پوش لڑکھڑایا تھا اور اسے دوسری طرف جھٹک کر کسی خوں خوار بھیڑیے کی  
 طرح غرائے لگا تھا۔  
 صفدر کی نظر ریو اور پر تھی جو اس آدمی کے ہاتھ سے نکل کر الماری کے نیچے پہنچ گیا تھا۔  
 لیکن کمرے کا ماحول کچھ ایسا سنسنی خیز ہو رہا تھا کہ شاندر ریو اور کا کسی کو ہوش ہی نہیں تھا۔  
 وہ تینوں تواب وان ہیکڑی اور نقاب پوش کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ بڑی عجیب سی پوزیشن  
 تھی ان دونوں کی۔ نقاب پوش کے ہاتھ میں ایک چمکتا ہوا خنجر تھا اور دونوں ہی اس طرح جھکے  
 کھڑے تھے جیسے ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لئے مناسب پہلو تیار ہے ہوں۔  
 کریسٹن ہدائی انداز میں چیخے جا رہی تھی۔ ”ہوشیار.... ہوشیار....!“ یہ بیرن ہے زندگی بھر  
 کلہاڑوں اور خنجروں سے کھیلتا رہا ہے۔ ”ہوشیار ہوشیار....!“  
 اسکی آواز کانپ رہی تھی چیخنے کا انداز ایسا تھا جیسے کسی شدید تکلیف کے زیر اثر روئے دے رہی ہو۔  
 ”اچھا.... اچھا.... کتیا....!“ نقاب پوش عمران سے توجہ ہٹائے بغیر بولا اور عمران نے  
 سیدھے کھڑے ہو کر بے تحاشا ہنسنا شروع کر دیا۔  
 اتنی لاپرواہی سے ہنس رہا تھا جیسے نقاب پوش کے ہاتھ میں خنجر کے بجائے فاؤنٹین پن ہو اور  
 خود اس کے ہاتھ تو پہلے ہی سے خالی تھے۔ اتنے میں صفدر کو موقع مل گیا کہ وہ چپ چاپ بستر سے  
 اٹھ کر الماری کے نیچے پڑے ہوئے ریو اور پر قبضہ کر لیتا۔  
 وہ الماری سے پشت لگا کر دھاڑا۔ ”اپنے ہاتھ اٹھاؤ.... تم سب....!“  
 نقاب پوش بھی سیدھا کھڑا ہو گیا اب وہ اپنے اس آدمی کو گھورے جا رہا تھا جس کے ہاتھ میں  
 ریو اور تھا۔  
 ”یہ کیا ہوا....؟“ اس نے اس سے پوچھا۔  
 وہ کچھ نہ بولا اور نقاب پوش نے صفدر سے کہا۔ ”ریو اور خالی ہے.... میں نے آج تک کسی کو

”میرا تم سے کوئی جھگڑا نہیں..... بس یہ بتادو کہ تم کون ہو.....!“

”تم لوگوں کی وجہ سے پولیس میرے پیچھے بھی ہے۔!“

”کیا مطلب.....؟“

”گھاناؤنج بھرا.....!“

”کھل کر بات کرو.....!“

”کیا تم نے اخبارات میں نہیں پڑھا کریسٹن کے ساتھ دو آدمی اور بھی تھے جب اس نے اپنے کمرے میں فرسٹ سیکرٹری فراڈے کی لاش دریافت کی تھی۔!“

”اوہ تو تم عمران ہو.....!“

”میں جانتا ہوں کہ تم نے میرے بارے میں ضرور چھان بین کی ہوگی۔!“

”میرے دوست میں تمہاری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہوں.....!“ فلچر بورڈ چپک کر آگے بڑھلا۔  
بڑھا تو اسی انداز میں تھا جیسے مصافحہ کرنا چاہتا ہو لیکن عمران اگر ذرا سا بھی چوکتا تو اس نے خنجر پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔

وہ پھرتی سے نہ صرف بائیں جانب ہٹا تھا بلکہ خنجر کی نوک سے اس کے بازو پر ہلکا سا چرکا بھی لگایا تھا۔  
اب تو فلچر بولڈ پاگل ہو گیا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے عمران کو پیس کر رکھ دے گا۔

اور عمران اسے پورے کمرے میں دوڑاتا پھر رہا تھا۔ ایک بار اس کے تینوں آدمیوں میں سے ایک نے اس کی کمر تھانے کی کوشش کی لیکن عمران کی لات اسے منہ کے بل فرش پر لے آئی تھی۔

اسی دوران میں عمران نے جیب سے اعشاریہ دو پانچ کا ایک پستول نکال کر صفدر کی طرف اچھال دیا۔ صفدر نے اسے ہاتھوں ہی پر روکا اور ان تینوں کو کور کرنا ہوا بولا۔ ”اپنی جگہ سے ہٹنا بھی نہیں۔!“

”سچ کہتا ہوں گلا ہی گھونٹ کر ماروں گا۔!“ فلچر بولڈ ہانپتا ہوا غرایا۔

”اگر تھوڑی دیر بعد اس کے قابل رہے تو۔!“ عمران نے اس کی گرفت سے بچنے کے لئے بائیں جانب جست لگاتے ہوئے کہا۔

”مارڈالوں گا.....!“ وہ جھپٹ جھپٹ کر حملے کرنے لگا۔

کریسٹن صفدر سے کہہ رہی تھی۔ ”یہ کیا ہو رہا ہے وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔ یہ کھیل ختم ہونا چاہئے۔!“

گولی سے نہیں مارا.....!“

اور پھر وہ عمران پر جھپٹ پڑا..... صفدر نے اس کے پیر کا نشانہ لے کر فار کیا..... اور اس کے بیان کی تصدیق ہو گئی۔ ریوالتور سچ خالی تھا۔

عمران نے اسے جھکائی دی اور وہاں سے چھلانگ لگا کر صفدر کے بستر پر آیا..... بقیہ لوگ بڑی افراتفری کے عالم میں دیواروں سے جا لگے تھے۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے دو تیل لڑتے ہوئے کمرے میں گھس آئے ہوں اور ہاں بیٹھے ہوئے لوگ ان کے رگڑوں سے بچنے رہنے کے لئے گوشہ عافیت تلاش کر رہے ہوں۔ عمران بستر سے چھلانگ لگا کر میز پر پہنچا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر مسکراتا ہوا بولا۔

”موسیو فلچر بولڈ..... خنجر پھینک کر مارنے کی نہیں ہوگی۔!“

”میں گلا گھونٹ کر ماروں گا تجھے۔!“

”تم مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتے..... تمہارے ہاتھ میں دبے ہوئے خنجر کی طرف سے غافل نہ ہونا چاہئے۔“

”خنجر..... ہونہہ.....!“ اس نے خنجر فرش پر ڈالتے ہوئے غوطہ لگایا اور ایسی حیرت انگیز پھرتی سے میز الٹ دی کہ عمران کو سنبھلنے کا بھی موقع نہ مل سکا۔ کریسٹن کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی۔

وہ عمران پر آپڑا تھا..... اور کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح اس کی گردن گرفت میں آجائے۔  
”ارے..... ارے..... تم کیسے دوست ہو.....!“ کریسٹن صفدر کو جھنجھوڑ رہی تھی۔

اس کشمکش کے دوران میں عمران کی چھوٹی سی نقلی فرنیچر کٹ ڈاڑھی ٹھوڑی سے الگ ہو گئی۔  
”کون ہو تم..... بتاؤ.....!“ وہ عمران کو دبوچے ہوئے غرایا۔

”گھاناؤنج بھرا.....!“ عمران نے کہا اور پھر زور لگایا ہے تو نہ صرف اس کی گرفت سے نکل گیا بلکہ اس خنجر کو بھی اپنے ساتھ سینٹا لیتا چلا گیا جسے کچھ دیر پہلے فلچر بولڈ نے فرش پر پھینکا تھا۔  
”تم کون ہو.....؟“ وہ پھر دباڑا۔

”اب ذرا ہوش میں رہ کر گفتگو کرنا..... خنجر میرے ہاتھ میں ہے اور میں ان لوگوں میں ہوں جنہیں کسی بات پر تاؤ نہیں آتا..... یعنی میں اتنا حق نہیں ہوں کہ خنجر پھینک کر تمہارا گھونٹنے کی کوشش کروں گا۔!“



”میرا دوست بھی کم خطرناک آدمی نہیں ہے۔!“

”احمق ہے.....!“ کریسٹن جھنجھلا کر بولی۔ ”کئی بار ایسا ہوا ہے کہ وہ اسے گرا سکتا تھا۔!“

”اب یہ اس کی تفریح ہے..... کوئی کیا کر سکتا ہے۔!“

دفعتاً فلچر بولڈ دیوار سے لگ کر ہانپتا ہوا بولا۔ ”تم آخر چاہتے کیا ہو۔!“

”نقاب ہٹا دو..... اپنے چہرے سے۔!“ عمران نے مسکرا کر کہا۔

فلچر بولڈ نے نقاب اتار بیٹھکی۔

”میں نے غلط تو نہیں کہا تھا.....!“ کریسٹن بول پڑی اور فلچر بولڈ نے اسے گھور کر دیکھا۔

چند لمحوں اسی طرح گھور تار ہا پھر بولا۔ ”سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔!“

”تم کون ہوتے ہو میرے معاملات میں دخل دینے والے۔!“

”بکواس مت کرو..... اگر میں نے دخل اندازی نہ کی ہوتی تو وہ اس کچھ بک صاف نکال لے جاتا۔!“

”تو تم نے دخل اندازی کی تھی.....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”ہاں..... میری وجہ سے بچ گئی اس کچھ بک.....!“

”میں سمجھ گیا..... تم ہف روجر کو ملا کر فراڈ کے حالات سے باخبر رہے ہو گے۔!“

”ہاں..... میں نے یہی کیا تھا.....؟“

”اور فراڈ کے خاتمہ بھی تمہارے ہی ہاتھوں ہوا ہو گا۔!“

”ہاں..... یقیناً.....!“

”اب یہ بتاؤ کہ ہف روجر کہاں گیا.....؟“

”میں کیا جانوں.....؟“

”عمران.....! یہ اپنی سانسوں پر قابو پانے کے لئے وقت گزاری کر رہا ہے۔!“ کریسٹن چیخ کر بولی۔ ”اس بار تم اس کے حملے سے نہ بچ سکو گے۔!“

اور صفدر نے دیکھا کہ کریسٹن کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی فلچر بولڈ نے ریوالور نکال لیا تھا۔ یہ خود اس کا ریوالور تھا کچھ دیر پہلے اس کے تکیے کے نیچے سے برآمد ہوا تھا۔ اسے اپنی اس غفلت پر افسوس ہو رہا تھا کاش کچھ دیر پہلے اسے خیال آیا ہوتا۔!

لیکن اس نے بھی اس کے ہاتھ پر فائر کر دینے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ یہ اور بات ہے کہ

نشانہ ٹھیک نہ رہا ہو۔

پھر اسے دوسرا فائر کرنے کی مہلت نہ ملی کیونکہ صفدر کا نشانہ خطا ہوتے دیکھ کر عمران نے فلچر بولڈ پر چھلانگ لگائی تھی۔

اور یہ حرکت قطعی طور پر احمقانہ تھی۔ ہو سکتا ہے کہ خود فلچر بولڈ ہی نروس ہو گیا ہو۔ ورنہ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اپنے تک عمران کے پیچھے سے پہلے ہی کئی گولیاں اس کے سینے میں پوسٹ کر دیتا۔

ریوالور پھر اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا..... اس بار کریسٹن نے دوڑ کر ریوالور پر قبضہ کر لیا تھا۔ نہ صرف قبضہ کیا تھا بلکہ دو فائر فلچر بولڈ کی ٹانگوں پر جھونک مارے تھے۔

فلچر بولڈ عمران کی گرفت میں لڑکھڑایا..... اور گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

”یہ تم نے کیا کیا.....؟“ عمران بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ”ابھی چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑیں گے۔!“

”پہلے بھی تو ایک فائر ہوا تھا.....!“ کریسٹن بولی۔

”احمق وہ اعشاریہ دو پانچ کا پستول تھا..... آواز عمارت سے باہر نہ گئی ہو گی۔ صفدر تم صدر دروازے پر جاؤ..... میں یہاں دیکھوں گا۔!“

صفدر اسے پستول تھماتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

فلچر بولڈ فرش پر دوڑا نو بیٹھا..... کریسٹن کو خوں خوار نظروں سے گھورے جا رہا تھا..... اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار نہیں تھے۔

دفعتاً عمران نے اسے مخاطب کر کے پوچھا۔ ”مائیکل فراڈے اور اس فراڈے میں کیا تعلق تھا۔!“

”کبھی نہ بتاؤں گا..... اب تو میرے ساتھ یہ راز بھی موت کی آغوش میں جائے گا۔!“ فلچر بولڈ لکھنے کتے کی طرح غریبا۔

”میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا میرے محبوب.....!“ عمران نے خالص رومینٹک انداز میں کہا اور احمقوں کی طرح کریسٹن کی شکل دیکھنے لگا۔

”یا پھر اس کی ایک صورت اور بھی ہو سکتی ہے۔!“ وہ کراہے بغیر بولتا رہا۔ ”میں جانتا ہوں کہ تم پولیس کے لئے بھی کام کرنے ہو اور مجرموں کے لئے بھی۔ اگر مجھ سے تعاون کرو تو فائدے میں

دودن فلچر بولڈ وہاں آرام کرتا رہا پھر ایک رات عمران وہاں پہنچا اور معاملہ کی بات شروع ہوئی۔ کریسٹن بھی وہاں موجود تھی۔

”تم کیا سمجھتی ہو... مائیکل فرٹوے کون تھا...؟“ فلچر بولڈ نے کریسٹن کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ وہ ایک آرام کر سی پر نیم دراز تھا.... لیکن اس کے چہرے سے نقاہت ظاہر نہیں ہوتی تھی۔

”وہ ایک آرٹسٹ تھا.... اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں جانتی۔!“

”ہونہہ....!“ وہ طنزیہ انداز میں مسکرایا چند لمحے سر ہلاتا رہا پھر بولا۔ ”وہ تمہارے باپ کا اور میرا مشترکہ دوست تھا۔ لیکن تمہارا باپ اسے صرف ایک آرٹسٹ کی حیثیت سے جانتا تھا۔!“

”اور تم....؟“ عمران نے پوچھا۔

”یہ صرف میں جانتا تھا کہ وہ اتحادیوں کا جاسوس تھا اور دوسری جنگ عظیم کے دوران میں برلن میں کام کرتا رہا تھا۔!“

”یہ بات تو مشہور تھی ہی.... صرف تم کیا جانتے تھے۔!“ کریسٹن بولی۔

”لیکن یہ تو میرے علاوہ اور کوئی بھی نہیں جانتا کہ کچھ دنوں کے بعد وہ صرف اپنے مفاد کے لئے کام کرنے لگا تھا۔ اس نے بہت بڑی دولت سمیٹی تھی اور اسے کہیں چھپا دیا تھا۔!“

”اونہہ.... مجھے اس سے کیا سروکار ہو سکتا ہے۔!“ کریسٹن نے لا پرواہی سے کہا۔

”پھر کیوں دوڑی آئی تھیں....!“

”میرے باپ کی وصیت مجھے یہاں لائی تھی....! انہوں نے کہا تھا جب بھی کسی مشرقی ملک میں پرندوں کی تصاویر کی نمائش ہو اس میں ضرور حصہ لینا اور دوسری تصاویر کے ساتھ مائیکل کے بنائے ہوئے اسکلپ کی نقل ضرور رکھنا۔!“

”ہوں تو پھر....؟“

”انہیں کی ہدایت کے مطابق تصویر میں مجھے کچھ لکیریں چھوڑ دینی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ جو شخص بھی ان لکیروں کا اضافہ اس نقل میں کر سکے گا میرے لئے خوش نصیبی کا پیام بر ثابت ہوگا۔!“

”ہوں....!“ وہ پر معنی انداز میں سر ہلا کر رہ گیا۔

”لکیریں تو بلاشبہ کسی نے بنائیں.... لیکن میں نہیں جانتی کہ میرے لئے خوش نصیبی کا وہ پیامبر کون تھا۔!“

رہو گے۔ یہ لڑکی تو پاگل ہو گئی ہے۔ اگر اس نے وہیں مجھے بتا دیا ہو تا کہ مائیکل مرنے سے پہلے کوئی اسکلپ بنا گیا ہے تو اس کی نوبت ہی نہ آنے پاتی.... میں اس کے حصے کا ضرور خیال رکھتا۔!“

”کیسا حصہ.... کیا مطلب....؟“ کریسٹن چونک کر بولی۔

”بھولی نہ بنو....!“ وہ غرایا۔ ”کیا تم جانتی نہیں تھیں کیا فراڈے نے تمہیں خط نہیں لکھا تھا۔!“

”نہیں.... یہ جھوٹ ہے.... اس کی لاش ہی دیکھی ہے میں نے اور پولیس والوں سے اس کا

نام معلوم ہوا تھا۔!“

”خیر مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ تم سچ کہہ رہی ہو یا جھوٹ.... میری مدد کے بغیر وہ اسکلپ

بک بیکار ہے۔!“

”سنو.... پیارے....!“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اسکلپ بک میرے پاس ہے لیکن جب تک

میں اس کی کہانی اور اہمیت سے واقف نہ ہو جاؤں تمہیں اس کی ہوا بھی نہ لگنے دوں گا۔!“

”میں بہت زیادہ دیر تک اس پوزیشن میں نہیں رہ سکتا۔ خون ضائع ہو رہا ہے۔ پہلے اس کا انتظام کرو۔ اس کے بعد میں کچھ بتاؤں گا۔!“

پھر سب خاموش ہو گئے تھے.... کچھ دیر بعد صفدر واپس آیا.... اس نے بتایا چاروں طرف سائے کا راج ہے۔ کسی نے بھی فائروں کی طرف توجہ نہیں دی۔

”انہیں مہمان خانہ نمبر پانچ پہنچانا ہے۔ وہاں اس زخمی کی دیکھ بھال بھی ہو سکے گی۔ تم ان تینوں کے ہاتھ پشت پر باندھ دو۔!“ عمران نے صفدر سے کہا۔



مہمان خانہ نمبر پانچ.... بظاہر ایک دیہی ہسپتال تھا لیکن حقیقتاً ایکس ٹو کے کارندے یہاں مختلف قسم کے کام انجام دیتے تھے۔ ڈاکٹر ملٹری کی سیکرٹ سروس کا آدمی تھا۔ دن بھر آس پاس کے دیہاتوں کے لوگ وہاں معالجے کے لئے آتے رہتے اور عمارت کے دوسرے حصوں میں ایکس ٹو کے کام بھی جاری رہتے۔

ڈاکٹر نے فلچر بولڈ کا آپریشن کر کے گولیاں نکال لی تھیں اور اب وہ وہیں ایک کمرے میں آرام کر رہا تھا۔ کریسٹن اور صفدر بھی یہیں تھے۔ فلچر کے تینوں ساتھیوں کو ایکس ٹو کے ان کوارٹرز میں پہنچا دیا گیا تھا جہاں قیدی رکھے جاتے تھے۔

”نہیں..... میں اس کی طرف سے بے اطمینانی میں مبتلا نہ تھا ورنہ اسے حاصل کرنے کی ضرور کوشش کرتا۔ اس نے تو مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگلے دن مجھ کو سب کچھ بتا دے گا۔ لیکن رات ہی کو نکل بھاگا اور پھر اس وقت تک مجھے اس کا سراغ نہیں مل سکا تھا جب تک کہ جنازے کی نوبت نہیں آگئی تھی۔“

کچھ دیر کے لئے کمرے کی فضا پر خاموشی مسلط ہو گئی۔ پھر فلچر بولڈ ہی بولا۔ ”میرا دعویٰ ہے کہ اس نے کریسٹن کے باپ کو بھی دھوکہ دیا ہو گا۔ اس نے بظاہر ایک پرندے کا اسکیچ کیا تھا لیکن اس میں اس خزانے سے متعلق تفصیل اور اس کا پورا پتہ پوشیدہ ہو گا۔ ورنہ تم خود سوچو اگر اس کے بیٹے نے کریسٹن کی بنائی ہوئی نامکمل تصویر چند لکیروں کا اضافہ کر کے مکمل کی تھی تو پھر اسکیچ بک چرانے کی کیا ضرورت تھی۔“

”تمہارا خیال ہے کہ اس اسکیچ بک میں اس کے کئے ہوئے اسکیچ کے علاوہ کوئی پوشیدہ تحریر بھی ہو سکتی ہے۔!“

”ہاں میں یہی کہنا چاہتا ہوں..... مائیکل فراڈے پوشیدہ تحریر کا ماہر تھا۔ ہزار طرح کی تحریریں خود اس کی ایجاد تھیں۔ اس نے میرے گھر سے اپنے بیٹے کو جو خط پوسٹ کرایا تھا اس میں کچھ اشارے اسے لکھ بھیجے ہوں گے ایسے اشارے کہ جنہیں میں بھی نہ سمجھ سکوں اور بقیہ کام کی تکمیل اس نے کریسٹن کے گھر بیٹھ کر ہی ہوگی۔ وہ بہت زیادہ بیمار تھا زندگی سے ناامید ہو گیا تھا۔!“

”تو تمہاری دانست میں اس نے جو خط تمہارے گھر سے لکھا تھا اس میں محض یہ اطلاع تھی کہ وہ کوئی یادداشت کریسٹن کے گھر چھوڑے گا اسے چاہئے کہ وہ کسی بھی مشرقی ملک میں پرندوں کی تصاویر کی نمائش منعقد کرائے اور بتائے ہوئے طریقوں سے اسکیچ بک اڑائے۔!“

”ہاں میرا یہی خیال ہے.....؟“ فلچر بولڈ نے اسامندہ بنا کر بولا۔ ”وہ بے حد سورتھا اچھا خاصا مصور بھی تھا اور کیمیادانی میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ نظر نہ آنے والی تحریریں بھی اس کے لئے ناممکن نہیں تھیں۔!“

”اسکیچ بک کچھ عرصہ تمہارے پاس بھی تو رہی ہے.....! کیا تم نے اس میں کوئی خفیہ تحریر تلاش کرنے کی کوشش کی۔!“ عمران نے پوچھا۔

”تلاش کی تھی.....! نہیں مل سکی اس کے باوجود مجھے یقین ہے کہ خفیہ تحریر اس کے کمرے

”وہ گیسپر فراڈے تھا..... چور..... اور بالآخر وہ میرے ہاتھوں مارا گیا جانتی ہو..... وہ تمہاری اسکیچ بک چرانے جانے میں کامیاب ہو جاتا اگر میں نے اس پر نظر نہ رکھی ہوتی۔!“

”اوہ..... تو وہ فرسٹ سیکریٹری.....!“

”ہاں..... وہ مائیکل فراڈے کا بیٹا تھا..... اب یہ بات پوری طرح سمجھ میں آئی کہ مائیکل فراڈے نے تم سب کو دھوکہ دیا تھا۔!“

”اب تم مجھ سے بات کرو.....!“ عمران نے اسے اپنی طرف متوجہ کر کے کہا۔

”ہاں..... آں..... تم غالباً مجھ سے یہی پوچھنا چاہو گے کہ کون سی بات پوری طرح میری سمجھ میں آئی ہے۔!“

”سمجھ دار آدمی ہو.....!“ عمران خوش ہو کر بولا۔

”اچھا تو سنو.....! میرے علاوہ اور کوئی اس سے واقف نہیں تھا کہ ایک بڑا خزانہ مائیکل کے ہاتھ لگا ہے۔ کیونکہ میں اس خزانے کے حصول میں اس کا معاون تھا۔ لیکن اس نے مجھے اس کی ہوائے لگنے دی کہ اس نے اسے دوبارہ کہاں چھپایا ہے۔ وہ خزانہ دراصل ایک مالدار یہودی کا تھا جسے نازیوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا وہ مجھے تسلیاں دیتا رہا کہ جب حالات موافق ہوں گے خزانہ حاصل کر کے ہم دو برابر حصوں میں بانٹ لیں گے۔!“

وہ خاموش ہو کر کریسٹن کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اسے ہی مخاطب کر کے بولا۔ ”جانتی ہو اس رات وہ کہاں سے تمہارے گھر پہنچا تھا۔ نہیں شاید یاد نہ ہو۔ تم بہت چھوٹی تھیں۔ کتنی بھیانک اور طوفانی رات تھی۔!“

”مجھے یاد ہے.....!“ کریسٹن بولی۔

”کئی دن سے میرے یہاں مقیم تھا اور اس رات چوروں کی طرح نکل بھاگا۔ دن میں اس نے اپنے بیٹے کو ایک خط لکھا تھا..... اسی گیسپر فراڈے کو جس کی لاش تمہیں اپنے کمرے میں ملی تھی۔!“

”وہ چوروں کی طرح نکل بھاگا تھا.....؟“ عمران نے پوچھا۔

”بیمار تو تھا ہی میں اس پر زور دے رہا تھا کہ وہ مجھے اس خزانے کا پتہ بتا دے اگر وہ مر بھی گیا تو میں بڑی ایمان داری سے آدھا خزانہ اس کے بیٹے تک پہنچانے کی کوشش کروں گا۔!“

”کیا تم نے وہ خط دیکھا تھا جو اس نے اپنے بیٹے کو لکھا تھا۔!“

”کیا ہے اس میں.....؟“

”گھاؤنچ بھرا.....!“

”دھکے دلو کر نکلو ادوس گا۔!“

”تو میں اپنے ساتھ اس مجرم کو بھی واپس لے جاؤں گا جس نے ولیم کیسپر فراڈے کو قتل کیا تھا اور جس نے ہف روجر کو بھی ٹھکانے لگایا۔!“

”کیا وہ بھی قتل کر دیا گیا.....!“

”چار نامعلوم آدمیوں سمیت.....!“

”کیا لاشیں ملی ہیں.....؟“

”قاتل نے لاشیں غائب کرادی ہیں۔!“

”کون ہے قاتل.....؟“

”شاید آپ یقین نہ کریں کیونکہ وہ سرکاری مہمان ہے۔!“

”صاف صاف کہو..... نہیں ٹھہرو..... یہاں نہیں..... میرے ساتھ آؤ۔!“

وہ اسے ایک دور افتادہ کمرے میں لائے۔

”اب بتاؤ.....!“

”ایک سویڈش چیف آف پولیس..... بیرن فلچر بولڈ.....!“

”نہیں.....!“

”یقین کیجئے..... اس کے اعترافات میں نے ٹیپ کرائے ہیں۔!“

اور پھر اس نے جلدی جلدی پوری کہانی دہرا دی۔

”میرے خدا.....!“ رحمان صاحب سر ہٹ کر بیٹھ گئے۔

عمران نے کاغذ میں لپٹا ہوا تحفہ نکالا۔

”اور یہ رہا گھاؤنچ بھرا.....!“ اس نے فریم کی ہوئی تصویر ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ ”اس تصویر کی اڑان ملاحظہ کیجئے..... جوزف کی کھوپڑی سے طلوع ہو کر یہاں غروب ہوئی ہے۔!“

”اگر یہ سچ ہے کہ بیرن فلچر بولڈ ان حرکتوں کا ذمہ دار ہے تو بڑی دشواریاں پیش آئیں گی وہ گھاؤنچ سرکاری مہمان ہے۔!“

”سی جے میں ضرور پائی جائے گی۔!“

عمران تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔ ”اچھی بات ہے تم آرام کرو..... جب تم اچھے ہو جاؤ گے تو دونوں مل کر خزانہ تلاش کریں گے۔!“

”میری اسکلچ بک واپس کر دو.....!“ دفعتاً کریسٹن نے اس سے غصیلے لہجے میں کہا۔

”میرے ایک دوست کے بچے نے اس پر پیشاب کر دیا تھا۔ دھونے کی کوشش کی گئی تو بالکل صاف ہو گئی۔!“

”تم جھوٹے ہو..... لاؤ میری اسکلچ بک.....!“ وہ اس کے کوٹ کا کالر پکڑ کر جھنجھوڑتی ہوئی چیختی۔



ثریا کی سالگرہ کا جشن برپا تھا..... مہمان جوق در جوق تحائف لے کر آرہے تھے۔ اس کے سامنے والی میز پر تحائف کے ڈھیر لگتے رہے۔

دفعتاً عمران ہال میں داخل ہوا۔ ہیٹ کڈائی وہی تھی جس پر رحمان صاحب کو سب سے زیادہ تاؤ آتا تھا۔ یعنی زرد قمیض نیلی پتلون اور سرخ نمائی۔ پیروں میں بے داغ سفید جوتے تھے۔!

اور چہرے پر حماقتوں کا عالم کا عالم تو پوچھنا ہی کیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اتنے بڑے مجمع کو دیکھ کر بوکھلا گیا ہو۔

سید ہارحمان صاحب کی طرف بڑھتا چلا گیا۔!

وہ چونکے تھے اور اسے ایسے ناخوشگوار انداز میں دیکھا تھا جیسے ابھی انھیں گے اور فون کر کے پولیس کو طلب کر لیں گے۔

عمران نے بڑے ادب سے جھک کر اپنا تحفہ ان کی خدمت میں پیش کیا۔

”کیا ہے.....؟“ رحمان صاحب نے جھلا کر پوچھا۔

”تت..... تحفہ.....!“ عمران ہکھلایا۔

”تو مجھے کیوں دے رہا ہے۔!“

”کنفیو شس نے کہا ہے کہ میں نے آج تک کوئی ایسا حق نہیں دیکھا جو درخت کی جڑ میں

پانی دینے کی بجائے اس کے چوں پر چھڑکاؤ کرنا ہو۔!“

”کیا کو اس ہے.....؟“

”ثریا کو تحفہ دینے سے کیا فائدہ۔!“

”آپ جانیں.... میں نے اپنا کام پورا کر دیا۔“

”وہ کہاں ہے....!“

”بس اسے قیدی ہی سمجھئے.... جہاں بھی ہے وہاں سے نکل نہیں سکتا۔“

”اور وہ اس کیج بک....؟“

”میرے پاس ہے.... وہ بھی پیش کروں گا۔“

”کیا تم نے اس میں کوئی خفیہ تحریر تلاش کر لی ہے۔“

”جی ہاں.... اور اس تحریر کی کئی اسی اس کیج میں موجود ہے۔“ کچھ لکیریں اس طرح کھینچی گئی

ہیں اس میں کہ انہیں ترتیب دینے سے دو لفظ بنتے ہیں۔ ”گہرا دھواں“ بس میں نے اس صفحے کو گہرا

دھواں دکھا دیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد صفحے کے سادہ حصوں پر حروف ابھرنے لگے۔ ملاحظہ فرمائیے۔“

”عمران نے پینڈیک سے اس کیج بک نکال کر وہی صفحہ کھولا۔

رحمان صاحب اسے بغور دیکھتے اور سر ہلاتے رہے۔ پھر کچھ دیر بعد بولے۔ ”فوری طور پر اے

میرے محکمے کی حوالات کے سپرد کرو اور اس لڑکی کو بھی۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ گیسپر

نے نمائش والی تصویر مکمل کیوں کی۔ لڑکی کے کمروں میں جا کر چپ چاپ اس کیج بک تلاش کر لیتا۔“

”میری دانست میں یہ حرکت لڑکی کو نمائش ہی میں روکے رکھنے کے لئے کی گئی تھی....

تاکہ وہ اس کی عدم موجودگی میں اطمینان سے اس کے سامان کی تلاشی لے سکے۔ ظاہر ہے کہ لڑکی

اس تصویر کو اس شام کو مکمل پا کر وہیں تو اس آدمی کا انتظام کرتی جو اس کے لئے خوش بختی کا پیام

لانے والا تھا۔ لیکن بیہات....! وہ شب تاریک کا بچہ بیچ میں آکود اور سارا معاملہ گھاؤنچ ہرا

ہو کر رہ گیا۔“

”نکو مت.... اب یہ نام میرے سامنے نہ دہرائے۔“

”لیکن تصویر تو آپ ہی کو رکھنی پڑے گی.... اگر میں اپنے گھر لے گیا تو مجھے ساری زندگی

اس اندھے کی لالچی بنار ہنا پڑے گا۔“



کر سٹن غصے سے سرخ ہو رہی تھی اور عمران اس طرح سر جھکائے بیٹھا تھا جیسے پہلے بھی پٹ

چکا ہو اور مستقل قریب میں بھی پٹ جانے کے امکانات ہوں۔

”میں اپنی اس کیج بک لیے بغیر یہاں سے نہ جاؤں گی.... سمجھے۔“ وہ کچھ دیر بعد گرجی۔

”بس طرح سمجھاؤں تمہیں کہ خزانے تک تمہارے ہاتھ نہ پہنچ سکیں گے.... کیونکہ وہ

شرقی جرمنی میں دفن ہے کسی بھی غیر کمیونسٹ ملک کی دال وہاں نہیں گلے گی۔“

”جنہم میں گیا خزانہ.... وہ اس کیج بک ہی میرے لئے بہت قیمتی ہے.... ہزاروں پونڈ اس کے

دام پہلے بھی لگ چکے ہیں۔“

”یہ میرا وعدہ ہے کہ کچھ دنوں کے بعد اس کیج بک تمہارے پاس پہنچ جائے گی.... لیکن اس

میں وہ صفحہ نہیں ہو گا جس پر مائیکل فراڈے کی خفیہ تحریر ہے۔“

کریسٹن خاموش ہو گئی پھر آہستہ آہستہ وہ نارمل ہوتی گئی۔

”مجھے افسوس ہے....! وہ کچھ دیر بعد آہستہ سے بولی۔

”کس بات پر....؟“

”میں خواہ مخواہ گرم ہو گئی تم بھی تو مجبور ہو.... یہ تمہارے ملک کے وقار کا سوال ہے۔ پھر

بھی میں تمہاری ممنون ہوں کہ تم نے میرے لئے آسانیاں فراہم کیں.... میں زندگی کے کسی

بھی حصے میں تمہیں نہ بھلا سکوں گی۔“

”کنفیو شس نے بھی یہی کہا تھا....!“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”کیا کہا تھا کنفیو شس نے....؟“ کریسٹن مضحکہ اڑانے والے انداز میں مسکرا کر بولی۔

”یہی کہ عورت ارادی طور پر جھوٹ نہیں بولتی بلکہ یہ اس کی فطرت ہے۔ جس طرح میں

غیر ارادی طور پر اپنے کان کھجاتا ہوں اسی طرح وہ جھوٹ بولتی چلی جاتی ہے۔ نہ میں کان کھجا کر

شرماتا ہوں اور نہ وہ اپنے کسی جھوٹ پر تادم ہوتی ہے۔ رہے نام اللہ کا....! چھانا نا....!“

﴿ختم شد﴾

”گیارہ نومبر“ حاضر ہے! اس نام سے متعلق مجھے کئی خطوط بھی موصول ہوئے ہیں اور لوگوں سے زبانی بحثیں بھی ہوئی ہیں۔ ایک صاحبہ نے کہا نام سے قطعی نہیں معلوم ہوتا کہ یہ کوئی جاسوسی ناول ہے۔ میں نے کہاناموں سے کچھ نہیں ہوتا مثلاً آپ کے ”نصف بہتر“ عاقل و فہیم کہلاتے، لیکن صورت سے بالکل چغند معلوم ہوتے ہیں اور آپ سینکڑوں بار مجھ سے ہی ان کی بد عقلی کا رونا روچکی ہیں! اس پردہ بھڑک اٹھیں۔ میں نے عرض کیا لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ جتنا وہ کماتے ہیں اس کے پچھتر فیصد کی آپ کو ہوا بھی نہیں لگنے دیتے اور احباب میں آپ کی فضول خرچیوں کا رونا روتے پھرتے ہیں۔!

بہر حال آپ کہانی پڑھیں اور خود ہی فیصلہ کریں کہ یہی نام مناسب تھا یا نہیں۔!

اب آئیے بے چارے مصنف کی طرف کہ اُسے بہت دنوں کے بعد پھر وہی پرانا مرض لاحق ہو گیا ہے، لیکن اس بار بنگلہ بھاشا میں ہوا ہے یعنی مشرقی پاکستان کے دو پبلشروں نے میرے کچھ ناولوں کا بنگلہ ترجمہ چھاپا ہے اور اس پر میرے نام کی بجائے ”مراد پاشا“ اور ”آلک باری“ رسید کر دیا ہے۔ یعنی اردو میں تو صرف چوریاں ہی ہوتی تھیں، لیکن بنگلہ میں تو ڈاکہ پڑا ہے مجھ پر!

گیارہ نومبر

(مکمل ناول)

آلک باری صاحب نے عمران سیریز کے ”بھیانک آدمی“ کو ذبح کیا ہے اور مراد پاشا نے شعلوں کے پورے سیٹ پر دھاوا بول دیا ہے! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہی غریب کیوں ایسوں کے ہتھے پڑھتا ہے۔ (اسے صنفِ تجاہل عارف کہتے ہیں)

ان پبلشروں کے خلاف قانونی کارروائی کی جارہی ہے اور انشاء اللہ انہیں کراچی ہی کی عدالت میں حاضر ہونا پڑے گا۔

سنا ہے کہ کراچی میں کوئی گجراتی اخبار عمران سیریز کا کوئی ناول نہ صرف چھاپ رہا ہے بلکہ کرداروں کی ایسی قلمی تصاویر بھی وہ اخبار میں چھاپ رہا ہے جنہیں دیکھ کر بعض ”عمران پسند“ آپے سے باہر ہو گئے ہیں! قلمی تصاویر وہ اخبار چھاپ رہا ہے اور سلواتیں مجھے سننی پڑ رہی ہیں۔ یہ دوسرا مرض ہے جو مجھے ہی لاحق ہوا ہے۔

اب آپ مشورہ دیجئے کہ عدالتی کارروائی مناسب رہے گی یا گنڈے تعویذ کروں!

خرچ دونوں میں ہوتا ہے، لہذا آپ خرچ کی پروا نہ کریں۔ مجھے اپنے مشوروں سے مالا مال فرمائیں۔

ورنہ آپ جانتے ہیں کہ میرے کرداروں پر ناول لکھنے والوں کی تعداد تو اب گنڈے تعویذ کی دسترس سے بھی نکل کر ٹائیٹون اور ڈی ڈی ٹی کی حدود میں داخل ہو گئی ہے۔

والسلام

ابنِ صفحہ

۱۶ جنوری ۱۹۶۹



دوسروں کا خیال تھا کہ اُس نے آم کی گٹھلی شرارٹا اس جگہ پھینکی تھی۔ لیکن عمران بڑی بڑی قسمیں کھا رہا تھا انہیں یقین دلایا تھا کہ ان کا خیال غلط ہے۔

”دراصل یہ آم....!“ اس نے بڑی عقیدت مندانہ انداز میں کہا۔ ”مجھے ایک پیر صاحب نے خفتنا بھجوا دیا تھا.... میں سوچ رہا تھا کہ گٹھلی کہیں دفن کر دوں....!“ اس لئے سڑک پار کر رہا تھا کہ وہ ہاتھ سے چھوٹ پڑی۔ جب سے سائیکلو جیکل ریسرچ کا کارخانہ کھلا ہے..... طبیعت تصوف کی طرف زیادہ مائل رہتی ہے۔!“

”کچھ بھی ہو....! لیکن اس بیچاری کے چوٹ آئی ہے۔!“ صفدر بولا۔

”ایسے متبرک آم کی گٹھلی پر پیر پڑے گا تو چوٹ تو آئی ہی ہوئی۔! پیر صاحب کا تحفہ تھا۔!“ گٹھلی سڑک پار کرنے کے بعد گری تھی۔!“ نعمانی نے کہا۔

”اللہ کی مرضی....!“ عمران نے لا پرواہی سے کہا۔

”وہ خصوصیت سے سامنے والے مکان کی فلی سیڑھی پر گرائی گئی تھی....!“ تنویر عمران کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا غرایا۔

”شیت ایز دی....!“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

”اور وہ بیچاری بیہوش ہو گئی تھی گرتے ہی....!“ نعمانی بولا۔

”مر بھی جائے تو اللہ کی مرضی میں کسے دخل....!“ عمران کراہا۔

”تم عنقریب پاگل ہونے والے ہو....!“ تنویر نے آنکھیں نکالیں۔

”پرانی خبر ہے.... غالباً ایک سال پہلے کی....!“ عمران بولا۔

اتنے میں چڑا سی اندر داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر حیرت اور خوف کے آثار تھے۔  
چوہان نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا بات ہے!“

”صاب مر گیا....!“

”کون مر گیا....!“

”وئی....! میم صاحب جو اور زینوں سے گرا تھا۔!“

”نہیں....!“

”ہاں صاحب....! اُسے اُور ہسپتال لے جاتا تھا راستے میں مر گیا۔!“

”کیسے معلوم ہوا....؟“

”اس کا نوکر بتایا....!“

”تو تمہیں کیا پریشانی ہے....! جاؤ اپنا کام کرو....!“ عمران نے غصیلے لہجے میں کہا اور وہ

چاپ باہر نکل گیا۔

اب وہ سب خاموشی سے عمران کو گھورے جا رہے تھے۔

دفعۃً عمران نے صفدر کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”آؤ چلیں۔!“

صفدر تو بے چون و چرا اٹھ گیا تھا لیکن تنویر نے اس کی راہ روک لی۔

”کیا مطلب....؟“ عمران اسے نیچے سے اوپر تک گھورتا ہوا بولا۔

”تمہیں جوابدہ ہونا پڑے گا۔!“ تنویر نے دانت پیسے۔

”رشتے داری تھی تمہاری۔!“

”یہ تو پھانسی کے تختے ہی پر معلوم ہو گا۔!“

”بھائی آنریری مجسٹریٹ ہو گئے ہیں کیا....؟“ عمران نے صفدر سے پوچھا۔

”سامنے سے ہٹ جاؤ....!“ صفدر نے تنویر کو گھورتے ہوئے کہا۔

”اس طرح تم ایک مجرم کو فرار ہونے میں مدد دے رہے ہو۔!“

عمران نے ان سب کو باری باری سے بغور دیکھا اور بولا۔ ”شائد میری عدم موجودگی

یہاں چرس نوشی ہونے لگی ہے۔“

چوہان بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے قریب آکھڑا ہوا۔

”ایک بات بتاتے جاؤ....!“ اس نے کہا۔ ”بات سامنے کی ہے....! اگر اس کے متعلق ہم  
بھی پوچھ گچھ ہوئی تو۔!“

”آم کی تھیلی زیر بحث نہ آنے پائے۔!“ عمران نے خشک لہجے میں کہا۔

”وہ تو ضرور آئے گی۔!“ تنویر مٹھیاں بھینچ کر بولا۔

”تو پھر اپنا حشر بھی دیکھ لینا....!“ اس نے اُسے دھکا دے کر ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہا اور

نذر کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتا ہوا باہر نکل گیا۔

صفدر کی گاڑی قریب ہی کھڑی تھی۔

”مجھے ٹپ ٹپ نائٹ کلب لے چلو....!“ اس نے اس سے کہا۔

صفدر خاموشی سے اسٹیرنگ سنبھال کر بیٹھ گیا....! دوسری طرف کا دروازہ کھول کر عمران

اس کے قریب آ بیٹھا۔

گاڑی چل پڑی اور صفدر بولا۔ ”بعض اوقات....!“

”میں بالکل دیوانہ معلوم ہوتا ہوں۔!“ عمران نے جملہ پورا کر دیا۔

”آخر یہ سب کیا تھا....؟“

”ابھی تو کچھ بھی نہیں تھا....!“

”لیکن....!“ صفدر کچھ کہتے کہتے رک گیا....! اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔

”میرے خیال سے کوئی اور ذکر چھیڑو....!“ عمران نے بڑے خلوص سے مشورہ دیا۔

”یعنی وہ مر گئی....! اور آپ....!“

”جی ہاں....! میں اس کا سوگ منانے کو زندہ بیٹھا ہوں....! سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ لوگ

راستے خدا ترس کیوں ہو گئے ہیں....! آہا سمجھا....! سائیکو لو جیکل ریسرچ کے کارخانے میں

لے ہوئے ہیں نا....! اللہ رحم کرے دوسرے ممالک کے نفسیات کے طالب علم ورڈز دوتھ بنتے

الیم جمر بنتے ہیں یوگک بنتے ہیں ایڈلر بنتے ہیں لیکن سیہات یہاں کے ماہر نفسیات لوگوں کی

میتوں کا تجزیہ کرنے بیٹھتے ہیں اور انہیں ولی اللہ ثابت کر دینے کے بعد سوچتے رہ جاتے ہیں کہ

وہ کیا چیز ہیں۔ ملک کے سارے بڑے افسروں کو ان سے رجوع لانا چاہئے۔!“

”رجوع کرنا....!“ صفدر نے صحیح کی۔



پھر اس نے شاید اُسے کسی قسم کے سائنسی نکتہ نظر سے دیکھنا شروع کر دیا تھا کیونکہ اس کے بعد اسے دیکھنے کے لئے اس کے ہاتھوں میں ہمیشہ دور بین ہوتی۔  
اور پھر یہ واقعہ پیش آیا۔

صفدر کی الجھن بڑھتی رہی.... اور وہ بالآخر ٹپ ٹاپ کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئے صفدر گاڑی کو پارکنگ شیف کی طرف لیتا چلا گیا۔

”مگر“ عمران گاڑی سے اترتا ہوا بولا۔ ”اب تم دیکھو گے کہ پیر صاحب کا آم کتنا کر ماتی تھا!“  
”عمران صاحب.... وہ مر گئی....!“ صفدر جھنجھلا کر بولا۔

”اب پھر کتنی دیر بعد یہی اطلاع دو گے!“

”مناسب یہی ہے کہ میں خاموش رہوں....!“ صفدر کے لہجے کی تقنی کچھ اور بڑھ گئی۔

”سمجھ دار بچہ وہی ہے جو ڈیڈی کی نظریں پہچان سکے!“

وہ ہال میں آئے اور عمران ایک خالی میز کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ صفدر نے اس میز پر ریزرویشن کارڈ پڑا دیکھا تھا.... لہذا بیٹھنے سے قبل اس نے کہا۔ ”کیا اب یہاں ذلیل کراوینے کا ارادہ ہے!“

”اگر تم کھلانے پلانے کو ذلیل کرانا سمجھتے ہو تو میں باز آیا....!“ عمران کانوں پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔  
”میں یہ عرض کر رہا تھا....!“ صفدر نے ریزرویشن کارڈ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”اچھا.... اچھا.... میں سمجھا.... فکر نہ کرو بیٹھ جاؤ....!“

”اگر اٹھا دیئے گئے تو....!“

”ہم تو غلطی سے بیٹھ رہے ہیں....!“ عمران بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔

”آخر آپ چاہتے کیا ہیں....!“

”غلطیاں کر کے“ اوہ معاف کیجئے گا“ کہنے میں ایک خاص قسم کی لذت محسوس کرتا ہوں....  
آج تم بھی ٹرائی کرو....!“

”میں تو نہیں بیٹھوں گا!“

”گریبان پکڑ کر بٹھاؤں گا!“

اتنے میں ایک ویڈیو تیز قدموں سے ان کی طرف آیا اور سلام کر کے کھڑا ہو گیا۔

”وعلیکم السلام....!“ کہہ کر عمران نے پرتپاک انداز میں اس سے مصافحہ کیا اور اس کے

”رجوع لانا صحیح ہے.... اب تم زبان پر بحث کرو گے.... تمہاری پچھلی نوکری پر واپس  
بھجوا دوں گا.... یاد رکھنا میں نے بھی تھوڑی سی نفسیات پڑھی ہے!“

”اچھا یہی بتا دیجئے کہ یہ سائیکو لوجیکل ریسرچ کا ادارہ کیوں قائم کیا گیا ہے....؟“

”یہ اپنے چیف ایکس ٹو سے پوچھو....!“

”میرا خیال ہے کہ دانش منزل کے بعد یہی ہیڈ کوارٹر بنے گا۔ عمارت میں توسیع ہو رہی ہے۔“

”بس مجھے اب اللہ اللہ کرنے دو....!“ عمران ہاتھ اٹھا کر درویشانہ شان سے بولا۔ صفدر

کچھ نہ بولا۔ لیکن الجھن بدستور قائم رہی۔

پچھلے ماہ انہیں ایکس ٹو کی طرف سے ”تنظیم نو“ کا حکم ملا تھا.... اور اسی کے مطابق میگز

سردس کے ممبروں نے ایک مجوزہ عمارت پر ”ادارہ تحقیقات نفسی“ کا بورڈ لگا دیا تھا۔

مختلف شعبوں کے منتظمین کی حیثیت سے وہ اس عمارت میں بیٹھنے لگے تھے۔ وہیں اوپر

منزل پر ان کے لئے رہائشی فلیٹ بھی موجود تھے۔

لیکن صفدر کو اس سے الگ رکھا گیا تھا.... وہ جہاں پر تھا وہیں مقیم رہا۔ کبھی کبھی عمران

اُسے ساتھ لے کر اس طرف بھی آ نکلتا تھا۔

آج بھی یہی ہوا تھا.... عمارت کے سامنے سڑک کے پار دوسری عمارت تھی شاید

عمارت کی طرف وہ لوگ توجہ بھی نہ دیتے.... لیکن وہ لڑکی جو اس عمارت کی اوپری منزل

رہتی تھی بڑی پرکشش تھی!

وہ سبھی اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے.... ٹھیک پانچ بجے شام کو وہ زینوں پر دکھ

دیتی.... کہیں باہر جاتی تھی.... لیکن واپسی کا علم کسی کو نہ ہوتا.... جب سے وہ اس عمارت

آئے تھے انہوں نے لڑکی کے معمول میں کوئی فرق نہیں دیکھا تھا۔

وہ کسی سفید فام نسل سے تعلق رکھتی تھی.... اس عمارت کے فلیٹوں میں کئی غیر

گھرانے آباد تھے۔

جولیانافٹنر واٹرنے اس لڑکی کی قومیت کا اندازہ لگایا تھا اس کا خیال تھا کہ وہ اطالوی ہے۔

لیکن عمران نے کہا تھا کہ ہر خوبصورت لڑکی بین الاقوامی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کو کسی

قوم کے لئے مخصوص کر دینا غیر سائنٹیفک حرکت ہے!

”چلو.... کہو.... کیا کہنا چاہتے ہو....!“

”ہم لوگوں کے علاوہ بھی اس پاس والوں نے آپ کو وہاں آم کی گٹھلی گراتے دیکھا ہو گا۔!“  
”تو پھر....؟“

”آپ یقیناً زحمت میں پڑ جائیں گے.... اور تنویر بھی تو وہیں موجود تھا۔!“  
”ارے.... تنویر....!“ عمران ہنس کر رہ گیا.... پھر بولا۔ ”اس کی مثال تو اس فلمی گیت کی سی ہے۔ تنویر ہو محبوب میرے میں کیوں نہ تمہیں پور کروں۔!“

”آپ جاننے....!“ صفدر نے برا سامنے بنا کر کہا۔ وہ پھر جھنجھلاہٹ میں مبتلا ہو گیا تھا۔  
لیکن اس جھنجھلاہٹ کے باوجود بھی اس نے محسوس کیا کہ عمران کی توجہ اس کی طرف نہیں ہے۔  
اتنے میں ویٹر کافی لایا لیکن عمران کی توجہ قریب والی میز سے نہ ہٹ سکی۔  
وہ کوئی غیر ملکی آدمی تھا.... مشرق بعید کے کسی ملک سے تعلق رکھتا تھا۔ آنکھوں اور ناک کی مخصوص بناوٹ کی بناء پر جاپانی یا تھائی ہو سکتا تھا۔

صفدر کافی بنانے لگا.... پھر جب اس نے ایک پیالی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اُسے مخاطب کیا تو وہ چونک کر اُسے ایسے انداز میں دیکھنے لگا جیسے اس کی موجودگی کا علم ہی نہ رہا ہو۔!  
”کافی....!“ صفدر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔  
”اس آدمی کا نام یو کاوا ہے....!“ عمران نے کہا۔  
”میں کافی پیش کر رہا ہوں.... اسے جہنم میں جھونکنے....!“  
”ہوں.... اچھا....!“ عمران نے کافی کی پیالی اٹھا کر ایک چسکی لی۔

ویسے صفدر کو بھی اب اُس آدمی کی طرف پوری طرح متوجہ ہونا پڑا تھا.... بھلا عمران اس میں یونہی خواہ مخواہ کیوں دلچسپی لینے لگا۔

وہ آدمی اپنی میز پر تہا تھا اور بار بار صدر دروازے کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

”یو کاوا....!“ صفدر نے دل ہی دل میں دہرایا اور کافی پینے لگا۔

”پچھلے سال میں نے گیارہ نومبر کو گیارہ اونٹ شکار کئے تھے۔!“ دفعتاً عمران نے اونچی آواز میں کہا۔ زبان انگریزی استعمال کی تھی۔ بظاہر مخاطب صفدر تھا لیکن صفدر اچھی طرح سمجھتا تھا کہ یہ کوا اس کی اور کے لئے تھی۔

متعلقین کی خیریت دریافت کرنے کے بعد موسم کے احوال پر اتر آیا۔

صفدر کو اس دوران میں اطمینان ہو گیا تھا کہ وہ وہاں سے اٹھائے نہیں جائیں گے لہذا وہ بھی بیٹھ گیا۔  
ویٹر سے گفتگو کر کے عمران نے صفدر سے پوچھا۔ ”کیا نہ کھاؤ گے اور کیا نہ پیو گے۔!“  
”میں صرف کافی پیوں گا۔!“

”کیوں بھی کافی کس بھاد بک رہی ہے۔!“ عمران نے ویٹر کی طرف مڑ کر پوچھا۔  
ویٹر دانت نکالے ہوئے رخصت ہو گیا۔!

”بخدا بعض اوقات آپ حد سے گزر جاتے ہیں.... پہلے ہی بتا دیا ہو تاکہ میز خود آپ نے ریزرو کرائی تھی....!“ صفدر بولا۔

”اتنی پرانی اطلاع آج کیو کر دیتا.... چھ ماہ سے صرف میرے لئے مخصوص ہے۔!“  
”آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں....!“  
”ذلیل کرانے....!“

”کیا مطلب؟“

”کھلانے پلانے.... اس کے بعد بائیس کوپ بھی دکھاؤں گا۔!“

”اچھی بات ہے.... میں تن بہ تقدیر ہوں....!“

”جیتے رہو.... ایسی ہی اسپرٹ رکھنی چاہئے۔!“

صفدر خاموش ہو گیا.... عجیب سی وحشت اس کے ذہن پر طاری تھی۔ بار بار اُسے وہ لڑکی یاد آ رہی تھی۔

لیکن گر کر بیہوش ہو جانا اور چیز ہے اور مر جانا.... بسا اوقات لوگ محض دہشت کی وجہ سے بیہوش ہو جاتے ہیں.... اور پھر وہ تو آخری ٹپلی میٹر ہی سے گری تھی۔!

صفدر نے اپنی پیشانی پر ہتھیلی رگڑتے ہوئے آنکھوں سے عمران کی طرف دیکھا وہ اس طرح مگن بیٹھا تھا جیسے یہاں کے ماحول میں بیوی بچوں کے وجود کو بھلا دینا چاہتا ہو۔

”سنئے....!“ صفدر نے اُسے مخاطب کیا۔

”ضرور سنوں گا.... لیکن اس طرح چویاں شوہروں کو مخاطب کیا کرتی ہیں۔!“

”خدا کے لئے سنجیدہ ہو جائیے۔!“

”اس لئے اس کے دام بھی خود ہی بھگتو گے۔!“  
صفر کچھ نہ بولا۔

تھوڑی دیر بعد عمران بڑ بڑایا۔.... ”غلطی ہو گئی۔!“  
”کیا مطلب....؟“

”پیغام تو موجود ہے.... لیکن پتہ نہیں کس کے لئے ہے۔!“  
”پتہ نہیں آپ کہاں کی ہانک رہے ہیں۔!“

”یہ دیکھو....! اخبار میں جگہ جگہ بعض الفاظ کے نیچے لکیریں کھینچی گئی ہیں! اگر ان الفاظ کو باہر تیب کجا کر دو تو یہ پیغام بنے گا کہ ”لڑکی زینوں سے گر کر بے ہوش ہو گئی اور ہسپتال پہنچنے پہنچنے اس نے دم توڑ دیا۔!“

”خدا کی پناہ.... تو ابھی تک اسی لڑکی کا چکر چل رہا ہے۔!“  
”اور دیکھو کب تک چلتا ہے۔!“

صفر نچلا ہوٹ دانتوں میں دبائے عمران کو گھورتا رہا۔

”لیکن ایک بات ہے....!“ عمران کچھ دیر بعد بولا۔ ”جسے یہ پیغام دینا تھا اُسے شاید وہ بھی نہیں جانتا تھا ورنہ میرے حوالے کیوں کر جاتا۔!“

”سوچتے اور کڑھتے رہئے۔!“

”ہائیں.... کیا مطلب....!“ عمران نے اُسے بغور دیکھ کر جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں۔  
”جی....!“

”کیا تم آج کل بیگمات میں زیادہ اٹھ بیٹھ رہے ہو....!“  
”میں نہیں سمجھا....!“

”یہ کڑھنا ڈھنسا بولنے لگے ہو....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”شاید کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا.... لیکن صفر نے محسوس کیا جیسے وہ پھر کسی طرف متوجہ ہو گیا ہو۔!“

”لو ابھی شاید.... مسٹر یو کاوا کو اسی کا انتظار تھا۔!“

اشارے کی سمت نظر اٹھی تو آنکھوں میں بجلی سی کوند گئی۔ بڑی خوبصورت لڑکی تھی.... کاؤنٹر کے قریب رک کر میزوں کا جائزہ لینے لگی تھی۔

صفر نے یو کاوا کو چونکتے دیکھا۔ پھر وہ عمران کی طرف اسی طرح متوجہ ہوا تھا جیسے وہ کوئی عجوبہ ہو حیرت سے اُس کے ہونٹ کھل گئے تھے۔ پھر اچانک وہ اپنی میز سے اٹھ کر ان کے پاس آ بیٹھا۔  
اب اس کے ہونٹوں پر لطیف سی مسکراہٹ تھی.... ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ان دونوں کے لئے گہرے جذبات رکھتا ہو۔

”یہ ملک بڑا خوبصورت ہے۔!“ اس نے کہا۔

عمران نے مسکرا کر سر کو جنبش دی.... کچھ بولا نہیں.... صفر نے ویٹر کو اشارے سے بلا کر اس بن بلائے مہمان کے لئے بھی کافی طلب کی۔

یو کاوا کے ہاتھ میں رول کیا ہوا ایک اخبار تھا جسے اس نے میز پر رکھ دیا اور اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا۔  
”اودہ شاید میرا پرس برساتی کی جیب میں رہ گیا جسے میں کلوک روم میں چھوڑ آیا ہوں....!“  
اس نے کہا اور اٹھ گیا۔

صفر نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے تھے پھر بند کر لئے اور.... اور.... اُسے تیزی سے صدر دروازے کی طرف جاتے دیکھتا رہا تھا۔ عمران بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔

”عجیب ہونٹ آدمی معلوم ہوتا ہے....!“ صفر بلا آخر بولا۔

”لیکن اب وہ واپس نہیں آئے گا....!“ عمران نے سر کو مایوسانہ جنبش دی۔

”کیوں....؟ آخر بات کیا ہے۔!“

”کسی اور کے دھوکے میں اس میز پر آ بیٹھا تھا۔!“

”آخر کیوں....؟“

”گیارہ نومبر تھی اس کی وجہ.... گیارہ اونٹوں والی بات محض تفنن طبع کے لئے کہی گئی تھی ویسے یہ اور بات ہے کہ تفنن طبع کے معنی بھی مجھے نہ معلوم ہوں۔!“ عمران نے کہا اور وہ رول ا ہوا اخبار اٹھا لیا جسے یو کاوا چھوڑ گیا تھا۔!

ویٹر دوبارہ طلب کی ہوئی کافی لے آیا۔

”اب میں اس کا کیا کروں....!“ صفر نے عمران کو گھورتے ہوئے کہا۔

”کس کا....؟“ عمران نے اخبار سے نظر ہٹائے بغیر کہا۔ اس نے اُسے میز پر پھیلا لیا تھا۔!

”یہ کافی میں نے اسی کے لئے منگوائی تھی۔!“

پھر کاؤنٹر کلرک سے کچھ پوچھا بھی تھا۔

”کیا خیال ہے....!“ عمران بولا۔ ”مجھے تو یہ بھی چاہی ہی لگے گی اگر کسی طرح اس کی ہار چھٹی کر دی جائے۔!“

”یہ مغربی یورپ کے کسی ملک کی معلوم ہوتی ہے۔!“ صفدر نے کہا۔

اب وہ لڑکی کاؤنٹر سے ٹیک لگائے کھڑی تھی.... اور اس کا رخ میزوں کی طرف تھا۔

”عمران نے اخبار کے دو ورق الگ الگ رول کئے اور انہیں برابر سے میز پر کھڑا کر رہا۔

بولا۔ ”دیکھو... اب اس گیارہ کا کمال وہ تیر کی طرح اس طرف آئیگی... کافی تیار رکھو اس کیلئے!

عمران کا یہ خیال بھی درست ثابت ہوا.... وہ سچ سچ ان کی میز کی طرف بڑھتی دکھائی دی۔

جیسے ہی وہ قریب پہنچی عمران نے اخبار کے دو رول کو پھر ایک ہی رول کی شکل دے کر میز

ڈال دیا۔

اٹنی دیر میں وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ چکی تھی.... کوئی کچھ نہ بولا۔ صفدر نے اس کے لئے کا

بنائی اور کچھ کہے بغیر اس کی طرف بڑھا دی جو خاموشی ہی سے قبول کر لی گئی۔!

عمران نے صفدر کو خاموش رہنے کا اشارہ پہلے ہی کیا تھا۔!

”میں بہت پریشان ہوں....!“ لڑکی کافی کی پیالی ختم کر کے بولی۔ ”تم دونوں میں سے وہ کون ہے؟

صفدر تو خاموش ہی رہا البتہ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

”تم ہو....!“ لڑکی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اور عمران نے مغموم انداز میں سر کو اثباتی جنبش دی۔

”اوہ.... اگر یہ سچ ہے تو مجھے خوش ہونا چاہئے۔!“ لڑکی بولی اور عمران نے احمقانہ انداز:

دانت نکال دیئے۔

اس کے بعد لڑکی نے اخبار اٹھا لیا اور اب عمران اس کی طرف سے بالکل لاپرواہ نظر آ رہا تھا۔

”تم نے مجھے بلایا ہے....!“ میں آگئی۔!“ لڑکی نے کچھ دیر بعد کہا۔

”تم نے بہت اچھا کیا....!“

”کب سے تمہیں ڈھونڈ رہی تھی۔!“

”مل گیا یا نہیں....؟“

”تم پہ نہیں کیسی باتیں کر رہے ہو.... کہیں مجھ سے غلطی تو نہیں ہوئی۔!“

”کیسی غلطی....؟“

”تم نے کل مجھ سے فون پر کہا تھا کہ مجھ سے یہیں ملو گے اور تمہارے ہاتھ میں اخبار کے دو

رول ہوں گے۔!“

”ہاں کہا تو تھا....!“

”پھر اتنی بے مروتی سے کیوں پیش آرہے ہو....!“

عمران کچھ نہ بولا۔

صفدر کا دماغ پھر چکرانے لگا تھا.... کبھی میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔!

”تم نے مجھے لکھا تھا کہ تم بہت خوبصورت ہو....! لیکن اگر بڑھاپے میں کوئی ساتھ دے سکتا

ہے تو وہ صرف میں ہوں۔!“

”یقیناً میں نے لکھا تھا....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”پھر سرد مہری کا کیا مطلب....؟“

”تمہارے بڑھاپے کا انتظار کر رہا ہوں۔!“ عمران نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

صفدر نے ہنسی روکنے کے سلسلے میں دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

”تمہاری بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔!“

”کہاں قیام ہے تمہارا....!“ عمران نے پوچھا۔

”ایڈلفی.... میں.... روم نمبر بیاسی....!“

”اچھا تو میں وہیں چل کر تم سے گفتگو کروں گا۔!“

وہ دونوں اٹھے اور عمران نے صفدر سے کہا تھا۔ ”ایک ضروری کام ہے امید ہے کہ تم مجھے

معاف کر دو گے.... کل شام پھر یہیں ملاقات ہوگی۔!“ وہ دونوں چلے گئے صفدر نے جلدی

جلدی بل ادا کیا اور باہر نکل آیا۔

اس کی اپنی گاڑی پارکنگ شڈ ہی میں موجود تھی۔!

اس نے ان دونوں کو پھانک سے نکل کر ایک ٹیکسی رکواتے دیکھا۔

اُسے ان کا تعاقب کرنا تھا.... کیونکہ معذرت کرتے وقت عمران نے ایک مخصوص اشارہ کیا تھا۔

ٹیکسی ایڈلفی کے کپاؤنڈ میں پہنچ کر رک گئی۔ لیکن لڑکی بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔  
”سہیا اترنے کا ارادہ نہیں ہے۔“ عمران نے پوچھا۔

”اؤں.... ہاں....!“ وہ چونک پڑی....! چند لمحے عمران کو دیکھتی رہی پھر بولی۔ ”اچھی بات ہے اگر تم وہ نہیں تو کم از کم مجھے اس کے سلسلے میں کوئی معقول مشورہ دے ہی سکو گے۔ یہاں میں اجنبی ہوں۔ تم پہلے مقامی آدمی ہو جس سے اتنی دیر تک گفتگو رہی ہو۔!“  
”مشوروں کا ماہر ہوں.... فکر نہ کرو....!“

”ڈرائیور ان کے لئے دروازہ کھولے کھڑا تھا.... لڑکی اتر گئی....! اور دوسری طرف سے عمران خود ہی دروازہ کھول کر نیچے اُترا۔

پھر وہ کمرہ نمبر بیاسی کے سامنے ہی ر کے تھے۔ لڑکی نے ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا اور پہلے خود اندر داخل ہوئی....! کمرہ خالی تھا۔ عمران نے اس کی تھلید کی۔

”بیٹھ جاؤ....!“ لڑکی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

”تم بہت خوبصورت ہو۔“ عمران نے بیٹھنے سے پہلے احتیاطاً انداز میں کہا۔

لڑکی کچھ نہ بولی.... دفعتاً بائیں جانب کا دروازہ کھلا اور یو کاوا ہاتھ میں ریوالتور لئے ہوئے دکھائی دیا۔ ریوالتور کا رخ عمران کی ہی طرف تھا۔

”اس معاملے میں کوئی مشورہ دینے سے پہلے مجھے ڈکشنری کنسلٹ کرنی پڑے گی۔“ عمران نے لڑکی سے کہا۔

لڑکی خاموش رہی۔

”تم کون ہو....؟“ یو کاوا عمران کو خون خوار نظروں سے دیکھتا ہوا اچھکے کارا۔

”اُن سے پوچھو....!“ عمران نے لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

”بکواس نہیں....! یہ ریوالتور بے آواز ہے۔!“

”اچھا!۔“ عمران کالج حیرت اور مسرت سے لبریز تھا۔ ”میں نے آج تک ایسا ریوالتور نہیں دیکھا تھا۔!“

”وقت نہ ضائع کرو.... میری بات کا جواب دو....!“

”میں....؟ میں ہوں....!“

”کیا مجھے تشدد پر آمادہ ہونا پڑے گا۔!“



ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھتے وقت عمران نے ٹھنڈی سانس لی تھی۔  
لڑکی اسکے برابر بیٹھتی ہوئی بولی۔ ”میں پھر سوچ رہی ہوں کہ کہیں مجھے دھوکہ تو نہیں ہوا۔!“  
”بعض لوگ زندگی بھر یہی سوچتے رہ جاتے ہیں۔“

ایڈلفی کے لئے ٹیکسی چل پڑی.... لڑکی نے خود ہی ڈرائیور کو ہدایت دی تھی۔  
”یہ بھی ممکن ہے....!“ لڑکی کچھ دیر بعد بولی۔ ”میرے خطوط کسی اور کے ہاتھ لگے ہوں اور وہ اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہا ہو۔!“

”ہاں یہ تو ہے....!“

”تم مجھے الجھن میں نہ ڈالو....!“ وہ جھنجھلا کر بولی۔ ”تمہارا رویہ غیر فطری ہے۔!“

”کچھ اور وضاحت کرو....!“

”تمہارے انداز میں گرجو ش نہیں۔!“

”ٹھنڈے دماغ کا آدمی ہوں۔!“

”اگر اس قدر ٹھنڈے ہو تو میں خود کو احمق سمجھنے پر مجبور ہوں۔!“

”جو لوگ خود کو احمق سمجھتے ہیں دنیا کے برگزیدہ ترین لوگ ہیں۔ سیدھے جنت میں جائیں گے۔“

”میں پوچھتی ہوں تم نے ایسے خطوط کیوں لکھے تھے۔!“

”خطوط لکھنا تو میری ہابی ہے۔ کچھ نہیں تو ریڈیو ہی والوں کو بور کرنا رہتا ہوں۔ کہ فلاں گا

ایک بار پھر سنو! تجھے میں اور میری دادی جان مشتاق ہیں۔!“

”جمال تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔!“

”جمال الدین صدیقی کہو.... پورے نام کے بغیر میں متوجہ نہیں ہوتا۔!“

”میرے خدا میں کیا کرنے جا رہی ہوں....؟“

”اگر جواب مل سکے تو ضرور پوچھو خدا سے۔!“

”اچھا بتاؤ میں کون ہوں....؟“ لڑکی نے احتیاطاً انداز میں پوچھا۔

عمران اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے بول پڑا۔ ”ہم ایڈلفی پہنچ گئے۔!“

”بھائی.... یہ خود ہی مجھے یہاں لائی ہیں.... ورنہ میں تو بالکل بے ضرر آدمی ہوں۔!“

”تم نے کلب میں گیارہ نومبر کا حوالہ کیوں دیا تھا....!“

”گیارہ نومبر.... کیا مطلب.... کیسا حوالہ.... اودہ.... میرے خدا.... تم ہی تھے؟“

”کچھ دیر کے لئے میری میز پر آئے تھے اور پھر اٹھ گئے تھے۔ میں سوچتا ہی رہ گیا تھا....!“

”تم نے گیارہ نومبر کے متعلق کوئی بات کہی تھی۔!“

”مجھے تو یاد نہیں۔!“

”میں سچ کہتا ہوں گولی مار دوں گا۔!“

”سنو میز کی بات.... میری جیب میں صرف سوا چار روپے ہیں! تم یونہی لے لو خواہ ۵

بات بڑھانے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر پہلے سے معلوم ہو تاکہ کسی اتنی خوبصورت لڑکی سے ملا

پڑنے والا ہے تو آج ہی ساری رقومات بینکوں سے نکلوا لیتا۔!“

”تم یوں نہ مانو گے.... لڑکی....!“

”لیس باس....!“ لڑکی بولی۔

”دروازہ مقفل کر دو....!“

”اچھا باس....!“

لڑکی نے آگے بڑھ کر دروازہ مقفل کرنے کی کوشش کی پھر مڑ کر مایوسانہ لہجے میں بولا

”کبھی گھومتی ہی نہیں.... شاید باہر سے کبھی لگی ہوئی ہے۔!“

”پروا نہیں..!“ یو کاوا گردن جھٹک کر بولا۔ ”تم غسل خانے میں چلی جاؤ۔ میں دیکھتا ہوں۔

”غسل خانے میں کیوں باس.... کیا میں ڈرتی ہوں.... میں بھی دیکھوں گی۔!“

”ارے تو کیا تم ہاتھ پائی کرو گے۔!“ عمران نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”ہاں میں تمہیں ماروں گا۔!“

”آخر کیوں....؟“

”تاکہ تم سچی بات اگل دو....!“

”کیسی سچی بات.... میں تو بڑی مصیبت میں پڑ گیا ہوں.... بزرگوں نے ٹھیک ہی نصیحت

تھی کہ کسی لڑکی کو اس کے گھر تک ہرگز نہ پہنچاؤ۔!“

”زبان بند رکھو.... اب آواز نکلی تو گلا گھونٹ دوں گا۔!“ یو کاوا نے ریوالور جیب میں ڈالتے

ہوئے کہا۔ اب وہ آہستہ آہستہ عمران کی طرف بڑھ رہا تھا۔

پھر اچانک اس نے عمران پر چھلانگ لگائی اور دھم سے منہ کے بل فرش پر جا رہا کیونکہ عمران

تو بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا تھا۔!

پھر وہاں سے جست لگائی تو لڑکی کے قریب پہنچا اور ڈرے ڈرے انداز میں اس کے پیچھے چھپنے

کی کوشش کرنے لگا۔

”بب.... بچاؤ.... مجھے۔!“ وہ اس سے کہہ رہا تھا۔

اس نے اس کے شانے بھی پکڑ لئے تھے.... اور پھر تو اسے ڈھال بنا کر رکھ دیا۔ یو کاوا اس پر

دوبارہ حملہ کرنے کی گھات میں تھا.... اور عمران لڑکی سمیت پینتھرے بدل رہا تھا۔

لڑکی نے بہت کوشش کی تھی کہ اس کی ڈھال نہ بنے لیکن اس کے شانے عمران کی گرفت

سے نہیں نکل سکے تھے۔

”دیکھو.... مسٹر.... اگر اب تم نے حملہ کیا تو میں اس لڑکی کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دوں گا۔!“

عمران نے یو کاوا کو وارننگ دی۔

ٹھیک اسی وقت کسی نے دروازے پر دستک دی اور یو کاوا اس طرف متوجہ ہو گیا۔ پھر وہ بڑی

پھرتی سے ریوالور دوبارہ نکالتا ہوا ایسی جگہ پہنچ گیا کہ اگر دروازہ کھلتا تو وہ اس کی اوٹ میں ہوتا۔

وہیں سے اس نے لڑکی کو اشارہ کیا.... اور وہ اونچی آواز میں بولی۔ ”آ جاؤ۔!“

عمران نے اب بھی اس کے شانے نہیں چھوڑے تھے۔!

”یہ کیا کر رہے ہو.... پتہ نہیں کون ہو....!“ اس نے عمران سے کہا تھا۔

”زیادہ سے زیادہ جیل چلا جاؤں گا.... اور کیا....!“

دروازہ کھلا.... سامنے صفدر کھڑا تھا.... اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

عمران اسے آنکھ مار کر مسکرایا اور بولا۔ ”آ جاؤ.... آ جاؤ.... بھلا تمہیں چین کہاں.... اس

لڑکی کے ساتھ آیا تھا.... بھلا تم کیوں نہ تعاقب کرتے... چلے آؤ یہاں کچھ غلط فہمی ہو گئی ہے۔!“

جیسے ہی صفدر نے کمرے میں قدم رکھا دروازہ بند ہو گیا۔

اس نے داخل ہوتے ہی محسوس کیا تھا کہ حالات غیر معمولی ہیں لیکن جتنی دیر میں وہ سنبھلتا

اس کو یہاں کیوں لائی تھی.... اوہ میرے خدا.... تم تو وہی ہو.... تم بھی تو کچھ دیر ہماری میز پر بیٹھے تھے۔ آخر یہ سب کیا ہے۔!“

”میں یہ جانتا چاہتا ہوں کہ تمہارے دوست نے گیارہ نومبر کا حوالہ کیوں دیا تھا۔!“

”اوہ.... یہ تو ایسی اوٹ پٹانگ باتیں کرتے ہی رہتے ہیں۔!“ صفدر نے مسکرا کر کہا۔ ”میں یہی تو بتا رہا تھا کہ ذہنی فنور میں مبتلا ہیں۔!“

”سٹ اپ....!“ عمران دباڑا.... ”تم کیوں میرے پیچھے رہتے ہو....! اچھا ہے تمہیں گولی باردی جائے۔ یہ ریوالور کا بھوت ہے.... بے آواز.... خاموشی سے مر جاؤ گے۔!“

”سن رہے ہو!“ صفدر نے یو کاوا سے کہا۔ ”کیا یہ کسی صحیح الدماغ آدمی کی گفتگو ہو سکتی ہے۔!“

دفعۃً لڑکی کے حلق سے گھٹی گھٹی آوازیں نکلنے لگیں اور صفدر چیخا۔

”وہ پاگل ہے اسے مار ڈالے گا۔!“

یو کاوا گڑبگڑا گیا اور ٹھیک اسی وقت صفدر نے اُس کے ریوالور والے ہاتھ پر ہاتھ ڈال دیا۔!

ریوالور دور جا پڑا لیکن ساتھ ہی صفدر بھی کئی فٹ اوپر اچھل کر نیچے گرا۔ یو کاوا نے جوڈو کا ایک داؤ استعمال کیا تھا.... پھر وہ بڑی پھرتی سے عمران کی طرف جھپٹا.... عمران نے پہلے ہی لڑکی کو چھوڑ دیا تھا۔

دونوں لپٹ پڑے.... اس پر بھی یو کاوا نے بڑی پھرتی سے جوڈو کا ایک داؤ آزمانا چاہا.... لیکن ناکام رہا کیونکہ عمران نے بھی بجلی کی طرح اس کا توڑ کر لیا تھا۔ ساتھ ہی اس نے ڈھب پر لا کر دھوبی پات مارا اور پھر جیسے ہی وہ گرا عمران نے اپنا دایاں گھٹنا اس کی گردن پر رکھ دیا۔

”نہیں....!“ یو کاوا پھنسی پھنسی سی آواز میں بولا۔ ”مم.... مجھے چھوڑ دو.... میں تمہیں ہزاروں.... روپے دوں گا۔!“

صفدر نے اتنی دیر میں ریوالور پر قبضہ کر کے لڑکی کو اسی جگہ کھڑا ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔

پھر عمران نے یو کاوا کے بال مٹھی میں جکڑ کر اسے سیدھا کھڑا کر دیا۔ اس کے بعد جوڈو دکھایا ہے تو وہ دیوار سے جا ٹکرایا۔

”اور اب تمہارے بولنے کی باری ہے۔!“ عمران اپنے ہاتھ جھاڑتا ہوا بولا۔

یو کاوا دیوار سے لگا کھڑا ہوا رہا تھا۔

یو کاوا ریوالور تانے ہوئے سامنے آچکا تھا۔

عمران نے قہقہہ لگایا اور چڑھانے والے انداز میں صفدر سے بولا۔ ”پھنس گئے نا آخر بار.... کتنی بار منع کیا ہے کہ میری ٹوہ میں نہ رہا کرو.... لیکن بھلا تمہیں چین کہاں۔ کوئی لڑکی دیکھی میرے ساتھ اور پیچھے لگ گئے۔!“

صفدر احمقانہ انداز میں کبھی یو کاوا کی طرف دیکھتا اور کبھی عمران کی طرف۔

عمران نے اب لڑکی کے شانے چھوڑ کر دونوں ہاتھوں سے گردن پکڑ لی تھی۔

لڑکی کے چہرے پر خوف کے آثار نظر آنے لگے تھے۔!

”سنو مسٹر....!“ عمران نے یو کاوا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ”تم میرے دوست کو مار دو اور میں اس لڑکی کا گلا گھونٹ ڈالتا ہوں۔!“

”میں تم دونوں ہی کو گولی مار دوں گا.... ورنہ لڑکی کا گلا چھوڑ دو....!“ یو کاوا غرایا۔!

”دیکھو....!“ صفدر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”یہ لڑکی خود ہی میرے دوست کو اپنے ماں لائی ہے۔!“

”اب کیا ہو سکتا ہے....!“ عمران چبکا رہا.... ”یہ ہم دونوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا....!“

میں لڑکی کا گلا نہیں چھوڑوں گا۔!“

”تم اگر انسانیت سے پیش آؤ تو معاملات رفع دفع ہو سکتے ہیں۔!“ صفدر نے یو کاوا سے کہا۔

”میرے دوست کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے۔! تم کسی عدالت میں بھی اس کے خلاف جوئی کر کے کچھ حاصل نہیں کر سکو گے۔!“

”کیسے معاملات....؟“

”جو کچھ بھی ہوں....!“

”تم نہیں جانتے۔!“

”میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا کہ میرا دوست ذہنی فنور میں مبتلا ہے۔!“

”اچھی بات ہے....!“ عمران گڑبگڑا بولا۔ ”اس کے بعد میں تمہارا گلا گھونٹ دوں گا۔ تم“

پاگل کہہ رہے ہو۔!“

”ریوالور جیب میں رکھ لو....!“ صفدر نے یو کاوا کو پھر مشورہ دیا۔ ”اور لڑکی سے پوچھو کہ“

”شروع ہو جاؤ.... میرے پاس وقت نہیں ہے۔!“ عمران نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

”میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ تم کون ہو....!“

”آخر میں ہی کیوں.... اس شہر میں تقریباً تیس لاکھ آدمی رہتے ہیں۔!“

”تم اس لڑکی کا تعاقب کیوں کرتے تھے۔!“

”کس لڑکی کا....؟“

”وہ جونیوں سے گر کر مر گئی....!“

”ہائیں.... وہ لڑکی جونیوں سے گری تھی.... کیا مر گئی۔!“

”ہاں مر گئی....!“

”بڑا افسوس ہوا.... وہ مجھے اچھی لگتی تھی.... اس لئے تعاقب کرتا تھا۔ لیکن تم یہ بتاؤ کہ

اخبار میں خطوط کشیدہ الفاظ والا پیغام کس کے لئے تھا۔!“

”کسی کے لئے بھی نہیں....! میں تو صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تمہاری حقیقت کیا ہے۔ پھر

یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ پیغام غلطی سے تمہارے ہاتھوں میں پہنچ گیا یہ لڑکی تم سے اخبار حاصل

کرنے جاتی ہے۔! مقصد صرف یہ تھا کہ تمہیں گھیر کر یہاں تک لایا جائے۔!“

”سو میں آگیا....!“

”تم کون ہو....؟“

”یہ اب تم اپنے بارے میں بتاؤ گے۔!“

”میں اسے چاہتا تھا.... کبھی وہ میری سیکریٹری تھی۔ مجھے چھوڑ کر یہاں چلی آئی.... اور میں

اس کا تعاقب کرتا رہا۔ چھپ چھپ کر دکھاتا رہا کہ آخر اس میں یہ اچانک تبدیلی کیوں آئی.... اور

نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔!“

”گیارہ نمبر پر کیوں بھڑکے تھے۔!“

”یہ میں نہیں بتاؤں گا.... یہ ایک مقدس راز ہے۔ اس نے مجھ سے بے وفائی کی تھی۔ لیکن

میں تو ان یادوں کو اپنے سینے سے لگائے رہوں گا۔!“

”اور آپ کی تعریف....؟“ عمران نے لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

”یہ.... یہ بھی.... میری سیکریٹری ہے۔!“

”چلو معاف کیا....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”کچھ دیر خاموشی رہی.... پھر یو کاوا بولا۔“ ہمیں دوستانہ فضا میں بات کرنی چاہئے۔!“

”اب کیا بات کریں....!“

”میں سمجھا تھا کہ اسی نے تمہیں گیارہ نمبر کے بارے میں کچھ بتایا ہے۔!“

”تمہارے بیان کے مطابق وہ مر گئی ورنہ اسی سے پوچھتا۔ میں تو اُسے دور ہی سے دیکھتا رہا تھا

بھی گفتگو کرنے کا اتفاق نہیں ہوا۔!“

”وہ بہت اچھی تھی.... ایک بیک اُسے نہ جانے کیا ہو گیا تھا۔!“

”اب اسے سنبھالنا کہیں اسے بھی کچھ نہ ہو جائے۔“ عمران نے لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔!

”یہ صرف سیکریٹری ہے۔!“ یو کاوا نے ٹھنڈی سانس لی۔

”اچھا تو اب ہم لوگ چلیں....!“ عمران نے یو کاوا سے ایسے انداز میں کہا جیسے کچھ دیر پہلے

اس کے ساتھ چائے نوشی کا لطف لیتا رہا ہو۔!

”ظہر و....!“ لڑکی ہاتھ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔!“

”کیا مطلب....؟“ عمران نے دیدے نہچائے۔

”تم بہت دلیر آدمی ہو۔!“

”لڑی....!“ یو کاوا کے لہجے میں درد تھا۔

لیکن اُس نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔

عمران نے صدر کے ہاتھ سے ریو اور لے کر یو کاوا کو واپس کر دیا! صدر نے کچھ کہنے کے لئے

منہ کھولا ہی تھا کہ عمران نے اپنی بانیں آنکھ دہائی اور وہ خاموش رہ گیا۔

”میں تمہارے ساتھ چلوں گی.... یہ مذاق نہیں۔!“ لڑی نے پھر کہا۔

عمران نے صدر کا ہاتھ پکڑا اور دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

”کیا پکڑ تھا.... آپ آخر کیا کرتے پھر رہے ہیں۔!“ صدر نے راہداری میں پہنچ کر کہا۔

”خاموشی سے چلتے رہو....!“ عمران آہستہ سے بولا۔

انہوں نے زینہ طے کیا اور عمارت سے باہر آ گئے۔ صدر کی گاڑی سامنے ہی موجود تھی۔

”اُسے وہ آرہی ہے۔!“ صدر اگلی سیٹ کا دروازہ کھولتا ہوا بولا۔



”پہ نہیں تم کیسے آدمی ہو....!“

”اب کچھ نہ کہوں گا چاہے سر پر ہی کیوں نہ سوار ہو جاؤ۔!“

کچھ دیر پھر خاموشی رہی.... دفعتاً صفر نے پوچھا۔ ”اب آپ کہاں جائیں گے۔!“

”بس اب تم مجھے لے چل کر سمندر میں پھینک دو.... دیکھتا ہوں یہ کیسے میرے پیچھے آتی

ہے۔“ عمران نے اردو کا جواب انگریزی میں دیا اور وہ تر سے بول اٹھی۔ ”چھلانگ لگا دوں گی

سمندر میں.... یقین نہ آئے تو آزما کر دیکھ لو....!“

”اچھا.... اچھا.... دیکھوں گا....!“

صفر نے تھوڑی دیر بعد پھر پوچھا کہ وہ کہاں جانا چاہتا ہے۔!

”اپنے گھر کے علاوہ اور ہر جگہ جانے کو تیار ہوں.... خیر جہاں کہوں مجھے اتار کر راہ لینا۔“

”موڈل ٹاؤن کی ایک سڑک پر اس نے صفر سے گاڑی روکنے کو کہا۔

لڑی اس وقت تک نہیں اُتری تھی جب تک عمران نہیں اُترا تھا۔

صفر را نہیں وہیں چھوڑ کر روفو چکر ہو گیا۔

”کیا ہم یہیں کھڑے رہیں گے۔!“ کچھ دیر بعد لڑی نے کہا۔

”یہی سوچ رہا تھا کہ کس درخت پر بیسرا لیں....!“

”کیا مطلب....؟“

”میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ تمہیں کہاں لے جاؤں۔!“

”گھر نہیں ہے۔!“

”ہے تو لیکن وہاں تل رکھنے کی جگہ نہیں....! دو بیویاں اور گیارہ بچے ہیں۔!“

”دو بیویاں....؟“

”ہاں اب صرف دو ہی رہ گئی ہیں۔!“

”کیا پہلے اور بھی تھیں....؟“

”پوری ستائیس.... نووازاہ ہوں....!“

”میں تو کسی ایسے آدمی کو ہرگز نہیں چاہ سکتی.... بڑی غلطی ہوئی مجھ سے۔!“

”جس طرح تمہیں میری دلیری پسند آئی ہے.... اسی طرح دوسری عورتوں کو بھی میری

”فکر نہ کرو۔!“ عمران نے کہا اور اپنے لئے دروازہ کھولنے میں اتنی دیر لگائی کہ لڑی بھی پہنچ گئی۔

اس نے کچھ کہے بغیر پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا تھا اور اندر بیٹھ گئی تھی۔

”بڑی ڈھیٹ لوگ ہیں....!“ عمران نے اردو میں کہا۔

صفر نے انجن اشارٹ کیا اور گاڑی چل پڑی۔

”تمہیں اس پر حیرت ہو گی۔!“ لڑی نے عمران کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”اب مجھے کسی بات پر حیرت نہیں ہوتی۔!“ عمران نے جواب دیا۔ ”صرف اپنی پیدائش کے

موقع پر حیرت ہوئی تھی.... اس کے بعد سے آج تک کوئی ایسا واقعہ نظر سے نہیں گذرا جس پر

حیرت ہوئی۔!“

”تو پھر تم مجھے دھوکے باز سمجھ رہے ہو گے۔!“

”ارے میں کسی کو کچھ نہیں سمجھتا....!“

”وہ تمہیں پسند تھی....!“

”کون....؟“

”روزی....!“

”کون.... روزی....!“

”وہی جس کا تم تعاقب کرتے رہے تھے۔!“

”کیا وہ سچ مر گئی۔!“

”ہاں.... یو کاوانے یہی بتایا تھا مجھے۔!“ تم بتاؤ کیا وہ تمہیں پسند تھی۔!“

”پسند و سنا خاک نہیں تھی.... مجھے آج تک کوئی لڑکی پسند ہی نہیں آئی۔ میں تو بس یہ

دیکھنے کے لئے ہر لڑکی کا پیچھا کرتا ہوں کہ شاید اس میں کوئی خاص بات ہو.... لیکن آج تک نہ

ایسی کوئی ملی نہیں۔!“

”کیا خاص بات دیکھنا چاہتے ہو....!“

”یہ نہیں بتاؤں گا.... ورنہ لڑکیاں ایکٹنگ کرتی پھریں گی۔!“

”اوہو تو کیا تم اتنی ہی اہمیت رکھتے ہو کہ لڑکیاں تمہیں رجھانے کے لئے ایکٹنگ کرتی پھریں۔“

”سوال یہ ہے کہ تم کیوں میرے پیچھے دوڑی آئی ہو۔!“

کوئی نہ کوئی بات پسند تھی.... اور اب تو صرف دو ہی رہ گئی ہیں وہ کہتی ہیں چونکہ تم بالکل چنبد ہو اس لئے ہم کسی قیمت پر بھی تمہیں نہیں چھوڑ سکتے۔“

”میں اب یو کاوا کے پاس نہیں جاسکتی۔“ لزی نے پر تشویش لہجے میں کہا۔ ”یہاں اور کسی کو نہیں جانتی۔“

”اگر یہ بات ہے تو آؤ میرے ساتھ.... میں تمہیں پناہ دوں گا۔“

”لہل.... لیکن تم تو.... دو بیویاں رکھتے ہو۔“

”ارے تو کیا ہوا.... انہیں گردن میں لٹکائے تو نہیں پھرتا....“

”نہیں....“ وہ ہنس پڑی.... ”تم شادی شدہ نہیں معلوم ہوتے۔“

عمران کچھ نہ بولا.... وہ ایک سست چل پڑا تھا۔ بالآخر ایک عمارت کے سامنے رکا۔

”یہ عمارت خالی معلوم ہوتی ہے۔“ اس نے مڑ کر آہستہ سے لزی کو مخاطب کیا.... ”کوئی

کھڑکی روشن نہیں ہے۔“

”تو پھر....“

”آؤ....“ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ دروازہ مقفل تھا۔

عمران لزی کی طرف دیکھ کر ہنستا ہوا بولا۔

”دیکھا.... میں نہ کہتا تھا....“

”تم کیا کہہ رہے ہو.... میں نہیں سمجھ سکی۔“

”بس قفل توڑ کر اندر.... جب تک جی چاہے گا قیام کریں گے۔“

”اب معلوم ہوا کہ دلیر ہی نہیں ڈاکو بھی ہو.... کہیں کسی مصیبت میں نہ پھنسا دینا۔“

”کیا تم نے دیکھا نہیں کہ مصیبتوں میں پڑ کر کتنی صفائی سے نکل آتا ہوں۔“

وہ خاموش رہی.... عمران اس کی طرف پشت کر کے قفل پر جھک پڑا اور لزی اس وقت آگے

بڑھی تھی جب دروازہ کھلا تھا۔

”کیا جیج تم کسی دوسرے کے مکان میں داخل ہو رہے ہو۔“ اس نے مضطربانہ انداز میں پوچھا

”یہاں سب کچھ اپنا ہے۔! میں نواب زادہ ہوں۔!“



صفدر سونے کی تیاری کر رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اس نے ریسیور اٹھالیا۔ دوسری طرف سے جو لیا کی آواز سنائی دی۔

”یہ خبر صحیح تھی کہ وہ لڑکی مر گئی۔!“

”لیکن مری کیسے.... موت کا سبب....“ صفدر نے پوچھا۔

”دل پھٹ گیا.... فوری طور پر لاش کا پوسٹ مارٹم ہوا تھا۔!“

”بہت زیادہ بلندی سے تو نہیں گری تھی۔!“

”یہ بتاؤ کہ عمران تمہیں کہاں لے گیا تھا....“

جواب میں صفدر نے پوری کہانی سنائی۔

”تم نے انہیں کہاں چھوڑا تھا....!“ دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

”موڈل ٹاؤن کی ایک سڑک پر....“

دوسری طرف سے فوراً ہی کچھ نہ کہا گیا۔ تھوڑی دیر بعد آواز آئی۔

”کیا تم اس سڑک کی نشان دہی کر سکو گے۔!“

”مجھے افسوس ہے۔!“

”کیا مطلب....؟“

”اس سلسلے میں مزید گفتگو نہیں کر سکتا....!“ صفدر نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

اس نے عمران کو ٹھوکر کھاتے تو دیکھا تھا لیکن پچھتاتے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ لہذا اسے کیا پڑی تھی

کہ خواہ مخواہ اپنی تشویش میں دوسروں کو بھی شریک کرتا۔ اسے یقیناً عمران کے بارے میں تشویش

تھی لیکن اتنی زیادہ بھی نہیں کہ وہ جو لیا کو اس جگہ کا صحیح پتہ بتا دیتا جہاں ان دونوں کو اتارا تھا۔

ہو سکتا تھا کہ وہ عمران کی اپنی کوئی نجی دلچسپی رہی ہو.... لیکن اس لڑکی کی موت.... کیا آم

کی وہ گھٹلی ہی اس کا سبب بنی تھی....؟

وہ بستر پر لیٹا سوچتا رہا.... نیند کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ خیالات کا ایک لاتناہی سلسلہ ذہن

کو پراگندہ کرتا رہا۔

دفعتاً پھر فون کی گھنٹی بجی اور اس نے لیٹے ہی لیٹے ہاتھ بڑھا کر ریسپور اٹھالیا۔

”ہیلو....!“

”ایکس ٹو....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”لیس سر....!“

”معلوم کرو کہ یو کا داب بھی ایڈ لفی ہی میں مقیم ہے یا کمرہ چھوڑ دیا۔!“

”بہت بہتر جناب....!“ صفدر نے طویل سانس لی۔

”میں ایک گھنٹے کے بعد دوبارہ رنگ کروں گا۔!“

”بہت بہتر جناب....!“

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر اس نے بھی ریسپور رکھ دیا۔ ”تو“

عمران کی نجی دلچسپی نہیں تھی۔ ”وہ بڑبڑایا اور تیزی سے لباس تبدیل کرنے لگا۔

میں منٹ کے اندر ہی اندر وہ ایڈ لفی پہنچ گیا تھا۔ اس نے نہ صرف کاؤنٹر پر کمرہ نمبر بیاسی۔

متعلق معلومات حاصل کیں بلکہ کمرے کی طرف بھی گیا۔ کمرہ مقفل ملا۔

پھر وہ ایک گھنٹہ پورا ہونے سے قبل ہی گھر واپس آگیا.... ایکس ٹو کو رپورٹ دینی تھی۔

فون کی گھنٹی وقت کے تعین کے مطابق ہی بجی.... اس نے ریسپور اٹھالیا۔

”کیا رہا....؟“ دوسری طرف سے ایکس ٹو کی آواز آئی۔

”کمرہ الزبتھ فاؤلر کے نام پر ہے.... اُس کے ساتھ کوئی مرد نہیں رہتا.... البتہ اکثر لوگ

اُس سے ملنے کے لئے آتے رہے ہیں۔ یو کا وانا م کے کسی آدمی سے وہاں کا کوئی ملازم واقف نہیں

ہے۔ اس کے ملنے جلنے والوں میں کسی جاپانی کا سراغ نہیں ملتا۔!“

”اچھی بات ہے۔ اب آرام کرو۔ عمران کے بارے میں کسی کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔!“

”کیا آپ کو سارے حالات کا علم ہو چکا ہے جناب....!“

”ہاں میں جانتا ہوں....!“

”وہ.... اس لڑکی.... کی موت....!“

”غیر ضروری باتیں نہیں....!“ سخت لہجے میں جواب ملا اور ساتھ ہی سلسلہ بھی منقطع کر دیا۔

”مجھے کیا....؟“ صفدر بڑا سمانہ بنا کر بڑبڑایا اور ریسپور رکھ دیا۔ لیکن فوراً ہی گھنٹی بجی۔

”ہیلو....!“ کہتے ہی جولیا کی آواز پھر سنائی دی۔

”اس فلیٹ کی تلاشی لی جا رہی ہے جس میں لڑکی رہتی تھی۔!“

”تو پھر میں کیا کروں....؟“ صفدر جھلا کر بولا۔

”عمران دشواری میں پڑ جائے گا۔!“

”صرف اسی صورت میں جب تم میں سے کوئی پولیس کی توجہ اس کی طرف مبذول کرانے کی

وشش کرے۔!“

”تنویر کے علاوہ اور کوئی ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔!“

”اس سے کہہ دو تمہیں ایکس ٹو کی طرف سے ہدایت ملی ہے کہ تنویر کو آگاہ کر دیا جائے۔!“

”لیکن مجھے تو ایسی کوئی ہدایت نہیں ملی۔!“

”تو پھر براہ راست تنویر ہی کو مل چکی ہوگی.... بہر حال میں نے تمہیں بتا دیا کہ وہ عمران کا

اقی معاملہ نہیں ہے۔!“

”اگر کسی اور نے اُسے وہاں آم کی گھنٹی گراتے دیکھا تو....!“

”میرا خیال ہے کہ تم آرام کرو....!“ صفدر نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔



وہ مسلسل کان چاٹے جا رہی تھی.... آخر کار عمران نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”اب بس کرو....

بڑی سٹائیکس عدد معلوم ہو رہی ہو....!“

”تم پتہ نہیں کیسے آدمی ہو....!“ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ تم غیر قانونی طور پر اس مکان میں

اغل ہوئے ہو۔ اگر مالک مکان واپس آگیا تو کیا ہوگا۔!“

”دیکھا جائے گا.... یہاں نواب زادہ کو کوئی کچھ نہیں کہتا.... چاہے جو کچھ کرتے پھریں۔!“

”اوہ.... مجھے پھر روزی یاد آگئی!“ لڑی نے چونک کر کہا۔ ”کیا تم کبھی اسکے گھر بھی گئے تھے۔!“

”گھر ہی تو نہیں معلوم تھا مجھے.... اور نہ وہ اس طرح چپ چاپ نہ مر جاتی۔!“

”تم تو کہتے ہو کہ اس کا تعاقب کرتے رہے تھے۔!“

”بہت چالاک تھی.... اُسے شاید معلوم تھا کہ میں اس کا تعاقب کرتا ہوں لہذا کہیں نہ

میں ڈانٹا دے کر غائب ہو جاتی تھی.... اچھا تم بھی بتا دو کہ وہ کیسے مری۔!“

”غلط سمجھا تھا.... اس نے تو کبھی مجھ سے بات بھی نہیں کی!“  
 ”اے بھی جھوٹو جہنم میں.... مجھے بھوک لگ رہی ہے!“  
 ”کئی میل پیدل چلنا پڑے گا!“ عمران بولا۔

”پرواہ نہیں....!“

ایک بار پھر وہ سڑک پر نکل آئے۔ دن بھر کی تپش کے بعد رات کسی قدر خوش گوار ہو گئی تھی۔  
 ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور مطلع صاف تھا۔

وہ چلتے رہے.... عمران خاموش تھا.... اور لڑی بھی خلاف توقع زبان روکے ہوئی تھی۔  
 ایک جگہ انہیں بالا خرا یک خالی ٹیکسی مل ہی گئی۔

”یہ رات ساحل پر کیوں نہ گزاری جائے!“ لڑی نے کہا۔

”مجھے کوئی اعتراض نہیں....!“ عمران سپاٹ لہجے میں بولا۔

اور پھر وہ ساحلی تفریح گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

”ایڈلفی میں تمہارا سامان ہو گا....!“ عمران نے کچھ دیر بعد کہا۔

”میں نئے سرے سے زندگی شروع کرنا چاہتی ہوں.... پیچھے مڑ کر نہیں دیکھنا چاہتی۔!“

”اگر سب اسی طرح نئے سرے سے زندگی شروع کرنے لگے تو ہوٹل والے کنگال ہو جائیں!“

”کیا مطلب....؟“

”پیچھے مڑ کر نہیں دیکھیں گے تو ان کے واجبات کون ادا کرے گا!“

”تم اس کی فکر نہ کرو....!“

”ایسی ہی عورت کی تلاش تھی مجھے جو ہر طرف سے بے فکر کر دے۔!“

”مگر تم....!“

”مگر میں....؟“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

”تم پیٹہ نہیں کیسے آدمی ہو....!“

”میں تو فرشتہ ہوں.... آدمی کہہ کر میری توہین نہ کرو....!“

”واقعی تم فرشتہ ہی ہو....!“ وہ جلتے لہجے میں بولی۔

”ساحل پر پہنچ کر وہ سی سائینڈ ہیون کی طرف روانہ ہو گئے....! یہاں شہر کے منچلے شب

”یڑھیوں سے اتر رہی تھی پیر پھسلانچے چلی آئی اور مرگئی! یو کاوانے مجھے یہی بتایا تھا!  
 ”جاپانی مجھے اچھے نہیں لگتے....!“ عمران برا سامنہ بنا کر بولا۔ ”پیٹہ نہیں تم یورپین لڑ  
 انہیں کیوں پسند کرتی ہو....!“

”پسند کا سوال ہی نہیں.... ملازمت جہاں بھی مل جائے۔!“

”اچھا میں تمہیں کسی یورپین ہی کی ملازمت دلوادوں گا۔!“

”میں تمہارے ساتھ رہوں گی سمجھے۔!“ وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

”بقیہ پچیس کسی وقت بھی واپس آ سکتی ہیں۔!“

”میں نہیں ڈرتی کسی سے مجھے اٹھائیسویں سمجھو....!“

”تمہیں نیند کب آئے گی۔!“

”کھانا کھائے بغیر نہیں سوتی.... مجھے بھوک لگ رہی ہے۔!“

”یہ تو بڑی سنائی.... اٹھائیسویں کی گنجائش نہیں بجٹ میں....!“

”میرے پرس میں خاصی بڑی رقم موجود ہے۔!“

”اگر یہ بات ہے تو ایک سو اٹھائیس بھی بڑی نہیں۔!“

”چلو کہیں چلیں....!“

”رات کے دس بج رہے ہیں....! یہاں ٹیکسی بھی آسانی سے نہیں ملتی۔!“

”پیدل ہی چلیں گے۔!“

”چلو....!“ عمران مردہ سی آواز میں بولا۔ ”تمہارا باس یو کاوا کہاں رہتا ہے....؟“

”اے جہنم میں جھوٹو....! اس کا تذکرہ اب مت کرنا....!“

”اچھا گیارہ نومبر ہی کا چکر سمجھا دو....!“

”وہ.... وہ شاید شادی کرنا چاہتا تھا.... روزی نے اس کے لئے گیارہ نومبر طے کی

لیکن وہ ایک ہفتہ قبل اپنے وعدے سے پھر گئی۔ یہاں چلی آئی یو کاوا بھی پیچھے پیچھے آیا لیکن

آج تک نہ معلوم ہو سکا کہ وہ اپنے وعدے سے کیوں منحرف ہو گئی تھی۔! تم نے شاید

کلب میں گیارہ نومبر کا حوالہ دیا تھا۔ بس وہ بھڑک اٹھا سمجھا کہ شاید تم ہی ان دونوں کے

آگے تھے۔!“

بیداری کیا کرتے۔

انہوں نے بھی ایک میز سنبھال لی.... اور عمران ویٹر کو بلا کر آرڈر لکھوانے لگا۔ اتنے میں نہ جانے کدھر سے یو کاوا نازل ہو گیا اور کھڑے ہی کھڑے لڑی سے غصیلے لہجے بولا۔ ”ایک بار پھر تمہیں سمجھانا چاہتا ہوں۔!“

”آج جون کی اٹھارہ تاریخ ہے۔!“ لڑی نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔ ”میں چاہوں کہ یہ تاریخ بھی تمہارے لئے یادگار دن بن جائے.... آج ہی تو وہ بھی مری ہے۔!“

”تشریف رکھئے جناب....!“ عمران اٹھتا ہوا بڑے ادب سے بولا۔

”میں زندگی بھر تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔ ورنہ اسے سمجھاؤ۔!“ یو کاوا نے اس کی بائیں جانب والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”میں سمجھاؤں....!“ عمران نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں.... ہاں.... تم....!“

”ارے انہوں نے تو خود مجھے سمجھا سمجھا کر ادھ مرا کر دیا۔ اب مجھ میں رکھا ہی کیا ہے تمہارا حکم بجالاؤں۔!“

”نہیں مذاق میں اڑانے کی کوشش نہ کرو۔!“

”مسٹر میں سنجیدہ ہوں.... اور ڈرتا ہوں کہ کہیں اب مجھ پر رنجیدگی کا بھی دورہ نہ پڑ جائے۔

”تم خاموش بیٹھو....!“ لڑی نے اس طرح کہا جیسے کوئی ماں اپنے بیوقوف بچے کو بہت زبردستی کرنے سے روکتی ہے۔!

اور عمران نے بھی اسی طرح سختی سے ہونٹ بھیجنے لے جیسے بڑا سعادت مند ہو۔

”تم اب تک اسی کے لئے توجیہ رہے ہو۔!“ لڑی نے یو کاوا سے کہا۔ ”اب وہ مر گئی تو میرے

لئے کیوں بے چین ہو۔!“

”اس کی بات اب نہ کرو....!“ یو کاوا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”کچھ بھی ہو.... میری واپسی ممکن نہیں....!“

”میں بہت خطرناک ہو جاؤں گا لڑی....!“ یو کاوا نے سخت لہجے میں کہا۔

”تم نے جس آدمی کو شکست دی تھی پہلے میں اس کی سیکریٹری تھی۔ اس کی شکست کے بعد:

تمہارے پاس آگئی تھی اب تم نے اس سے شکست کھائی ہے لہذا مجھے اس کے پاس ہونا چاہئے۔!“

”اگر یہی بات ہے تو میں مسٹر یو کاوا سے شکست کھانے کو تیار ہوں۔!“ عمران بول پڑا۔

”میں نے کہا تھا کہ تم خاموش رہو....!“ وہ اس طرف دیکھ کر غرائی۔

”میں نے اس سے شکست نہیں کھائی۔!“ یو کاوا آنکھیں نکال کر بولا۔ ”جب مجھے محسوس ہوا کہ اس کے سلسلے میں مجھے غلط فہمی ہوئی تھی تو میں نے معاملہ رفع کرنے کی کوشش کی۔ تم اسے شکست نہیں کہہ سکتیں۔!“

”مسٹر یو کاوا....! میری واپسی ناممکن ہے۔!“

اتنے میں ویٹر طلب کی ہوئی چیزیں لا کر میز پر لگانے لگا۔

”آپ کیا کھائیں گے مسٹر یو کاوا۔!“ عمران نے بڑے ادب سے پوچھا۔

”کچھ نہیں....! شکریہ....!“ وہ غرایا۔

”مجھ سے کیوں خفا ہو گئے.... میں بالکل بے قصور ہوں۔!“

”پتہ نہیں تم کون ہو.... اور کہاں سے آکو دے۔!“

”میرا نام علی عمران ہے اور کو دنا پھاندا میری ہو بی.... لیکن یہ رنگ ٹرائی زبردستی گلے پڑی ہے۔! مجھے خدا معاف کرے۔!“

”اچھا تو میں اسے زبردستی لے جاؤں گا۔!“

”یہ ناممکن ہے مسٹر یو کاوا....! لفظ زبردستی میرا موڈ خراب کر دیتا ہے۔ لہذا اب تو وہی ہو گا

جو یہ رنگ ٹرائی چاہے گی.... میں نے اسے نہیں جیتا بلکہ اس نے مجھے جیت لیا ہے۔!“

”کیا مطلب؟“

”اب یہ اگر مجھے چھوڑنا بھی چاہے تو ایسا نہیں کر سکتی۔!“

”تم کیا کرو گے....؟“ یو کاوا نے پھر تھنہ پھلائے۔

”چھوڑنے کی کوشش کر کے دیکھ لے.... پتہ چل جائے گا۔!“

”تم دھمکی دے رہے ہو....!“

”دھمکی دینا میرے نزدیک کمینہ پن ہے.... میں اظہار حقیقت کر رہا تھا۔!“

”تو اب تم اسے نہیں چھوڑو گے۔!“

”میں کہتی ہوں جہنم میں جھونکواس لڑکی کو.... اب تم میرے علاوہ اور کسی لڑکی کے بارے نہیں سوچو گے۔!“

”بہت اچھا....! عمران نے سعادت مندانہ لہجے میں کہا۔

دیر کو بل کی رقم ادا کر دینے کے بعد بھی وہ وہیں بیٹھے رہے۔!

”کیا سچ رات یہیں گزرے گی....!“ لڑی بولی۔

”مجھے کوئی اعتراض نہیں....!“

”سچ بتاؤ.... کیا وہ مکان تمہارا نہیں تھا....؟“

”ہرگز نہیں.... لیکن مجھے علم میں تھا کہ وہ عرصہ سے خالی ہے۔!“

”تو کیا تم نقب زن ہو۔ چور ہو....!“

”جو چاہو سمجھ لو.... نواب زادوں کی سی زندگی بسر کرنے کے لئے سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔!“

”پولیس تو رہتی ہو گی تمہارے پیچھے۔!“

”کبھی آگے رہتی ہے اور کبھی پیچھے۔!“

”کیا مطلب....؟“

”مطلب خود بھی نہیں معلوم....!“

”اب شاید تمہیں نیند آرہی ہے دماغ قابو میں نہیں۔“ وہ چڑھانے کے سے انداز میں ہنسی۔

”نیند.... نیند.... نیند.... چلو اٹھو.... میں کہیں تمہارے سونے کا انتظام کروں۔!“ عمران

نے جھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔!



صنوبر بے خبر سو رہا تھا.... گھنٹی کی آواز سے آنکھ کھل گئی۔ کوئی مسلسل کال بل کاٹن دبائے

اٹھا تھا۔ اس کے انداز سے کے مطابق وہ عمران ہی ہو سکتا تھا کیونکہ وہ رہ کر ٹن دبانے کا یہ

نصوص انداز اسی کا تھا۔

اس نے بڑی جلدی میں سلیپنگ گاؤن پہنا اور صدر دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

اس کا خیال درست تھا.... دروازہ کھلتے ہی عمران مسکسی صورت بنائے دکھائی دیا۔

”فرمائیے....!“ صنوبر دانت پر دانت جما کر بولا۔

”نہیں مسٹر یو کاوا....!“ عمران سر ہلا کر مغموم لہجے میں بولا۔ ”یہ میری زندگی پر پہلی لڑکی ہے۔!“

لیکن تم تو اپنی دوسری بیویوں کا تذکرہ کر رہے تھے۔!“ لڑی نے کہا۔

”محض امتحان تھا تمہارا.... میں دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ لگاؤ کتنا مضبوط ہے۔!“

”تم کسی اندھے کنوئیں میں گرنے والی ہو.... سمجھیں....!“ یو کاوا نے لڑی کو

ہوئے کہا۔

عمران اور لڑی نے کھانا شروع کر دیا تھا کوئی کچھ نہ بولا۔

تھوڑی دیر بعد عمران نے سر اٹھا کر کہا۔ ”مسٹر یو کاوا کیا تم کافی پینا پسند کرو گے۔!“

”نہیں....!“ وہ جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

”تو پھر چلتے پھرتے نظر آؤ....!“

”اچھی بات ہے....!“ یو کاوا نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”لیکن اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا

”نانا....!“ عمران نے کہا اور پھر کھانے میں مشغول ہو گیا۔

لڑی کے چہرے پر ناگواری کے آثار تھے۔ اس نے کہا۔ ”تم نے بہت اچھا کیا مجھے

آ رہا تھا کہ خواہ مخواہ گفتگو کو طول دے رہے ہو۔ ارے گریبان پکڑ کہ اٹھا دینا تھا۔!“

عمران کچھ نہ بولا۔ کھانے کے بعد کافی طلب کی گئی۔ عمران کے چہرے پر فکر مند

پائے جاتے تھے۔

”تم خاموش کیوں ہو.... کیا سوچ رہے ہو....!“ لڑی نے کچھ دیر بعد کہا۔

”میں.... میں سوچ رہا ہوں کیوں نہ تمہیں سچی بات بتا دوں۔!“

وہ اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔

عمران کی آنکھیں اب بھی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں اور وہ غلامی گھورے جارہا

کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔ ”وہ مجھے اچھی لگتی تھی۔ اس لئے جہاں کہیں بھی دکھا

تعاقب شروع کر دیتا۔ ایک دن میں نے محسوس کیا کہ اس میں دلچسپی لینے والے دو آ

ہیں وہ بھی اس کا تعاقب کرتے تھے۔ صورت سے اچھے آدمی نہیں معلوم ہوتے۔

سوچا کہیں یہ لڑکی کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں لہذا باقاعدہ طور پر میں لڑکی کی نگرانی کر۔

ہدایت پر میں نے اسے گرانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن یقین کرو.... اگر یہ معلوم ہوتا کہ گرتے ہی مر جائے گی تو۔!“

”میرا خیال ہے کہ چیف بھی اس کی موت کا خواہاں نہیں تھا۔!“ صفدر جلدی سے بولا۔

”کچھ پتہ نہیں.... اس کے آگے بلیک آؤٹ ہے۔!“

”اور اب یہ لڑکی آپ کے گلے پڑی ہے۔!“ صفدر مسکرایا۔

”کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔!“

”یہ لوگ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔!“

”فی الحال.... اتنا پلے پڑا ہے کہ وہ اس لڑکی کو کیوں گرانا چاہتے تھے۔!“

”آپ کا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی اس کو مار ڈالنے ہی کے لئے گرانا چاہتے تھے۔!“

”میرا یہی خیال ہے۔!“

”یو کاوا کون ہے....؟“

”انجینئر.... ایک فیکٹری میں مشین لگوارہا ہے.... اسی کمپنی کی طرف سے آیا ہے جس سے مشین خریدی گئی ہیں۔!“

”تو پھر اب آپ کیا کریں گے۔!“

”میاں میں خود کچھ نہیں کرتا.... رپورٹ دے دی ہے۔ تمہارے چیف کو لال.... لیکن یہ لڑکی کس کی خدمت میں پیش کی جائے۔!“

”آپ اُسے کہاں سلا آئے ہیں۔!“

”یونٹ نمبر چھ میں....!“

”میری رائے ہے کہ اب آپ ادھر پلٹ کر ہی نہ جائیے۔!“

”گو سنے دے گی۔!“

”کیا فرق پڑتا ہے۔!“

عمران کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ٹھنڈی سانس لی اور اٹھ کر کھڑکی کے قریب گیا باہر اندر سے میں کچھ دیکھتا رہا پھر پلٹ آیا۔

”میں دراصل اس وقت ان کو تمہارا گھر دکھانا چاہتا تھا۔!“ اس نے صفدر کی آنکھوں میں

عمران نے ٹھنڈی سانس لی اور دردناک آواز میں گنگنایا۔ ”شکریہ! اے یار تیرا شکریہ!“  
”تو اندر تشریف لائیے نا....!“ صفدر پیچھے ہٹتا ہوا بولا۔

اندر آکر عمران بیٹھ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ صفدر سے کچھ سننا چاہتا ہو۔!

ادھر صفدر کی جھنجھلاہٹ اس کی خاموشی سے اور بڑھ رہی تھی۔

”ڈھائی بجے ہیں....!“ صفدر اسے گھورتا ہوا بولا۔

”اچھا....!“ عمران نے حیرت سے کہا اور پھر اپنی گھڑی دیکھ کر بولا۔ ”ٹھیک چل رہی ہے۔“

”اوہو.... تو کیا گھڑی ملانے آئے تھے۔!“

”نہیں.... شکوہ کرنے.... کیا ضرورت تھی بیچ میں کود پڑنے کی۔ مجھے مر جانے ہی دیا ہو۔“

”آخر ہوا کیا....؟“

”کلو رد فارم سنگھا کر نکل بھاگا ہوں۔ پانچ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دماغ چاٹے جا رہی تھی۔“

”آخر وہ ہے کون....؟“

”اے یہ تم مجھ سے پوچھ رہے ہو....!“ عمران آنکھیں نکال کر دہازا۔

”بس ختم کیجئے.... اور دے سر پھٹا جا رہا ہے۔!“

”یہاں بھیج دوں....!“ عمران نے رازدارانہ لہجے میں پوچھا۔

صفدر بھی سانسے والی کرسی پر بیٹھ گیا اسکی آنکھیں سرخ تھیں۔ اُن سے تکلیف کا اظہار ہو

”میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہے....!“ عمران نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

”اور وہ لڑکی جو مر گئی۔!“

”وہ بھی میرے لئے اجنبی تھی۔! دراصل مجھ سے پہلے دو آدمی اور بھی اُس کا تعاقب

تھے۔! تمہارے چیف نے ایک دن شانہ دان دونوں کی گفتگو سن پائی۔ ان میں سے ایک کہہ

کہ لڑکی کو کس طرح گرانا چاہئے۔ شانہ وہ لوگ پہلے سے بھی اسے گرانے کی تدبیر کر چکے

لیکن انہیں کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ آخر ان سبھوں کی نگرانی میرے مقدر میں آئی۔ اسی

میں اس جاپانی یو کاوا پر بھی نظر پڑی کیونکہ ان دونوں آدمیوں کو اسی سے ہدایات ملتی تھیں۔!

”میں اس لڑکی کی موت کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔!“

”ہوں....!“ عمران نے طویل سانس لی چند لمحے خاموش رہا۔ پھر بولا۔ ”تمہارے چچا

دیکھتے ہوئے کہا۔

”کن کی بات کر رہے ہو....!“

”جب سے لڑکی سر پڑی ہے.... برابر تعاقب ہو رہا ہے۔!“

دفعۃً کسی نے بہت زور زور سے دروازہ پٹینا شروع کر دیا۔

”یہ کون احق ہے۔!“ عمران دیدے نچا کر بولا۔ ”اندھا ہے کیا.... کال بل کا سوچ نہیں

دکھائی دیتا۔!“

صفدر اسے وہیں چھوڑ کر آگے بڑھا اور تیزی سے چلتا ہوا صدر دروازے تک پہنچا۔

دروازہ پٹینے کا سلسلہ اب بھی جاری تھا۔

”کون ہے....؟“ صفدر نے اونچی آواز میں پوچھا۔

”دروازہ کھولو....!“ باہر سے جھلائی ہوئی نسوانی آواز آئی۔

صفدر نے طویل سانس لی اور دروازہ کھولنے لگا۔ اس کا خیال تھا کہ عمران کے سر پڑنے والا

لڑکی ہی ہوگی۔ لیکن دروازہ کھلتے ہی نئی صورت دکھائی دی۔ اس نے شوخ رنگ کی لپ اسٹک رکھی تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے اور کسی قدر نشے میں بھی معلوم ہوتی تھی۔

”کہاں ہے وہ....؟“ اجنبی عورت چیختی۔ ”اسے باہر نکالو.... اور تم سب سو رہو۔“

”میں نہیں سمجھا آپ کیا کہہ رہی ہیں۔!“

”تم ہٹو سامنے سے.... میں خود ہی اسے کھینچتی ہوئی لے جاؤں گی۔!“

”میں نہیں جانتا آپ کون ہیں....!“ صفدر نے ناخوش گوار لہجے میں کہا۔ اسے کسی قدر غصہ

بھی آگیا تھا۔ غصے کی بات بھی تھی وہ اس طرح شور مچا رہی تھی کہ پڑوسیوں کی نیند بھی اچٹ جاتی

”میں پوچھ رہی ہوں.... عمران کہاں ہے۔!“ وہ پہلے سے بھی زیادہ زور سے چیختی۔

اور پھر صفدر کو عمران بھی دکھائی دیا۔ چپ چاپ سر جھکائے کھڑا تھا۔

عورت اس کی طرف جھپٹی اور اسے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر کہنے لگی۔ ”میری زندگی برباد کر۔“

اب چھپتے پھر رہے ہو....! میں تمہارا خون کر دوں گی۔!“

”ارے باپ رے....!“

”چلو میرے ساتھ....!“ اس نے اس کا گریبان پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔

”اے.... تم بھی ساتھ چلو۔!“ عمران صفدر کی طرف دیکھ کر گھٹکھٹایا۔ ”مجھے ڈر لگ رہا ہے۔!“

”پوری فوج لے چلو.... لیکن میں آج فیصلہ کر کے رہوں گی۔!“

دفعۃً صفدر ان کی راہ میں حائل ہوتا ہوا بولا۔ ”جب تک یہ معاملہ میری سمجھ میں نہ آجائے

آپ لوگ باہر قدم نہیں نکال سکتے۔!“

عورت نے عمران کا گریبان چھوڑ دیا اور صفدر کو خوں خوار نظروں سے گھورنے لگی۔

”دیکھو تم نہ ڈر جانا....!“ عمران خوف زدہ لہجے میں بولا۔

”اے مجھ سے شادی کرنی ہی پڑے گی۔!“ دفعۃً عورت حلق پھاڑ کر چیختی۔

اتنے میں عمران نے صفدر کو اشارہ کیا کہ وہ خود نکل بھاگنا چاہتا ہے۔!“

”آپ مجھے پوری بات تو بتائیے!“ صفدر نرم لہجے میں بولا۔ ”شائد میں آپ کی کوئی مدد کر سکوں۔!“

اچانک عمران نے دروازے کی طرف جھلانگ لگائی اور دوڑتا چلا گیا۔ اس کے بعد تو صفدر

نے عورت کا راستہ روک ہی لیا تھا۔ وہ چیختی رہی۔

”آپ صبر سے کام لیں محترمہ....!“ صفدر بولا۔ ”مجھے ساری بات بتائیے.... میں یقیناً

آپ کی مدد کروں گا۔ وعدہ کرتا ہوں۔!“

”مجھے جانے دو....!“

”جھگڑے کی وجہ معلوم کئے بغیر یہ ناممکن ہے۔!“ صفدر کے لہجے میں نرمی بدستور قائم رہی۔

”اچھی بات ہے....!“ دفعۃً عورت بھی ڈھیلی پڑ گئی۔

”میرے ساتھ تشریف لائیے۔!“

صفدر ادب و احترام کا مظاہرہ کرتا ہوا اس کو ڈرائیوگ روم میں لایا۔!

دونوں بیٹھ گئے.... اور عورت نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”مجھے کافی پلاؤ....!“

”فی الحال تو میں اس قسم کی کوئی خدمت نہ کر سکوں گا کیونکہ باہر کھانا پیتا ہوں۔ میرے پاس

کوئی ملازم بھی نہیں۔!“

”غیر شادی شدہ ہو....!“

”جی ہاں....!“

”شادی کیوں نہیں کر لیتے۔!“



”ابھی مالی حالت اتنی مستحکم نہیں ہوئی۔!“

”کسی مال دار عورت سے کر لو۔۔۔۔!“

”آج تک کوئی ملی ہی نہیں۔!“

”میں تمہیں اچھے حلقوں میں متعارف کرا سکتی ہوں۔!“

”دراصل مجھے دلچسپی ہی نہیں۔۔۔۔ لیکن یہ کس قسم کی باتیں چھڑ گئیں۔ میں تو آپ کی کہا

سننا چاہتا ہوں۔!“

”میری کہانی یہ ہے کہ تم بالکل گدھے ہو۔۔۔۔!“ وہ ہنس پڑی۔

اور صفدر بے ساختہ چونک پڑا کیونکہ یہ ہنسی تو جولیانافنٹر واٹر کی تھی۔

”تم۔۔۔۔!“

”ہاں میں۔۔۔۔ اب مجھے اپنی اس صلاحیت پر مغرور ہو جانا چاہئے۔ تم بھی نہ پہچان سکے۔!“

”کمال کا میک اپ ہے۔!“

”اب پلوادو کافی۔!“

”ہاں۔۔۔۔ ہاں۔۔۔۔ ضرور۔۔۔۔ لیکن یہ سب کیا تھا۔۔۔۔!“

”مجھے ایکس ٹو کی طرف سے ہدایت ملی تھی کہ تمہارے گھر پہنچ کر عمران کے سلسلے میں

قسم کا جھگڑا اٹھا دو۔!“

”کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔۔۔۔!“ صفدر اپنی گدی سہلاتا ہوا بولا۔

”تم مجھے صرف اس لڑکی کے بارے میں بتا دو جو زینے سے گر کر مر گئی۔!“

”میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں جانتا کہ وہ ہمارے چیف ہی کے حکم پر ہوا تھا۔ عمران کا

بیان ہے۔!“

”یعنی ایکس ٹو کی ہدایت پر وہ زینے سے گرائی گئی تھی۔!“

”ہاں۔!“

”جنم میں ڈالو۔۔۔۔ میں بہت تھک گئی ہوں۔! مجھے فوراً کافی چاہئے۔!“

”صفدر اٹھا اور کچن میں آکر کافی کے لئے پانی رکھنے لگا۔ دفعتاً اس نے محسوس کیا جیسے فون کی

جنگ رہی ہو۔ تیزی سے خواب گاہ میں پہنچا۔ ریسیور اٹھایا اور دوسری طرف سے ایکس ٹو کی آواز سنی

”ہیس سر۔۔۔۔!“

”ہیہا جو لیا چلی گئی۔۔۔۔؟“

”نہیں جناب۔۔۔۔ ابھی یہیں ہے۔!“

”اس سے کہو کہ جس طرح جیتی چلاتی وہاں پہنچی تھی اسی انداز میں فوراً رخصت ہو جائے۔!“

”بہت بہتر جناب۔۔۔۔!“

اور پھر سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر اس نے بھی ریسیور رکھ دیا۔ ڈرائیونگ روم میں جولیانافنٹر کی منتظر تھی۔

”مجھے افسوس ہے فنٹر واٹر تم کافی نہ پی سکو گی۔!“ صفدر نے اس سے کہا۔

”کیوں۔۔۔۔؟“

اس نے اسے ایکس ٹو کی کال کے بارے میں بتایا اور وہ برا سامنہ بنا کر بولی۔ ”یہ شخص غالباً ہر

وقت جاگتا رہتا ہے۔!“

”بے خوابی کا مریض معلوم ہوتا ہے۔!“ صفدر نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”وہ تو ہم سب ہو جائیں گے کسی دن۔!“ جولیانافنٹر نے برا سامنہ بنا کر کہا اور اٹھ گئی۔

اس کے بعد وہ پہلے ہی کے سے انداز میں شور مچاتی ہوئی وہاں سے رخصت ہو گئی تھی۔



یو کاوا کی گاڑی ایک طویل و عریض عمارت کی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی اور پورچ میں جا کر

گاڑی سے اتر کر وہ عمارت کے صدر دروازے سے گذرنا ہوا ایک کمرے میں پہنچا اور فون کا

ریسیور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں بولا۔ ”اٹ از یو کاوا سر۔۔۔۔!“

”ہیس۔۔۔۔!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی یہی بتاتی ہے کہ اس کا دل پھٹ گیا تھا۔!“

”کاش تم میں سے کوئی اسے گرتے دیکھ سکا ہوتا۔!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”میں گرتے وقت کی صحیح پوزیشن معلوم کرنا چاہتا ہوں۔!“

”پوزیشن جناب۔۔۔۔؟ میں نہیں سمجھا۔۔۔۔!“

”وہ کسی پہلو پر گری تھی یا پیٹ کے بل۔۔۔۔؟“

”اس کا پتہ لگانا دشوار ہے جناب....!“

”خیر اب دوسرے کیس پر بخوبی نظر رکھنا!“

”بہت بہتر ہے جناب....!“

”ہاں.... اس کے بارے میں کیا رپورٹ ہے!“

”جناب وہ مجھے صرف ایک اوباش آدمی معلوم ہوتا ہے! پچھلی رات وہ اپنے دوست کے گھر گیا تھا۔ وہاں ایک عورت بھی آپہنچی وہ دراصل اسی کی تلاش میں تھی اور غصے سے پاگل نظر آرہی تھی!“

”تو پھر ہمیں اس سے کیا!“ دوسری طرف سے سوال کیا گیا۔

”مطلب یہ کہ وہ اس سے شادی کرنے پر مصر تھی اور وہ نکل بھاگا تھا میں دراصل اس واقعے سے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اسے لڑکیوں کے چکر میں رہنے کی عادت ہے!“

”پھر اس نے گیارہ نومبر کا حوالہ کیوں دیا تھا....؟“

”لڑی نے رپورٹ دی ہے کہ وہ ہمارے دو آدمیوں کو روزی کے بارے میں گفتگو کرتے سن ہی کر اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔ ہو سکتا ہے ان کی زبان سے گیارہ نومبر کے متعلق بھی کچھ سن پایا ہو!“

”کچھ بھی ہو....! میں کسی قسم کا ہنگامہ نہیں چاہتا۔ مجھے سکون سے اپنا کام کرنا ہے!“

”آپ مطمئن رہیں جناب!“ یوکا دا بولا۔ ”سارے کام آپ کی مرضی کے مطابق ہوں گے!“

”بس محتاط رہو....!“ دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

ایک بار پھر اس کی گاڑی سڑک پر دوڑ رہی تھی کچھ دیر بعد ایک ٹیلی فون بوتھ کے قریب رکا۔ اس میں داخل ہو کر کسی کے نمبر ڈائل کئے اور ماؤتھ پیس میں بولا۔

”ہیلو.... کون ہے.... اچھا دیکھو.... میں سکس تھرٹین کے پاس ملوں گا! ٹھیک در

منٹ بعد۔ تمہیں وہاں موجود رہنا چاہئے۔“

کال ڈسکنٹ کر کے وہ پھر گاڑی میں آ بیٹھا اور شہر کے اس علاقے میں جہاں اسٹریٹ اور تھرٹینتھ اسٹریٹ کا سنگم تھا پہنچ کر ایک جگہ گاڑی پارک کر دی۔

بار بار گھڑی دیکھے جا رہا تھا۔ پھر ایک نیل رنگ کی اسپورٹ کار بھی اسی کے قریب آرکی اس

پے اسی کا ایک ہموطن اتر کر آگے بڑھا۔

”مجھے دیر تو نہیں ہوئی!“ اس نے یوکا دا سے پوچھا۔

”نہیں ٹھیک ہے....! اور غالباً ہم وہیں پہنچے ہیں جہاں پہنچنا چاہئے تھا!“

”عمارت تو یہی ہے!“ وہ سامنے والی عمارت کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ ”لیکن یقین کے

ساتھ فلیٹ کا تعین نہیں کیا جاسکتا!“

”پھر کیا صورت ہوگی....!“ یوکا دا نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

”ٹھیک پانچ منٹ بعد میں ایک مخصوص اشارہ کروں گا!“ دوسرے آدمی نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ ”اس کے بعد اگر اشارے کا جواب ملا تو اس کی موجودگی ظاہر ہو جائے گی ورنہ

پھر دوسرے احکامات کا منتظر رہنا پڑے گا!“

یوکا دا نے جیب سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”اتنی دیر میں ہم ایک سگریٹ ختم کر سکتے ہیں!“

دوسرے آدمی نے سگریٹ لے کر سلگایا اور گھڑی پر نظر جمائے رہا۔

”ٹھیک پانچ منٹ بعد اس نے انگڑائی لیتے ہوئے اپنے ہاتھوں سے کر اس بنایا اور سامنے والی عمارت کی ایک کھڑکی سے بڑے بالوں والے چھوٹے سے سفید کتے نے سڑک پر چھلانگ لگائی اور

اپنے منہ میں دبے ہوئے کاغذ کے ایک ٹکڑے کو ان کے قریب گراتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔

یوکا دا نے جھک کر وہ کارڈ اٹھالیا تھا دوسرا آدمی بھی اس کے قریب آگیا۔ کارڈ پر تحریر تھا۔

”گیارہ نومبر....!“

”میرا کام ختم ہو گیا.... اب تم جانو....!“ دوسرے آدمی نے کہا اور اپنی اسپورٹ کار میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہو گیا۔

یوکا دا کارڈ لئے کھڑا رہا۔ جب اسپورٹ کار اگلے موڑ پر نظروں سے اوجھل ہو گئی تو آہستہ آہستہ عمارت کی طرف بڑھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ایک فلیٹ کے بند دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ دروازہ کھلا سامنے ایک اونچے عمارت کا آدمی کھڑا نظر آیا۔

یوکا دا نے وہی کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا جو سڑک پر کتے کے منہ سے گرا تھا!

میں مددگار ثابت ہوتا۔

برآمدے میں پہنچ کر اس نے کال بل کاٹن دیا۔ دباتا ہی رہا لیکن اندر سے کوئی جواب نہ ملا۔ دو منٹ گذر گئے! پھر اس نے دروازے کا ہینڈل گھمایا اور دروازہ کھلتا چلا گیا۔ راہداری سنسان پڑی تھی۔ وہ آگے بڑھتا گیا۔ عمارت میں اس کے قدموں کی آواز کے علاوہ اور کسی قسم کی آواز نہیں تھی۔ سارے کمرے خالی نظر آئے....! کچن میں آیا اس کی حالت سے معلوم ہوتا تھا جسے اُسے عرصہ سے استعمال نہ کیا گیا ہو۔

ایک بار پھر وہ کمرے میں آیا اور جیسے ہی ایک ہاتھ روم کا دروازہ کھولا جہاں کھڑا تھا کھڑا رہ گیا۔ یو کاوا مین پر چپٹ پڑا تھا.... اور.... اور اس کی گردن کئی ہوئی تھی! عمران بہت احتیاط سے آگے بڑھا.... لاش کے سر کے قریب ایک کارڈ پڑا نظر آیا جس پر ”گیارہ نومبر“ تحریر تھا!

اُس نے جیب سے اسپائی کیمرہ نکالا اور لاش کی تصویریں کئی زاویوں سے کھینچیں۔ پھر سارے کمرے کے دروازوں کے ہینڈل صاف کرتا پھرا۔

تھوڑی دیر بعد اس کا اسکوٹر شہر کی طرف اڑا جا رہا تھا۔

صفدر اور وہ ساتھ ہی چلے تھے.... صفدر اپنی گاڑی میں تھا۔

اور عمران نے اسکوٹر سنبھالا تھا۔ پھر اس جگہ سے دونوں کی راہیں الگ ہو گئی تھیں۔ جہاں سے یو کاوا کا پہلا سا تھری رخصت ہوا تھا۔

صفدر نے اس کا تعاقب شروع کر دیا تھا اور عمران یو کاوا کا تعاقب کرتا ہوا موڈل کالونی کی اس عمارت تک جا پہنچا تھا اور پھر اس کا تعاقب کا اختتام یو کاوا کے قتل پر ہوا۔

شہر پہنچ کر سب سے پہلے اس نے ایک پبلک ٹیلی فون پر ہیڈ کو آرٹر سے رابطہ قائم کیا۔ جولیا نے کال ریسپونڈ کی تھی۔

عمران نے ایکس ٹو کی آواز میں کہا۔ ”موڈل کالونی کی تیسری سڑک پر کوٹھی نمبر سات میں ایک لاش پڑی ہوئی ہے۔ پولیس کو اطلاع دے دو.... اور پولیس کی تفتیش سے آگاہ رہو۔ میں کسی وقت رپورٹ طلب کر لوں گا!“

”بہت بہتر جناب....!“ دوسری طرف سے آواز آئی اور عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

”اندر آ جاؤ....!“ اجنبی نے کہا۔ یہ کسی مغربی ملک کا باشندہ معلوم ہوتا تھا۔

یو کاوا کمرے میں داخل ہوا۔ اجنبی نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”بیٹھ جاؤ!“ پھر وہ اُسے وہیں چھوڑ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ یو کاوا نے دوسرا اسکرینٹ سلگایا اور بکے کس لیتا رہا۔

تقریباً پانچ یا چھ منٹ بعد اجنبی پھر واپس آیا.... اس نے لباس تبدیل کر لیا تھا۔ غالباً کپڑے اور جانے کی تیاری تھی۔

”چلو....!“ اس نے یو کاوا سے کہا اور یو کاوا اچپ چاپ اٹھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد یو کاوا اپنی گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا اور اجنبی اس کے برابر بیٹھا ہوا اُسے راستوں کے متعلق ہدایات دے رہا تھا۔

شہر کی مختلف سڑکوں سے گزرتے ہوئے وہ موڈل کالونی میں داخل ہوئے۔



عمران اس وقت میک اپ میں تھا۔ صبح ہی سے یو کاوا کے تعاقب میں رہا تھا۔ اب اس نے اس کو اس سفید فام آدمی کے ساتھ موڈل کالونی کی ایک عمارت میں داخل ہوتے دیکھا۔

اس نے اپنا اسکوٹر عمارت کے سامنے سڑک کی دوسری جانب روک دیا۔

یو کاوا نے بھی اپنی گاڑی سڑک ہی پر چھوڑ دی تھی۔

تقریباً ایک گھنٹے تک وہ ان کی واپسی کا منتظر رہا۔ لیکن وہ عمارت سے برآمد نہ ہوئے۔

یو کاوا کی گاڑی اب بھی سڑک ہی پر موجود تھی۔

عمران اس عرصے میں اپنے اسکوٹر سے اس طرح الجھتا رہا تھا جیسے اس میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہو۔ پورے ڈیڑھ گھنٹے بعد یو کاوا کا سفید فام سا تھری عمارت سے برآمد ہوا اور یو کاوا کی گاڑی کی

بیٹھ کر رو فوچر ہو گیا۔ عمران نے اس کے اس انداز میں کوئی خاص بات محسوس کی تھی۔

وہ اسی حیض بیض میں رہا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے اور گاڑی اگلے موڑ پر نظروں سے اوجھل ہو گئی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ اُسے اُس کے پیچھے نہ جانا چاہئے اُس نے سیٹ کے نیچے سے

بیگ نکالا اور عمارت کی طرف بڑھنے لگا۔

بیگ میں ایک انشورنس کمپنی کا لٹر پچر تھا جو عمارت کے کینوں سے تعارف حاصل کر

یو کا دا کی رہائش گاہ کا علم اُسے نہیں تھا۔ آج بس یونہی ایک جگہ مڈ بھیڑ ہوئی تھی اور اس نے اس کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔ ویسے نکلا تھا اُسی کی تلاش میں۔

پھر جب وہ ٹپ ٹاپ میں ناشتہ کرنے لگا تھا تو عمران نے فون کر کے صفدر کو بھی واپس طلب کر لیا تھا۔ ایسا نہ تو اس وقت شاید وہ افسوس کر رہا ہو تا کیونکہ یو کا دا کے بعد پھر ان میں کوئی آدمی نظر میں نہ رہتا۔ صفدر کی موجودگی کی بناء پر کم از کم وہ اس کے ساتھی کا تعاقب تو کرا ہی سکا تھا۔

آج تین عمارتیں بھی علم میں آئی تھیں! پہلی وہ عمارت جہاں یو کا دا تنہا گیا تھا دوسری وہ جہاں سے ایک سفید فام غیر ملکی اس کے ساتھ ہوا تھا اور تیسری وہ جہاں اس کی لاش پائی گئی تھی۔ واپسی پر عمران نے سب سے پہلے اس عمارت کا رخ کیا جس کی ایک کھڑکی سے کتا کودا تھا۔

لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ سفید فام غیر ملکی پھر وہیں واپس گیا ہو بہر حال اسے تو دیکھنا ہی تھا۔ فلیٹ کے دروازے پر دستک دیتے وقت بھی اسے پوری طرح یقین نہیں تھا کہ وہاں کوئی موجود ہو گا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اندر سے قدموں کی چاپ سنائی دی۔

کسی نے دروازہ کھولا اور عمران بھونچکا رہ گیا۔ یہ لڑی تھی۔ لیکن اُس نے تو اسے کہیں اور چھوڑا تھا۔ چلتے وقت لڑی نے اس سے کہا تھا کہ وہ وہیں اُس کا انتظار کرے گی اور تنہا باہر نہیں جائے گی۔ ”تم کون ہو.... اور کیا چاہتے ہو!“ اُس نے عمران سے درشت لہجے میں پوچھا۔

”میں پراپرٹی ٹیکویشن آفس سے آیا ہوں!“ عمران بولا۔

”تو پھر مالک مکان کے پاس جاؤ.... ہم تو کرایہ دار ہیں!“

”آپ اس فلیٹ کا کتنا کرایہ ادا کرتی ہیں!“

”مجھے علم نہیں...!“ وہ گڑبڑا کر بولی۔ ”میں دراصل صاحب خانہ کی مہمان ہوں اور صاحب

خانہ اس وقت موجود نہیں!“

”صاحب خانہ کا نام تو جانتی ہی ہوں گی!“

”ان کا نام ہمفرے نکولائی ہے!“

”کیا کرتے ہیں....؟“

”کسی فرم کے منیجر ہیں شاید....!“

”کیا آپ اندازاً ابھی اس فلیٹ کا کرایہ نہ بتا سکیں گے!“

”جی نہیں....! مجھے افسوس ہے!“

”بات دراصل یہ ہے کہ غیر ملکیوں سے یہ لوگ زیادہ کرایہ وصول کرنے لگے ہیں اور یہ

ہماری حکومت کو پسند نہیں!“

”آپ کے آفس میں آپ کو مطلع کر دیا جائے گا!“

”براہ کرم پیہ نوٹ فرمائیے!“

عمران ٹیکویشن آفس کا پیہ اُسے لکھوا کر پھر سڑک پر واپس چلا آیا۔

اُسے اُس غیر ملکی کا انتظار تھا جو موڈل کالونی والی عمارت سے یو کا دا کی گاڑی میں فراز ہوا تھا۔

مکن ہے اسی کا نام ہمفرے نکولائی رہا ہو۔ لیکن یہ لڑکی لڑی؟ یہ تو یو کا دا کے ساتھ تھی! اور اب

یو کا دا کے قاتل کے فلیٹ میں نظر آرہی ہے!

اسے بہر حال وہیں رک کر لڑی کے متعلق بھی معلومات فراہم کرنی تھیں۔ آدھے گھنٹے تک وہ

اسی سڑک پر وقت گزاری کرتا رہا۔ آخر کار وہ سفید فام بھی دکھائی دیا لیکن گاڑی یو کا دا والی نہیں تھی!

گاڑی چھوڑ کر وہ فلیٹ میں چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد ایک وزنی سائیک اٹھائے ہوئے پھر

واپس آیا.... لڑی اس کے ساتھ تھی.... دونوں گاڑی میں بیٹھ گئے۔

کار چل پڑی اور عمران کو میک اپ پر بھی ریڈی میک اپ چڑھانا پڑا۔ وہی پھولی ہوئی ناک

اور گھنی مونچھوں والا میک اپ جو ہر وقت بیگ میں پڑا رہتا تھا۔ اگر فلیٹ میں لڑی سے ملاقات نہ

ہوئی ہوتی تو پھر اس کی ضرورت نہیں پیش آتی۔

تعاقب جاری رہا۔ کچھ دیر بعد اگلی گاڑی کینے ارغنون کے سامنے رکی! غالباً وہ وہاں لہج کرنا

چاہتے تھے۔ ان کے ہال میں داخل ہو جانے کے بعد عمران نے بھی اسکوٹر سڑک کے کنارے

نٹ پاتھ سے لگا کر کھڑا کر دیا تھا۔

ہال میں پہنچا تو اتفاقاً ان دونوں کے قریب ہی دو تین میزیں خالی نظر آئیں اور اس نے ان

میز سے ایک اپنے لئے منتخب کر لی۔ یہاں سے وہ ان کی گفتگو بخوبی سن سکتا تھا:

لڑی کہہ رہی تھی۔ ”میرا مشورہ ہے کہ تم بھی میرے ساتھ چلو....!“

”نہیں....! اس طرح کھیل بگڑ جائے گا! تمہیں مجھ سے ملنا ہی نہیں چاہئے تھا۔ خیر اب

یہاں سے سیدھی وہیں جانا جہاں مقیم ہو!“

”پھر تم کہاں ملو گے۔!“

”مجھے تم تھری ناٹ فائیو سکس ٹورنگ کر سکتی ہو! کیا تمہاری موجودہ قیام گاہ میں فون بھی ہے۔!“  
”ہے.....! لیکن مجھے نمبر یاد نہیں! تم اپنے نمبر نوٹ کر کے مجھے دے دو میں تم سے رابطہ قائم کر لوں گی۔!“

اس نے اپنی نوٹ بک سے ایک ورق پھاڑ کر نمبر لکھے اور لڑی کو دیتا ہوا بولا۔ ”اب مجھے دیکھو کہ وہ لوگ تم سے رابطہ قائم کرتے ہیں یا بات صرف یو کاوا کی حد تک رہ جاتی ہے۔!“  
”میں زیادہ تر اس آدمی کے بارے میں سوچتی رہتی ہوں جس پر یو کاوا نے مجھے مسلط کیا تھا۔“  
”وہ کیسا آدمی ہے۔!“  
”کچھ پتہ ہی نہیں چلتا.....! کبھی بچوں کی سی باتیں کرنے لگتا ہے اور کبھی ایسا معلوم ہوتا جیسے بہت زیادہ چالاک ہو۔!“

”مجھے اس کے بارے میں تفصیل سے بتاؤ۔!“

لڑی عمران کی کہانی شروع کر دیتی ہے۔

”یو کاوا نے اُسے روزی کا تعاقب کرتے دیکھا تھا اور پھر وہ ایک دن ”گیارہ نومبر“ کا دوا بھی دے بیٹھا۔! اس سے اسے تشویش ہوئی اور اس نے اس کی اصلیت جانی چاہی! مجھے اس پیچھے لگایا۔ خود اس کے ساتھ جلدی۔ بہر حال مقصد یہی تھا کہ میں اس کے بارے میں ہر طرح چھان بین کر کے یو کاوا کو رپورٹ دوں! لیکن اب میں کسے رپورٹ دوں گی۔ کیونکہ تمہارے بیان کے مطابق تو یو کاوا دوسری دنیا میں پہنچ چکا ہے۔!“

”اگر کسی نے تم سے رپورٹ طلب کی تو میرے لئے بڑی آسانی ہو جائے گی۔ لیکن! کے بعد ان کا اور کوئی آدمی فی الحال میری نظر میں نہیں ہے۔!“

”لیکن یہ ہوا کیسے.....؟“

”پھر بتاؤں گا..... تم جلدی سے لچ کرو..... اور یہاں سے نیکی لے لیتا۔ میں اب تمہارا ساتھ باہر دیکھا جانا پسند نہ کروں گا۔ بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔!“

لڑی کچھ نہ بولی۔ انہوں نے خاموشی سے کھانا کھایا..... کافی پی اور پھر لڑی اُسے وہیں کر باہر چلی گئی۔

عمران ہمفرے عکولائی کے اٹھنے کا منتظر رہا۔ اس دوران میں وہ بھی کافی پیتا رہا تھا۔ لڑی کے رخصت ہو جانے کے بعد اس نے ویٹر سے بل طلب کرنے میں جلدی کی تھی! پتہ نہیں کب ہمفرے بھی اٹھ جائے اور وہ اس کا سراغ کھو بیٹھے۔!

ہمفرے اطمینان سے بیٹھا پائپ کے کش لیتا رہا۔ قطعی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی قسم کی الجھن یا بے چینی کا شکار ہے۔ اس کا چہرہ بالکل پرسکون تھا۔ وہ معمر ضرور تھا لیکن آنکھوں سے ظاہر ہونے والی توانائی حیرت انگیز تھی اور قوی مضبوط معلوم ہوتے تھے۔  
تھوڑی دیر بعد اس نے پائپ کی راکھ ایش ٹرے میں جھاڑی اور اٹھ گیا۔

عمران اس وقت اٹھ گیا تھا جب وہ اپنا پائپ خالی کر رہا تھا۔ پھر جب تک وہ اپنی گاڑی تک پہنچتا عمران سڑک پار کر کے اپنے اسکوٹر تک پہنچ چکا تھا۔

ایک بار پھر تعاقب شروع ہو گیا۔ لیکن اس بار سفر زیادہ طویل نہیں تھا۔ ہمفرے عکولائی نے اسی عمارت کے سامنے گاڑی روک دی جہاں یو کاوا پہلے گیا تھا۔! وہ سوٹ کیس ہاتھ میں لٹکائے ہوئے گاڑی سے اتر اور عمارت میں داخل ہو گیا۔

عمران نے سر کو خفیف سی جنبش دی اور آگے بڑھتا چلا گیا۔! اس کی دانست میں یہی ہمفرے کی منزل تھی۔

اسے پہلے ہی سے یقین تھا کہ خود اس کا تعاقب نہیں کیا گیا لہذا وہ یہاں سے سیدھا ایک ایسے ہوٹل میں پہنچا جہاں ایک کمرہ پہلے سے کرائے پر لے رکھا تھا۔

یہاں اس نے میک اپ واش کر کے لباس تبدیل کیا اور گھر کی طرف چل پڑا۔ لڑی کو فی الحال نہیں چھیڑنا چاہتا تھا..... اس سے قبل صفدر سے رپورٹ لینی تھی۔!

فون پر اس کے نمبر ڈائل کئے۔ لیکن جواب نہ ملا..... شاید وہ ابھی تک گھر واپس نہیں آیا تھا۔  
اب اس نے ہیڈ کوارٹر کے نمبر ڈائل کئے۔ ساری کالیں جولییا ہی ریسو کرتی تھی۔ دوسری طرف سے اس کی آواز سن کر بحیثیت ایکس ٹو بولا۔

”صفدر کی کوئی کال آئی تھی۔!“

”نہیں جناب.....!“

”تھوڑے..... تھوڑے وقفے سے اُسے فون کرتی رہو..... جب ملے تو کہنا جو رپورٹ

عمران کو دینی تھی براہ راست مجھے دے۔“

”بہت بہتر جناب....!“

عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا اور ایکس ٹو والے فون سے انجی ٹیپ ریکارڈر کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر اُڑ سوئچ آن کر کے کمرے سے باہر آگیا۔ اب اسکی عدم موجودگی میں صفدر کی کال ریکارڈ ہو سکتی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ پھر سڑک پر نظر آیا.... لیکن اس بار اُس نے اسکو ٹرگیراج میں کھڑا کر کے گاڑی نکالی تھی۔

تھوڑی دیر بعد اس عمارت تک جا پہنچا جہاں لڑی کے قیام کا انتظام کیا تھا.... وہ موجود تھی شب خوابی کے لباس پر اس نے ریشمی سلپنگ گاؤن پہن رکھا تھا۔

”تم کہاں تھے!“ وہ اسے دیکھ کر اٹھلائی۔

”بس کیا بتاؤں.... کوئی ایسا فارمولا.... تلاش نہیں کر سکا۔“

”کیسا فارمولا....؟“

”یہی کہ تمہیں مذہب بھی تبدیل نہ کرنا پڑے اور شادی بھی ہو جائے۔“

”کیا مطلب....؟“

”شادی.... اور کیا مطلب....!“

”کس کی شادی....؟“

”تمہاری اور میری....“ عمران نے شرما کر کہا اور بالکل چغد نظر آنے لگا۔

”یہ وہم کیسے پیدا ہوا کہ میں تم سے شادی کر لوں گی۔!“

”تب تو پھر مشکل ہے۔!“

”کیا مشکل ہے....؟“

”ہم مسلمان لوگ تو شادی کے بعد ہی محبت کر سکتے ہیں۔!“

”یہ تو کوئی بات نہ ہوئی....!“

”مجبوری ہے.... تم فی الحال نامحرم ہو۔!“

”یہ کیا ہوتا ہے۔!“

”وہی ہوتا ہے کہ اس سے محبت نہیں کی جاسکتی! شادی کے بعد محرم ہو جاتا ہے۔!“

”تم واقعی بالکل اسحق معلوم ہوتے ہو.... میں نے تمہارے لڑیچر کے ترجمے پڑھے ہیں۔

اس میں کوئی ایسی بات نہیں۔!“

”ناؤل پڑھے ہوں گے۔!“

”ہاں....!“

”وہ سب غیر اسلامی ناؤل ہیں۔ اُن کے مصنفین جہنم میں جائیں گے کیونکہ پرانی بہو بیٹیوں کے پیچھے ہیر و لگا دیتے ہیں۔!“

”میں نے انارکلی کا ترجمہ پڑھا تھا.... بڑا خوبصورت ڈرامہ ہے۔!“

”کیا انجام ہوا تھا انارکلی کا یہ بھی یاد ہے....“ عمران نے بچکانہ خوف و دہشت کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

”تم مذہبی آدمی بھی نہیں معلوم ہوتے۔!“

”کچھ بھی ہو.... میں شادی کے بغیر محبت نہیں کر سکتا۔!“

”مت کرو....!“

”یعنی کہ.... یعنی کہ.... تو پھر....؟“ عمران نے احمقانہ انداز میں آنکھیں پھیل کر پوچھا۔

”تو پھر کچھ نہیں! تم نے یو کاوا کو شکست دے کر مجھے جیتا ہے۔!“

”ارے تو جیت کر کیا اچار ڈالوں....!“

”اچار کیا....؟“

”مر بے کا بھتیجا....! تمہیں اچار کیسے سمجھاؤں....! البتہ چکھا سکتا ہوں۔!“

”تم بہت زیادہ تھکے ہوئے لگتے ہو آرام کرو....!“

”نہیں میں آرام نہیں کر سکتا۔!“

”کیوں....؟“

”پہلے اس کا فیصلہ ہونا چاہئے۔!“

”کس کا....؟“

”میں تم سے شادی کروں یا نہ کروں۔!“

”شادی فضول چیز ہے۔!“

”اب تین چار گھنٹے تک آرام سے سوتی رہو۔“

ٹیلی فون ڈرائیونگ روم ہی میں تھا! واپس آکر اس نے جولیا سے بحیثیت ایکس ٹور ایبلہ قائم کیا۔

”صفر سے ابھی تک رابطہ قائم نہیں ہو سکا جناب.....!“ جولیا نے اطلاع دی۔

”موڈل کالونی والی عمارت کا کیا رہا۔!“

”وہاں پولیس نے کوئی لاش نہیں پائی۔ عمارت کرایہ پر دینے کے لئے خالی ہے۔!“

”کب سے.....!“ عمران نے پوچھا۔

”پچھلے ایک ماہ سے جناب.....!“

”مالک کون ہے.....؟“

”سٹرشل بینک کی تحویل میں ہے! مالک غیر ممالک میں رہتا ہے۔!“

عمران نے اس کے بارے میں بھی تفصیل مانگی، جو ٹیلی فون نمبر لڑی کو ہمفرے نکولائی سے ملا تھا۔

”میں نے نوٹ کر لیا ہے جناب.....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”معلوم کرو کہ یہ نمبر کس کے نام الاٹ ہوا ہے اور شہر کی کس عمارت میں ہے۔!“

”بہت بہتر جناب.....!“

”میں آدھے گھنٹے بعد رنگ کروں گا۔!“

”بہت بہتر جناب.....!“

عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا..... جیب سے چیونگم کا پیکٹ نکال کر ایک پیس منہ میں ڈالا اور

اُسے پر تفکر انداز میں آہستہ آہستہ کچلتا رہا۔

پھر کچھ دیر بعد صفر کے نمبر ڈائیل کئے! اس کا فون انگیج ملا..... ریسورر رکھ کر گھڑی پر نظر

ڈال رہا تھا۔ چار بج رہے تھے۔!

پندرہ منٹ بعد اس نے پھر صفر کے نمبر ڈائیل کئے۔ اس بار گھنٹی بجنے کی آواز آرہی تھی۔

پھر صفر کی آواز سنائی دی۔

”تم کہاں غائب ہو گئے تھے۔!“ عمران نے بحیثیت عمران پوچھا۔

”بس کچھ نہ پوچھے..... وہ تو جاپانیوں کا ایک ہوٹل ہے۔! پندرہ بیس عدد وہاں مقیم ہیں۔ یہ

شخص جس کا میں تعاقب کر رہا تھا..... پتہ نہیں کہاں کہاں لئے پھرا..... آخر کار اس عمارت تک

”پھر محبت کیسے کر سکوں گا۔!“

”کیا محبت ضروری ہے۔!“

”ناولوں میں یہی پڑھا ہے میں نے کہ جب دو آدمی ملتے ہیں تو محبت ہو جاتی ہے۔!“

”تمہارا کیا بگڑے گا۔ ہو جانے دو۔!“ وہ شرارت آمیز انداز میں مسکرائی۔!

عمران کچھ کہنے ہی والا تھا کہ وہ سنجیدگی اختیار کرتی ہوئی بولی۔ ”مجھے حیرت ہے۔!“

”کس بات پر.....!“

”سارا دن گذر گیا لیکن تمہاری ایک بھی فون کال نہیں آئی۔!“

”کس کی آتی.....؟ میرا بس وہی ایک دوست ہے جس سے تم بھی واقف ہو۔!“

”اور کسی سے دوستی نہیں۔!“

”نہیں..... مجھے کبھی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوئی۔ دوست وقت برباد کرتے ہیں اور

قرض لیتے رہتے ہیں۔!“

”تمہارے فون کا کیا نمبر ہے۔! انسٹرومنٹ پر موجود نہیں۔!“

”پچاس ہزار دو سو بارہ.....!“

”اچھی بات ہے! میں کچھ دیر سونا چاہتی ہوں۔ رات کسی ٹائٹ کلب میں گزار دیں گے۔!“

”نانا.....!“ عمران ہاتھ ہلا کر بولا۔

وہ سونے کے کمرے کی طرف چلی گئی اور عمران ڈرائیونگ روم ہی میں بیٹھا رہا۔ اس

آنکھیں بند تھیں اور وہ کسی گہری سوچ میں معلوم ہوتا تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ تک یہی حالت

پھر چونکا اور گھڑی پر نظر ڈالی۔

اب وہ دبے پاؤں لڑی کی خواب گاہ کی طرف جا رہا تھا۔ دروازے پر پہنچ کر اسے آہستہ

دھکا دیا لیکن وہ اندر سے بند تھا۔ قفل کے سوراخ سے اندر جھانکا وہ چپ لیٹی سو رہی تھی۔

ہینڈ بیگ عمران کے ہاتھ میں تھا اس نے اس میں سے ایک جھوٹا سا گیس سلنڈر نکالا

سے ربر کا ایک پتلا سا پائپ بھی منسلک تھا۔ اس نے پائپ کا سرا قفل کے سوراخ کے ذریعہ

دوسری طرف خواب گاہ میں پہنچا کر سلنڈر سے گیس خارج کرنی شروع کی۔ گھڑی بھی دیکھے

تھا۔ دو منٹ بعد گیس کے اخراج کا سلسلہ منقطع کر کے نکلی قفل کے سوراخ سے نکال

تک پہنچا جہاں ان لوگوں کا قیام ہے۔ لیکن وہ خود اُن سے الگ رہتا ہے۔ وہ ایڈلفی ہی میں مقیم ہے۔  
 کمرہ نمبر گیارہ گراؤنڈ فلور.... اُس نے ایڈلفی میں اپنا نام نا تو چنگ درج کر لیا ہے۔  
 ”اس پر گہری نظر رکھو....!“ عمران نے کہا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔  
 اب اس نے پھر گھڑی دیکھی اور ہیڈ کوارٹر کے نمبر ڈائل کئے۔!

دوسری طرف سے جولیا کی آواز آئی۔! سب سے پہلے اس نے صفدر کی رپورٹ پیش کی تھی  
 پھر اس ٹیلی فون نمبر کے بارے میں بتانا شروع کیا۔

”وہ نمبر کسی ڈاکٹر بلوند رے کا ہے۔ عمارت گیارہ پر نیشن روڈ....!“  
 ”گیارہ....!“ عمران غرایا۔

”جی.... گیارہ نمبر ہے عمارت کا....!“  
 ”اچھا....!“ عمران نے کہا کہ سلسلہ منقطع کر دیا۔

وہ وہی عمارت ثابت ہوئی جہاں یو کاوا پہلی بار گیا تھا اور جو اسکے قاتل ہمنفرے کی بھی منزل تھی۔  
 عمران تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھا رہا پھر اس نے اپنے فلیٹ کے نمبر ڈائل کئے دوسری طرف  
 سے سلیمان نے کال ریسیو کی تھی۔ عمران نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ”جوزف کو فون پر بھیجو۔!“  
 ”بھج دوں گا جناب.... لیکن آنا ختم ہو چکا ہے.... اور پیسے بھی ختم ہو گئے۔!“  
 ”ادھار لے کر کام چلاؤ.... میں دو تین دن کے لئے شہر کے باہر گیا ہوا ہوں۔!“  
 ”پیسے دے کر جایا کیجئے۔!“

”اچھا ہے....!“  
 ”میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں۔!“

”اچھا جوزف کو بھیج.... بکواس بند....!“

دوسری طرف سے پھر کچھ نہ کہا گیا.... کچھ دیر بعد جوزف کی آواز آئی۔!  
 ”لیس باس....!“

”نمبر چھ میں فوراً پہنچو....!“

”اچھا باس....!“

”نمبر چھ یاد ہے۔!“

”لیس باس....! اگن روڈ پر پہلی عمارت۔!“  
 ”ٹھیک....! فوراً روانہ ہو جاؤ۔“  
 ”اچھا باس....!“  
 عمران نے سلسلہ منقطع کر دیا۔



تقریباً آٹھ بجے لڑی جاگی۔ کمرے میں گہرا اندھیرا تھا۔ اس نے اٹھ کر روشنی کی اوڑجماہیاں  
 لیتی ہوئی سلپنگ گاؤن پہننے لگی۔

کمرے سے نکلی تو خلاف توقع دوسرے کمرے میں روشنی دیکھی۔

”ہوں.... تو بے چارہ احمق موجود ہے۔!“ وہ خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ بڑبڑائی۔  
 لیکن ڈرائینگ روم میں قدم رکھتے ہی بو کھلا گئی۔ کیونکہ وہاں بے چارے احمق کی بجائے ایک  
 نیم شیم نیکرو بیٹھا نظر آیا تھا۔ اُسے دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا۔ خاکی وردی میں تھا اور دونوں جانب  
 ہولسٹروں میں دو ریوالور لٹک رہے تھے۔

”تت.... تم کون ہو....!“ لڑی بھلائی۔

”میں جوزف ہوں۔!“ اس نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

”یہاں کیوں آئے ہو۔!“

”باس کا حکم۔!“

”باس.... کون باس....!“

”میں انہیں صرف باس کہتا ہوں۔ اپنی گندی زبان سے اُن کا نام نہیں لے سکتا۔!“

”وہ کہاں ہے۔!“

”پتہ نہیں....!“

”کیا میرے اور تمہارے علاوہ اور کوئی یہاں موجود نہیں۔!“

”نہیں۔!“

وہ فون کی طرف بڑھی اور ہمنفرے کے دیئے ہوئے نمبر ڈائل کرنے لگی۔ لیکن فون میں  
 زندگی کے آثار نہیں تھے۔



”اوہ لائن ڈیڈ ہے۔!“ وہ جوزف کو گھورتی ہوئی بولی۔

جوزف کچھ نہ بولا.... لڑی نے ریسپور رکھ دیا۔ چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔ ”اس نے تمہیں کیوں بلایا ہے۔!“

”میں نہیں جانتا۔!“

”اچھا میں کچھ دیر کے لئے باہر جا رہی ہوں وہ آئے تو کہہ دیتا۔!“

”یہ ناممکن ہے۔!“

”کیوں....؟“

”تم باہر نہیں جاسکتیں۔!“

”کیا مطلب....؟“

”میں اس سے زیادہ نہیں جانتا کہ تم باہر نہیں جاسکتیں۔!“

”اوہ....!“ اس نے کہا اور تھکے تھکے سے انداز میں بیٹھ گئی۔

جوزف بھی اس کے سامنے ہی بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد لڑی نے کہا۔ ”کھانے کے لئے تو باہر جانا ہی پڑے گا۔!“

”سب کچھ یہیں موجود ہے۔ باہر نہیں جانا پڑے گا۔“ جوزف بولا۔

”تمہارا باس کیا کرتا ہے۔!“

”میں نہیں جانتا۔!“

”اوہ.... تو اس نے وقتی طور پر تمہاری خدمات حاصل کی ہیں۔!“

”میں کئی سال سے اُن کی ملازمت میں ہوں۔!“

”اس کے باوجود بھی تمہیں نہیں معلوم کہ وہ کیا کرتا ہے۔!“

”نہیں۔!“

”تم جھوٹے ہو....!“

”اگر یہ بات کسی مرد نے کہی ہوتی تو میں اس کی گردن توڑ دیتا۔!“

”میں باہر جانا چاہوں تو تم مجھے روک نہ سکو گے۔!“ وہ دلاؤیز انداز میں مسکرائی۔

”کوشش کر کے دیکھو....!“

لڑی خاموش ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد اس نے نرم لہجے میں پوچھا۔ ”کھانے پینے کا سامان کہاں ہے۔!“

”یہاں میں.... سب کچھ موجود ہے! ریفریجریٹر چل رہا ہے۔!“ جوزف نے جواب دیا۔

وہ ڈرائنگ روم سے اٹھ کر کچن میں آئی۔ جوزف کے بیان کے مطابق وہاں سب کچھ موجود تھا۔

وہاں کا جائزہ لے چکنے کے بعد دروازے کی طرف مڑی تو جوزف کو کھڑا پایا۔

”اوہ....!“ وہ مسکرائی۔ ”کالے لوگ مجھے ہمیشہ سے اچھے لگتے ہیں۔!“

”لگتے ہوں گے۔!“ جوزف نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

”ذرا کافی کے لئے پانی رکھ دو....!“ وہ اٹھلائی۔

”یہ میرا کام نہیں ہے۔ باس نے جتنا کہا ہے اتنا ہی کروں گا۔!“

”کیا کہا ہے باس نے....؟“

”تمہاری نگرانی.... تمہیں باہر نہ جانے دوں۔!“

”اچھی بات ہے....! میں خود ہی کافی بنا لوں گی۔!“ وہ ہنس کر بولی۔ ”بالکل اپنے باس ہی کی

طرح معلوم ہوتے ہو۔!“

جوزف کچھ نہ بولا۔ لڑی نے کافی کا پانی ہیٹر پر رکھ دیا.... اور مڑ کر جوزف کو نیم وا آنکھوں

سے دیکھنے لگی۔ جوزف تو اس کے چہرے کی طرف دیکھ ہی نہیں رہا تھا۔ آخر اسے بول کر ہی اپنی

طرف متوجہ کرانا پڑا۔

”کیا تم کافی پیو گے....؟“

”مجھے ضرورت ہوگی تو خود بنا کر پی لوں گا۔!“ جوزف نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

”اگر میں پیش کروں گا....؟“

”میں انکار کر دوں گا۔!“

”انسانیت چھو کر نہیں گزری۔!“

اس ریمارک پر جوزف خاموش ہی رہا۔ اب لڑی ریفریجریٹر سے کھانے کے لئے کچھ چیزیں

نکل رہی تھیں۔

پندرہ میس منٹ میں اس نے کھانا بھی کھالیا اور کافی کی دو پیالیاں بھی ختم کیں! جوزف جہاں

تھا وہیں بت بنا کھڑا رہا۔ سچ مچ کسی بت ہی کی طرح ساکت و صامت تھا۔

وہ کچن سے نکلی اور مڑ کر دیکھے بغیر ڈرائنگ روم میں آ بیٹھی! جوزف پیچھے پیچھے آیا تھا۔  
”آخر یہ کس قسم کی نگرانی ہے۔!“ وہ جھنجھلا کر بولی۔

”تین دن تک اسی طرح مسلسل نگرانی کروں گا۔!“ جوزف نے جواب دیا۔  
”کیوں....؟“

”میرے قبیلے کا یہی رواج ہے۔!“

”میں نہیں سمجھی۔!“

”باس میری شادی تم سے کرنا چاہتے ہیں۔!“ جوزف نے غصیلے لہجے میں کہا۔  
”کیا؟“ لڑی بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔

جوزف اپنی رو میں بولتا رہا۔ ”بعض اوقات مجھے باس کی زیر دستیاں پسند نہیں آتیں۔ لیکن مجبوری ہے! میں انہیں باپ بھی تو کہتا ہوں۔ مجھ سے بولے جوزف تم تو کرپین ہو اس لئے تمہاری شادی میں کوئی دشواری پیش نہ آئے گی۔ لڑکی کو مذہب بھی تبدیل نہ کرنا پڑے گا.... میں نے کہا باس میں شادی نہیں کروں گا انہوں نے ادا اس ہو کر کہا پھر اس لڑکی کا کیا ہو گا۔ میں مسلمان ہوں اس لئے کسی کرپین لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا اور اسے بھی پسند نہیں کرتا کہ اس سے مذہب تبدیل کرنے کا کہوں! لہذا تم کرلو شادی۔ سواب میں تمہاری نگرانی کر رہا ہوں۔ میرے قبیلے کا یہی رواج ہے۔ مرد اپنی منگیت کی دن رات بہتر گھنٹے نگرانی کرتا ہے پھر شادی ہو جاتی ہے۔!“

”میں نہیں سمجھ سکتی کہ اس بکو اس کا کیا مطلب ہے۔!“ وہ الجھ کر بولی۔

”میں خود بھی نہیں سمجھ سکتا۔!“ جوزف نے براسمانہ بنایا۔ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

”کیا تم نے کبھی ان کے سامنے بھی کہہ دیا تھا کہ تمہیں کالے آدمی پسند ہیں۔!“

”جہنم میں گیا وہ بھی.... اور تم بھی.... مجھے جانے دو.... ورنہ ہنگامہ برپا کر دوں گی۔!“

”کالی آمد ہی آجائے تب بھی تمہیں نہیں جانے دوں گا.... باس کا حکم۔!“

”میں چیخا شروع کر دوں گی۔!“



عمران نے ایڈلفی کے روم نمبر گیارہ کے دروازے پر دستک دی۔ وہ ریڈی میڈ میک اپ میں تھا

دروازہ کھلتے ہی عمران کی زبان سے نکلا۔ ”گیارہ نمبر....!“

”براہ کرم اندر آجائیے۔!“ دروازہ کھولنے والے نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔ وہ عمران کی پھولی ہوئی ناک اور گھنی مونچھوں والے میک اپ کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

عمران کمرے میں داخل ہو کر بڑے اطمینان سے کرسی پر بیٹھ گیا۔

دروازہ کھولنے والا صورت سوال بنا کھڑا تھا۔

”آج تم نے یو کاوا کو کس کے سپرد کر دیا تھا....!“ دفعتاً عمران نے سوال کیا۔  
”میں نہیں جانتا۔!“

”بیٹھ جاؤ....!“ عمران نے دوسری کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

وہ اُسے پہلے ہی کی طرح گھورتا ہوا بیٹھ گیا۔ عمران اُسے ٹٹولنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”مسٹر تا تو پنگ! کیا تمہیں یقین ہے کہ تم جو کچھ کر رہے ہو اُس میں غلطی کا امکان نہیں۔!“

”کیسی غلطی....! کیا بات ہے صاف صاف کہو۔!“

عمران نے اپنے بریف کیس سے ایک لفافہ نکالا اور اُس کی طرف بڑھادیا۔

اس نے بڑی بے صبری سے لفافہ لے کر اسے چاک کیا تھا اور اب کئی تصویریں اس کے کانپتے ہوئے ہاتھوں میں تھیں۔

”یہ.... یہ.... کک.... کیا....!“ وہ عمران کی طرف دیکھ کر ہکلا یا۔

”کیا یہ یو کاوا نہیں ہے۔!“ عمران نے سوال کیا۔

”ہاں.... ہاں.... وہی ہے.... لیکن....!“

”تم دونوں سکس تھرٹین کے چوراہے پر کس کا انتظار کر رہے تھے۔!“

”تت.... تم کون ہو....؟“

”تمہارا بھی یہی حشر ہو سکتا ہے۔!“

اس نے یو کاوا کی لاش کی تصویریں میز پر ڈال دیں اور مضطربانہ انداز میں ہاتھ ملنے لگا۔

”تم یو کاوا کو وہیں چھوڑ کر کیوں چلے گئے تھے۔!“ عمران نے سوال کیا۔

”تم بتاؤ.... تم کون ہو....؟“

”میں یہاں اس کا جواب نہیں دے سکتا اٹھو اور میرے ساتھ چلو۔!“

”شٹ اپ....!“ لڑی چیخی۔

”شادی ہو جانے دو.... پھر دیکھوں گا.... یہ گز بھر کی زبان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جائے گی۔“

”تم بکواس بند نہیں کرو گے۔!“

”میرے قبیلے کی عورتیں.... شوہروں کو دیوتا سمجھتی ہیں۔!“

لڑی نے دونوں ہاتھوں سے کان بند کر لئے.... اتنے میں کسی نے باہر سے گھنٹی بجائی۔

لڑی کو وہیں بیٹھے رہنے کا اشارہ کر کے جوزف اٹھ گیا.... لڑی وہیں بیٹھی رہی غصے سے کانپ رہی تھی.... اور پھر جیسے ہی عمران کی شکل دکھائی دی.... بھوکی شیرنی کی طرح جھپٹ پڑی لیکن جوزف بڑی پھرتی سے انکے درمیان آتا ہوا بولا۔ ”باس یہ حال ہے اس کا۔ کیا میرے ہاتھ نباہ کر سکے گی۔!“

”سب ٹھیک ہو جائے گا....! تم فکر نہ کرو۔!“

”کیا ٹھیک ہو جائے گا۔!“ لڑی حلق پھاڑ کر چیخی۔

”یہی کہ شادی کے بعد تم دونوں کے صحیح حالات شروع ہو جائیں گے۔!“

”تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔“

”فخا ہونے کی بات نہیں! میں ہی کر لیتا لیکن مذہبی اختلاف کی وجہ سے مناسب نہیں سمجھتا جوزف کر سچیں ہے۔!“

”تم کون ہوتے ہو فیصلہ کرنے والے۔!“

”فرض ہے میرا جب کہ اس طرح سر آپڑی ہو۔!“

”میں یہاں سے جانا چاہتی ہوں۔!“

”شادی سے پہلے یہ ناممکن ہے۔!“

”جانے دو باس....!“ جوزف گڑ گڑایا۔ ”میں شادی کر کے کیا کروں گا! معاف کر دو۔!“

”گردن توڑ دوں گا اگر تو نے بکواس کی۔!“

”میں تو کہہ رہا تھا.... خواہ مخواہ کیا فائدہ۔!“

”بکواس بند کرو.... تمہیں اس یتیم لڑکی کا ہاتھ پکڑنا ہی ہو گا۔!“

”نہیں....!“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میں نہیں جاؤں گا۔!“

”کیا....؟“ عمران کا لہجہ قہر آلود تھا۔

دفعہ ٹپنگ نے اپنے ہپ پاکٹ سے ایک چھوٹا سا پستول نکال لیا۔

”بتاؤ تم کون ہو....؟“ اس نے ریوالور کا رخ عمران کی طرف کرتے ہوئے کہا۔!

”بہت اچھے۔!“ عمران مضحکہ اڑانے والے انداز میں ہنسا۔

”بتاؤ.... ورنہ فائر کر دوں گا۔!“

”تم سب یقیناً کسی غلط فہمی کا شکار ہوئے ہو۔!“ عمران لا پرواہی سے بولا۔ ”کیونٹووائی....“

ایم او کا ایک ایک آدمی اس طرح مار لیا جائے گا۔!“

”میں تم سے پوچھ رہا ہوں تم کون ہو....؟“

”اچھا آؤ.... میرے قریب آؤ....!“ عمران اپنا بریف کیس کھولتا ہوا بولا۔

اس نے اس میں سے ایک چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈر نکالا جس سے ایک ایئر فون بھی اٹیچ تھا۔ ایئر

فون اُسے دیتا ہوا بولا۔ ”لو سنو....! شاید تمہیں یقین نہ آ سکے۔!“

پنگ نے ایئر فون عمران سے لے کر کان میں لگا لیا۔ عمران ٹیپ ریکارڈر کا سوئچ آن کر کے

اسے بغور دیکھتا رہا۔

پہلے اس کے ہاتھ سے پستول گرا تھا۔ پھر آنکھیں پھیل گئی تھیں اور پھر وہ لڑکھڑاتا ہوا دیوار

سے جا لگا تھا۔ ایئر فون اس کے کان سے نکل کر زمین پر گر گیا۔

عمران اس کو اسی حال میں چھوڑ کر ٹیپ ریکارڈر کو احتیاط سے بریف کیس میں رکھنے لگا تھا۔

پھر وہ اس کی طرف بڑھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ ”چلو! ثانی اماں انتظار کر رہی ہوں گی۔!“

پستول جہاں گرا تھا وہیں پڑا ہوا وہ کمرے سے باہر آ گئے۔! پنگ کا ہاتھ اب بھی عمران کے

ہاتھ میں تھا اور وہ کسی سحر زدہ کی طرح اس کے ساتھ چلا جا رہا تھا۔



رات کے گیارہ بج گئے اور لڑی ڈرائیونگ روم ہی میں بیٹھی جوزف سے جھگڑتی رہی۔ ایسا معلوم

ہو تا تھا جیسے ان کے اپنے خاندانی جھگڑے بھی آج ہی طے ہو جائیں گے۔ جوزف کہہ رہا تھا۔ ”مجھے

موڈرن ازم کی ہوا بھی نہیں لگی۔ میں تو اپنی بیوی کو جانوروں کے باڑے میں باندھ سکتا ہوں۔!“

”اچھا باس....!“ جوزف مردہ سی آواز میں بولا۔

”اب میں پاگلوں کی طرح چیخنا شروع کر دوں گی۔!“

”باس مجھے پاگل عورتوں سے خوف معلوم ہوتا ہے اور یہ مجھے صحیح الدماغ نہیں لگتی۔ مجھ پر رحم کرو باس....!“

”تم خاموش رہو.... سب ٹھیک ہو جائے گا۔!“

”باس پھر سوچ لو....!“

”اگر تو میرا کہنا نہیں مانے گا تو بحر ظلمات کی خوں خوار کانی پھٹی تیری خوش بختی کو نگل لے گی۔“

”نہیں باس....!“

”اور بحر مردار سے اٹھنے والی متعفن آندھی۔!“

”بس.... بس.... خدا کے لئے باس رحم....!“ جوزف نے اپنے دونوں کان بند کر لئے اور

چیخ کر بولا۔ ”میں شادی کر لوں گا.... مجھے کو سننے نہ دو....!“

اتنے میں لڑی دروازے کی طرف بڑھی ہی تھی کہ عمران نے اُس کا بازو پکڑ لیا۔

”چھوڑ دو.... مجھے جانے دو.... میں لمحہ بھر کے لئے بھی نہیں ٹھہر سکتی۔!“

”تو میری ٹرائی ہو....!“ عمران بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔

”شٹ اپ....!“

”جانے دو....!“ جوزف گھکھکیا۔

”تو خاموش رہ ورنہ بٹیاں توڑ دوں گا۔!“

”میں پولیس کو اطلاع دے دوں گی۔!“

”کس بات کی....؟“

”جس بے جا کا الزام لگاؤں گی۔!“

”سوال یہ ہے کہ پولیس تک پہنچو گی کس طرح۔!“

”تم یہ نہ سمجھنا کہ میں بالکل بے سہارا ہوں۔!“ وہ آنکھیں نکال کر بولی۔

”تم اپنے حمایتیوں کو بھی اپنے حال سے آگاہ نہ کر سکو گی۔ کیونکہ فون کی لائن پہلے ہی کا

دی گئی ہے۔!“

”نہیں معلوم ہے کہ میں کہاں ہوں۔!“

”جب تک وہ پہنچیں گے تمہاری شادی جوزف سے ہو چکی ہوگی۔ ابھی ایک پادری یہیں

آئے گا.... اور....!“

اتنے میں گھٹی بجی.... اور عمران نے جملہ نامکمل چھوڑ کر جوزف سے کہا۔ ”دیکھو شامند

پادری صاحب آگئے۔!“

”اے آسمان والے مجھ پر رحم کر....!“ جوزف کراہتا ہوا کمرے سے چلا گیا۔

”ایک بیک تم بدل کیوں گئے۔!“ لڑی کے لہجے میں بے چارگی تھی۔

”میں صرف تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔!“

”مجھے مدد کی ضرورت نہیں ہے۔!“

”بعض اوقات آدمی اپنی ضروریات سے بھی لاعلم رہتا ہے۔!“

”آخر چاہتے کیا ہو....؟“

”میں چاہتا ہوں کہ جوزف کی زندگی میں بہار آجائے۔!“

”یہ ناممکن ہے! زبردستی کرو گے تو خود کشی کر لوں گی۔!“

”دیکھو مس ٹرائی بات نہ بڑھاؤ ورنہ میں تمہیں خود کشی کر لینے دوں گا۔!“

جوزف کمرے میں داخل ہو کر بولا۔ ”پتہ نہیں کس نے گھٹی بجائی تھی۔!“

”کوئی غلطی سے آگیا ہوگا۔ تم اپنی مخصوص دعائیں پڑھنا شروع کر دو۔!“

”کک کیوں باس....؟“

”برکت کے لئے.... پادری ضرور آئے گا میں نے اُسے تاکید کر دی تھی۔!“

”کیا چھکارے کی کوئی صورت نہیں ہے باس....!“

”ہے تو بشرطیکہ یہ عورت سچ بولنا شروع کر دے۔!“

”کیا مطلب....؟“ دونوں نے بیک وقت پوچھا۔

”بیٹھ جاؤ....!“ عمران نے لڑی سے کہا۔ اس کے لہجے کا کھلنڈرا پن غائب ہو چکا تھا.... لڑی

خاموشی سے بیٹھ گئی۔

عمران نے کوٹ کی اندرونی جیب سے یو کاوا کی لاش کی تصویر نکالی اور لڑی کی طرف بڑھا دی۔

”یہ..... یہ.....!“ لڑی ہکلائی تھی۔

”یو کا دا کی لاش کی تصویر ہے.....!“

”نت..... تو پھر..... تو پھر.....!“

”تم اس کے قاتل کو جانتی ہو!“

”یہ جھوٹ ہے.....!“ تصویر اس کے ہاتھ سے جھوٹ پڑی۔

”تھکیل ختم ہو چکا ہے مس ٹرائی..... ہمفرے نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ تمہیں اس کے ساتھ نہ

دیکھا جانا چاہئے!“

”کیا.....!“ لڑی بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔

”بیٹھ جاؤ..... میں ایک پیشہ ور بلیک میلر ہوں۔ تمہیں اسکی بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی!“

لڑی پر بدحواسی کا دورہ پڑ چکا تھا۔

”جوزف اسے بٹھا دو.....!“ عمران نے تھکسانہ لہجے میں کہا۔

جوزف اس کی طرف بڑھا ہی تھا کہ وہ خود ہی بیٹھ گئی۔

”سب سے پہلے میں یو کا دا کی کہانی سنوں گا!“ عمران بولا۔

”میں کچھ نہیں جانتی۔!“

”مس ٹرائی میں بہت بُرا آدمی ہوں۔!“

”یقین کرو..... میں کچھ نہیں جانتی۔!“

”یو کا دا پر تمہیں کس نے مسلط کیا تھا.....!“

لڑی کا چہرہ زرد تھا..... اور سارے جسم پر کچکی سی طاری تھی۔

”کچھ دیر بعد اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔“ اگر تمہیں کچھ معلوم ہو جائے تو تم کیا کرو گے۔“

”غیر ملکی مجرموں سے خراج وصول کرنا ہی میرا پیشہ ہے۔!“

”مجھے اس کے ساتھیوں کی تعداد معلوم کرنی تھی۔!“ پتہ لگانا تھا کہ وہ کہاں کہاں مقیم ہیں۔!“

”تو پھر.....!“

”مجھے آج تک نہ معلوم ہو سکا۔!“

”موند رے کیسا آدمی ہے۔!“

”پتہ نہیں..... میں نے اُسے آج تک نہیں دیکھا.....!“

”ہاں تم کچھ کہہ رہی ہو.....!“

”ہاں..... میں نے اُسے کبھی نہیں دیکھا۔ ہمفرے اس کا معتقد ہے۔ اسی کے ذریعے سارے

ام چلے ہیں۔! وہی مجھے اس کے نوٹس لا کر دیتا تھا اور میں انہیں ناپ کر کے فائل بناتی تھی۔!“

”اگر میں تمہیں چھوڑ دوں تو تم کہاں جاؤ گی۔!“

”م..... میں..... پتہ نہیں کہاں جاؤں گی..... مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ کیا یہ سچ یو کا دا کی لاش

لا تصویر ہے۔!“

”مجھ سے اڑنے کی کوشش نہ کرو مس ٹرائی.....!“ عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

”م..... میں جھوٹ نہیں کہہ رہی۔!“

”تم اتنی ڈر پوک نہیں ہو..... اس وقت تمہارے چہرے پر پریشانی کے آثار نہیں تھے جب تم

یو کا دا کے قتل کے متعلق ہمفرے سے گفتگو کر رہی تھیں۔!“

”تم کہاں تھے؟ تم کیا جانو.....!“

”غیر ضروری سوالات سے گریز کرو اور میری باتوں کا جواب دو۔!“

”میں نے تم پھر کسی نے اطلاعی گھنٹی بجائی اور عمران لڑی کو گھورتا ہوا اٹھ گیا۔ پھر دروازے کی

رف بڑھتا ہوا جوزف سے بولا۔“ اسے کڑی نگرانی میں رکھو..... میں تھوڑی دیر بعد واپس آؤں گا۔!“



برآمدے میں صفدر نظر آیا۔

”کیا اس سے پہلے بھی تم نے ہی گھنٹی بجائی تھی۔!“ عمران نے اس سے پوچھا۔

”ہاں..... لیکن مجھے شبہ ہوا تھا جیسے کوئی میرے تعاقب میں ہو۔ لہذا فوری طور پر یہی

ناسب سمجھا کہ اس شے کی تصدیق کر لوں۔!“

”تو پھر.....؟“

”وہم تھا.....!“

”آئندہ محتاط رہنا..... یہاں جوزف ہے تمہارے چلے جانے کے بعد ہی اس نے دروازہ کھولا

دگدگ نہ تم اس طرح نظر آ جاتے تو بیدار بلیغ فائر کر دیتا۔!“

”کیا تم نے ہی اُسے اُس فلیٹ میں بھیجا تھا۔!“  
 ”میں کیوں بھیجتا۔!“

”تو پھر اس کا یہ مطلب ہوا کہ بعض احکامات تم تک براہ راست بھی پہنچتے رہے ہیں۔!“  
 ”کیسے احکامات....؟“ نا تو پنگ چوک پڑا۔

عمران نے اس تبدیلی کو غور سے دیکھا اور لہجہ بدل کر بولا۔ ”خیر اسے چھوڑو.... میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمہارا تعلق انقلابی جماعت ”کیو شو پنگ من آرگنائزیشن“ سے ہے جو اپنے ملک میں ایک غیر ملکی غلبے کے خلاف انقلاب لانا چاہتی ہے۔!“

”تمہیں اس سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہئے۔!“ نا تو پنگ ایک دم بھڑک اٹھا۔ ”میں یہاں تمہاری حکومت کی رضامندی سے بحیثیت ٹیکسٹائل انجینئر خدمات انجام دے رہا ہوں اور مجھے یہاں بھجوانے کی ذمہ دار میرے ملک کی حکومت ہے۔!“

”تو تمہیں یو کاوا کی موت سے صدمہ نہیں پہنچا۔!“

”میں یقین ہی نہیں کر سکتا۔!“

”کیا تم نے لاش کی تصویر نہیں دیکھی تھی۔!“

”میں اُس پر یقین نہیں کر سکتا....!“

”یقین نہ کرنے کی وجہ....!“

پنگ نے اس سوال کا کوئی جواب نہ دیا.... اس کے ہونٹ سختی سے بھنجے ہوئے تھے اور آنکھیں کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔!

عمران تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”تمہاری جماعت کو جس خطرے کا سامنا ہے اس سے بھی میں واقف ہوں۔!“

”اب مزید گفتگو اُسی صورت میں ہو سکے گی جب تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ گے۔!“ پنگ نے کڑے تیروں کے ساتھ کہا۔

”میں وہی ہوں جس پر یو کاوا نے لڑی کو مسلط کیا تھا....!“ عمران بولا۔

”اوہ....!“

”اب تم بتاؤ کہ اس فلیٹ میں کون تھا....؟“

”اب وہ گفتگو کرنے کے قابل ہو گیا ہے۔!“ صدر بولا۔

”چلو.... پہلے اُسے ہی دیکھیں....!“ عمران نے کہا اور مڑ کر دروازہ باہر سے مقفل کر دونوں کمپاؤنڈ سے نکل کر سڑک پر آگئے۔

”آخر وہ اعصابی اختلال میں کیسے مبتلا ہو گیا تھا۔!“

”ایک ایسا گیت ٹیپ کر رکھا ہے میں نے جو آدمی کو عالم بالا کی سیر کرا دیتا ہے۔ کبھی بھی سناؤں گا۔!“

وہ پیدل ہی چل پڑے تھے شاید قریب ہی کہیں جانا تھا۔

اسی لائن کی ایک عمارت کی کمپاؤنڈ میں مڑتے ہوئے صدر نے کہا۔ ”مجھے دور پورٹ

پڑ رہی ہیں.... ایک آپ کو اور ایک چیف کو....!“

”فکر نہ کرو....!“ عمران بولا۔ ”کار بہ کثرت.... تجربات میں اضافہ بھی ہو رہا۔

طرح اور....!“ اس نے جملہ پورا کئے بغیر خاموشی اختیار کر لی۔

عمارت میں داخل ہو کر وہ ایک کمرے میں پہنچے جہاں نا تو پنگ ایک کرسی سے بندھا ہوا انہیں دیکھ کر وہ جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ”تم لوگ کون ہو اور مجھے کیوں

کر رہے ہو۔!“

عمران اسے خاموشی سے بغور دیکھتا رہا پھر ایک قدم آگے بڑھ کر نرم لہجے میں پوچھا۔

”قانونی طور پر یہاں آئے ہو۔!“

”یقیناً.... میرے اس دعوے کو چیلنج نہیں کیا جاسکتا.... کاغذات موجود ہیں اور

نہیں ہیں.... ہمارے سفارت خانے سے تصدیق کی جاسکتی ہے۔!“

”یو کاوا سے تمہارا کیا تعلق تھا....؟“

”وہ میرا دوست تھا....!“

”لیکن حقیقتاً تم اُس کے دشمن تھے۔!“

”یہ غلط ہے۔!“

”اگر یہ غلط ہے تو پھر تم اُسے سکس تھرٹین کے چور ہے پر تمہا کیوں چھوڑ گئے تھے۔!

”پھر کیا کرتا....؟“

”لیکن محض اتنا کافی نہیں ہے..... مجھے بتاؤ کہ تم کون ہو اور اُن معاملات میں کیوں لے رہے ہو۔!“

”تا تو پنگ تم یہاں اس لئے نہیں لائے گئے کہ گفتگو کے لئے شرائط پیش کرو۔!“

”میری زبان نہیں کھل سکتی۔!“

”تم نے ایڈلفی سے باہر قدم نکالنے سے بھی تو انکار کر دیا تھا۔!“ عمران کا لہجہ طنزیہ تھا۔

تا تو پنگ نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا پھر سختی سے ہونٹ بھینچ لئے اس کی آنکھوں

الجھن کے آثار تھے۔

”میں نہیں چاہتا کہ تمہیں کسی ذہنی یا جسمانی اذیت میں مبتلا کروں۔!“ عمران نے اس آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”اچھا.....!“ پنگ نے بالآخر سوال کیا۔ ”میری جماعت کو کون سا خطرہ لاحق ہے۔!“

”اس ملک کی سیکرٹ سروس جسکے اقتصادی غلبے سے تم اپنے ملک کو نجات دلانا چاہتے ہو۔“

”یہاں اس کا کیا سوال.....؟“

”دوست پنگ.....!“ عمران اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ ”تم لوگوں کے بارے میں کسی کا یہ قول سچ ہی معلوم ہوتا ہے کہ انفرادی طور پر تم سب بالکل ذفر ہوتے ہو..... مثلاً

لئے وہ ایک ایک کر کے مار رہے ہیں۔!“

”کیا مطلب.....؟“

”یو کاوا مار ڈالا گیا..... اب تمہاری باری ہے۔!“

”تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہیں۔!“

”کیا یو کاوا تمہارا لیڈر تھا.....؟“

”ہاں..... ہم میں وہی سینئر تھا.....!“

”پھر وہ کس کے احکامات کی تعمیل کرتا تھا.....؟“

”اپنے سینئر کے احکامات کی.....!“

”وہ کون ہے.....؟“

”یو کاوا نے اس کے بارے میں مجھے نہیں بتایا۔!“

”یہاں اس سینئر کی طرف سے کبھی تمہیں بھی احکامات ملے ہیں۔!“

”کبھی کبھی.....!“

”میں پھر اپنا سوال دہراؤں گا کہ سکس تھرٹین کے چوراہے پر تم دونوں کیوں ملے تھے؟“

”یو کاوا نے مجھے وہاں طلب کیا تھا.....!“

”کس لئے.....؟“

”اے احکامات ملے تھے۔ لیکن مجھے ان کی نوعیت کا علم نہیں۔! ویسے کچھ ہی دیر قبل مجھے بھی حکم ملا تھا کہ اگر یو کاوا کے ساتھ سکس تھرٹین کے چوراہے پر جانا ہو تو ایک مخصوص وقت پر ہاتھوں سے کراس بناؤں تب سامنے والی عمارت کے کسی فلیٹ سے ”مقدس عہد“ کی نشان دہی ظاہر ہوگی۔!“

”یعنی گیارہ نومبر.....؟“

”ہاں..... تم پارٹی کے متعلق سب کچھ جانتے ہو..... بہر حال نشان دہی ظاہر ہو جانے کے بعد مجھے یو کاوا کو وہیں چھوڑ دینا تھا..... سو میں اُسے وہیں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔!“

”تمہیں یقین ہے کہ صرف تم دونوں ہی کو احکامات ملتے تھے..... تمہارے کسی اور ساتھی کو نہیں۔!“

”ہاں مجھے یقین ہے۔!“

”کیا یو کاوا کا سینئر کوئی سفید فام آدمی بھی ہو سکتا ہے۔!“

”ہرگز نہیں.....!“ پنگ بے ساختہ بولا۔

”کیوں.....؟“

”پارٹی کسی سفید فام پر اعتماد نہیں کر سکتی۔!“

”تو پھر لڑی کو ساتھ رکھنے کا کیا مقصد تھا.....!“

”سینئر کی طرف سے یو کاوا کو ہدایت ملی تھی کہ وہ اُس لڑکی سے دوستی کرے۔!“

”مقصد.....؟“

”یو کاوا نے مجھے نہیں بتایا.....!“

”وہ لڑکی جونیوں سے گر کر مر گئی اس کی نگرانی کیوں ہو رہی تھی۔!“

”اس کا علم بھی یو کاوا ہی کو تھا.....!“

”اب اور کون زیر نگرانی ہے.....؟“

”آج سے دس دن بعد خود لڑی زیر نگرانی آجائے گی۔!“

”کیا مطلب....؟“

”میں تفصیل سے واقف نہیں ہوں....! یو کاوا نے تذکرہ کیا تھا کہ دس دن بعد لڑی کی ہم اس طرح نگرانی شروع کر دی جائے گی جیسے روزی کی ہوتی رہی تھی۔!“

”اور اس نگرانی کے دوران میں اُسے گرایا جائے گا۔“

”ہاں....!“

”کیوں....؟“

”اس کے بارے میں یو کاوا کو بھی علم نہیں تھا۔ وہ خود اس پر متحیر رہتا تھا....!“

”تم اپنے بقیہ ساتھیوں سے کٹ کر ایڈلفی میں کیوں مقیم تھے؟“

”لڑی کی دیکھ بھال کے لئے.... لڑی وہیں مقیم تھی۔!“

”اور یو کاوا کہاں رہتا تھا....!“

”کبھی لڑی کے ساتھ اور کبھی دوسروں کے ساتھ....!“

”اچھا اب تم آرام کرو....!“

”نت.... تم آخر.... ہو کون....!“

”میں اپنے ملکی قوانین کا وفادار ہوں۔!“ عمران بولا۔ ”تم اس کی پروا نہ کرو.... ایک بات“

بتاؤ۔ کیا تمہیں احکامات انگریزی زبان میں ملتے ہیں۔!“

”نہیں.... قومی زبان میں۔!“

”اور لہجہ بھی تمہارا اپنا ہی ہوتا ہے۔!“

”یقیناً....!“

”لیکن تمہیں یہ سن کر حیرت ہوگی کہ یو کاوا کو اس فلیٹ سے ایک سفید فام آدمی دوسرے علاقے کی ایک عمارت میں لے گیا تھا اور پھر اُسی عمارت میں یو کاوا کی لاش پائی گئی۔!“

”میرے لئے یہ بات یقیناً حیرت انگیز ہے۔!“

”تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔!“

”تو کیا میں خود کو قیدی سمجھوں....!“

”فی الحال....! یو کاوا کا قتل میرے ملک میں ہوا ہے اس لئے....!“

”میں یقین نہیں کر سکتا....! میں یقین نہیں کر سکتا۔!“



کچھ دیر بعد عمران اور صفدر پھر سڑک پر نظر آئے۔ دونوں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اُسی عمارت کی طرف بڑھ رہے تھے جہاں لڑی اور جوزف کو چھوڑا تھا۔

”اب کیا ارادہ ہے....!“ صفدر نے پوچھا۔

”لڑی کو نکل جانے کا موقع دے کر اس کا تعاقب کیا جائے۔!“ عمران بولا۔

”اسکیم کیا ہے....؟“

”میرا خیال ہے کہ وہ لوگ ان انقلابیوں کے ساتھ لڑی کو بھی دھوکا دے رہے ہیں۔ ان

لوگوں کی نگرانی لڑی سے کراتے رہے ہیں اور لڑی کی نگرانی ان لوگوں سے۔!“

”لیکن لڑکیوں کو گرانے کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔!“

”جو میرے ہاتھوں گری تھی اس کا انجام تو دیکھ ہی چکے....! اب اس کا بھی دیکھ لینا۔!“

”آخر ہے کیا چکر....!“

”یہی تو دیکھنا ہے.... ویسے یو کاوا اور اُس کے ساتھیوں کا معاملہ تو صاف ہو گیا! اس کے

ساتھ کسی سفید فام آدمی کا پایا جانا اور پھر اس کا قتل اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ

اقتصادی غلبہ والے ملک کی سیکرٹ سروس ان لوگوں کا ستھراؤ کر رہی ہے۔!“

”لیکن یہاں ہمارے ملک میں کیوں....!“

”جہاں بھی موقع ملے.... والی پالیسی ہے۔!“

”ہاں آپ کسی ڈاکٹر موند رے کا بھی ذکر کر رہے تھے۔!“

”ہمفرے نے جو ٹیلی فون نمبر لڑی کو دیا تھا وہ ڈاکٹر موند رے کا ہے۔!“

”یہ کون ہے....؟“

”ڈاکٹر موند رے.... ایک فرانسیسی ہے.... بہت عرصہ سے یہاں مقیم ہے اور مقامی جڑی

بوتیوں پر ریسرچ کر رہا ہے۔!“

”وہ اس عمارت کے قریب پہنچ کر رک گئے۔“



عمران بولا۔ ”اب تمہیں لڑی پر نظر رکھنی ہے۔۔۔۔ وہ بھی ایڈلٹی ہی میں مقیم تھی! تم تو ہر  
کا کمرہ دیکھ ہی چکے ہو۔۔۔۔ میرا خیال ہے کہ وہ یہاں سے نکل کر سیدھی وہیں جائے گی۔ اس کی بڑا  
فون کالین ٹیپ کرنے کی کوشش کرنا۔۔۔۔!“

پھر وہ اسے وہیں چھوڑ کر عمارت کے اندر آیا۔

یہاں جوزف اور لڑی چیخ چیخ کر ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے! انہیں غالباً خبر  
نہیں تھی کہ کمرے میں ان کے علاوہ اور کوئی بھی موجود ہے۔!

دفعتاً عمران چیخ کر بولا۔ ”میں تم دونوں کو نکال باہر کروں گا سمجھے۔!“

دونوں خاموش ہو کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

”شادی سے پہلے غل غپاڑہ مچانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔“ عمران انہیں گھونسا دکھا کر بولا۔

”میں ہرگز اس سے شادی نہیں کروں گا باس۔۔۔۔!“

”کیوں۔۔۔۔؟“ عمران نے آنکھیں نکالیں۔۔۔۔!

”بڑی دیر سے گالیاں دے رہی ہے۔ اگر تمہارا خیال نہ ہو تا تو گردن مروڑ دیتا۔!“

”شادی کے بعد میرا خیال نہ رکھنا۔۔۔۔!“

لڑی پھر اُبل پڑی۔! ایک سانس میں نہ جانے کیا کیا بک گئی تھی۔! اچانک عمران گرجا۔!

نکل جاؤ۔۔۔۔ تم دونوں یہاں سے نکلو۔۔۔۔ میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔!“

”بب۔۔۔۔ باس۔۔۔۔!“ جوزف ہکلا یا۔

”چلے جاؤ۔۔۔۔!“ عمران نے اُسے دروازے کی طرف دھکا دیا اور گھونسا تان کر لڑی

طرف جھپٹا۔

غرضیکہ ذرا ہی سی دیر میں دونوں کو نکال باہر کیا۔ لڑی بھی ارے ارے کرتی رہ گئی۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد عمران باہر نکلا تو لڑی برآمدے میں دیوار سے لگی کھڑی نظر آ

لیکن جوزف کا کہیں پتہ نہ تھا۔

”تم یہیں ہوا بھی تک۔۔۔۔!“ عمران غرایا۔

”اس حال میں کہاں جاؤں۔۔۔۔!“ لڑی رو ہانسی ہو کر بولی۔ ”تمہارا تو کچھ پتہ نہیں چلا کہ

چاہتے ہو۔!“

”تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔۔۔۔! صاف صاف کہہ رہا تھا کہ تمہیں اس شب تار کے بچے  
سے شادی کرنی ہے۔!“

”دماغ تمہارا چل گیا ہے۔۔۔۔! میں اس سے شادی کروں گی؟“

”کیا بُرائی ہے۔۔۔۔ وہ بھی تو کر سچین ہے آخر۔۔۔۔!“

”خاموش رہو۔۔۔۔ میں اس سلسلے میں کچھ نہیں سننا چاہتی۔۔۔۔! میں نے ابھی تک کوئی غیر

قانونی کام نہیں کیا۔! مجھے شوق سے بلیک میل کرو۔!“

عمران تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر سر ہلا کر بولا۔ ”اچھی بات ہے اندر آ جاؤ۔۔۔۔ اب

میں تمہیں زندہ رہنے کے گر سکھاؤں گا۔!“

”میری زندگی اسی میں ہے کہ تم خاموش رہو۔!“

وہ دونوں پھر اندر گئے۔!

”کیا آج کل تم کوئی دوا استعمال کر رہی ہو۔!“ عمران نے اُس سے پوچھا۔

”کیا مطلب۔۔۔۔؟“ وہ چونک کر اس کی طرف مڑی۔

”تمہیں کیسے پتہ چلا۔۔۔۔؟“

”موند رے کی سیکریٹری اور ٹانک نہ استعمال کرے! بڑی عجیب بات ہوگی! بات دراصل یہ

ہے کہ جزی بوٹیوں پر تحقیق کرنے والے کوئی نہ کوئی حیرت انگیز دوا ضرور بناتے ہیں ایسی جو

مرتے دم تک جوان رکھ سکے۔!“

لڑی ہنس پڑی اور بولی۔ ”تمہارا اندازہ بالکل درست ہے! ڈاکٹر ایک ایسا عرق بنانے میں

کامیاب ہو گئے ہیں، جو آدمی کو حیرت انگیز توانائی بخشتا ہے! صرف تیس دن مسلسل استعمال کرنے

سے کایا پلٹ جاتی ہے۔!“

”اور تم تیس دن سے استعمال کر رہی ہو اور تمہاری کایا پلٹنے میں ابھی دس دن باقی ہیں۔!“

”تم کیا جانو۔۔۔۔ تمہیں اس کا علم کیونکر ہوا۔۔۔۔!“ وہ مضطربانہ انداز میں بولی۔ ”اس کا علم تو

یوگا داکو بھی نہیں تھا۔!“

”کسی نہ کسی کو تو علم ہو گا ہی۔۔۔۔!“

”صرف۔۔۔۔ وہ جانتا ہے۔۔۔۔ ہنفرے۔!“

”کیا یہ ٹانگ تمہیں ڈاکٹر موند رے سے ملا تھا....؟“

”میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ میں نے آج تک موند رے کو نہیں دیکھا! ہمفرے اس کا معمر خاص ہے! اسی سے مجھے نوٹس ٹاپ کرنے کے لئے ملتے تھے اور یہ ٹانگ بھی اُسی نے دیا تھا.... کیا تم نے ہمفرے پر بھی ہاتھ ڈال دیا ہے!“

”ابھی تو نہیں.... اس کے لئے مجھے تمہاری موت کا انتظار کرنا پڑے گا!“

”کیا مطلب....؟“

”آج سے ٹھیک دس دن بعد.... وہ تمہیں بھی گرانے کی کوشش شروع کر دیں گے!“

”کیا کہنا چاہتے ہو....!“ وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔

”وہ روزی کی نگرانی کیا کرتے تھے اور اسے گرانا چاہتے تھے! جانتی ہو پوسٹ مارٹم کی رپورٹ نے کیا بتایا ہے!“

”نہیں.... میں نہیں جانتی۔!“

”گرتے ہی اس کا دل پھٹ گیا تھا اور وہ مر گئی تھی!“

”نہیں.... نہیں.... میرے ساتھ ایسا نہیں ہو سکتا! روزی ہم میں سے نہیں تھی! میں نے اسے موند رے کی کوٹھی میں کبھی نہیں دیکھا....!“

”اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا....!“

”تم خواہ مخواہ سہارے ہو....!“

”لاؤ نکالو وہ ٹانگ....!“

”لڑی نے بلاؤز کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر نیلے رنگ کے شیشے کا ایک ٹیوب نکالا اور عمران کی طرف بڑھا دیا۔ ٹیوب میں کوئی سیال مادہ تھا اور ٹیوب دو تہائی خالی ہو چکا تھا۔

”اور اب تم باہر چلنے کے لئے تیار ہو جاؤ....!“ عمران نے کہا۔

”کہاں.... پتہ نہیں تم کیا کر رہے ہو! تم نے مجھے باہر نکال دیا تھا.... اگر میں چلی جاتی تو۔!“

”میری اسکیمیں بدلتی رہتی ہیں! جلدی کرو....!“

”کہاں لے چلو گے....؟“

”میڈیکل چیک اپ کراؤں گا۔!“

”تم نے مجھے نروس کر دیا ہے....!“ لڑی کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔ ”لیکن وہ مجھے کیوں مار ڈالنا چاہے گا!“

”اگر تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں ہے تو چلتی پھرتی نظر آؤ.... میں تو پہلے ہی تمہیں باہر نکال چکا تھا! پھر خیال آیا خواہ مخواہ ایک اور زندگی کیوں شائع ہو۔!“

”اچھا چلو.... کہاں چلتے ہو....!“ لڑی نے کہا اور تھکے تھکے سے انداز میں ایک کرسی میں ڈھیر ہو گئی۔!



دوسری صبح لڑی کی آنکھ ایڈلفی کے اسی کمرہ نمبر بیسی میں کھلی تھی جہاں وہ پہلے مقیم تھی۔ وہ متحیر نظروں سے چاروں طرف دیکھنے لگی! اسے اچھی طرح یاد تھا کہ وہ عمران کے ساتھ میڈیکل چیک اپ کرانے کے لئے روانہ ہوئی تھی! اور پھر شائد اُسے گاڑی ہی میں نیند آگئی تھی۔ اور اب آنکھ کھلی تو یہاں لیکن میڈیکل چیک اپ تو رہ گیا تھا۔ اسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ اس کی نوبت آئی ہو! پھر وہ یہاں کیسے پہنچی۔

پھر اُسی روزی سے متعلق عمران کی گفتگو یاد آئی.... تو کیا سچ اس کا بھی وہی انجام ہونے والا تھا.... اس خیال سے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی! اُسے نیلے رنگ کا وہ ٹیوب یاد آیا جو عمران نے اس سے لیا تھا اور پھر واپس نہیں کیا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ بے حس و حرکت پڑی رہی! پھر اٹھی اور فون پر سپردانزر سے رابطہ قائم کر کے ناشتہ طلب کیا۔

اب وہ سوچ رہی تھی کہ اسے کیا کرنا چاہئے! ہمفرے نے اُسے جو نمبر دیئے تھے کیا ان پر اُس سے رابطہ قائم کرے! لیکن اس سے کہے گی کیا....؟“ نہ جانے کیوں اس کا دل چاہا کہ عمران سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں اسے کچھ بھی نہ بتائے!

لیکن اُسے تو ہمفرے نے ہدایت کی تھی کہ عمران کا ساتھ نہ چھوڑے اور اب وہ ایڈلفی میں تھی۔! یہاں اپنی موجودگی کا کیا جواز پیش کرے گی۔

ناشتے کے بعد جب جسم میں کسی قدر توانائی محسوس ہونے لگی تو اُس نے اٹھ کر لباس تبدیل کیا اور ایڈلفی سے باہر آگئی۔! ہمفرے سے رابطہ قائم کرنے کے لئے ہوٹل کا فون استعمال کرنا مناسب نہ معلوم ہوا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک پبلک ٹیلی فون بوتھ تھا.... اس نے وہاں سے

ہمفرے کے دیئے ہوئے نمبر ڈائیل کئے۔!

”کون ہے؟“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”الزبتھ فاولر....! لڑی نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

”اوہ.... کہو.... کیا بات ہے۔!“

”نکولائی.... وہ مجھے اس عمارت میں تنہا چھوڑ کر غائب ہو گیا! میرے لئے ایک تحریر چھوڑ گیا ہے لکھتا ہے کہ تم پتہ نہیں کیوں میرے پیچھے پڑ گئی ہو....! میں یہاں سے جا رہا ہوں.... اگر تم اسی عمارت میں مقیم رہیں تو تمہیں گذشتہ چھ ماہ کا کرایہ ادا کرنا پڑے گا جو میں بعض مجبوریوں کی بناء پر ادا نہیں کر سکا۔ میں ایڈلفی میں واپس آگئی ہوں۔“

”میاوہیں سے گفتگو کر رہی ہو....!“

”نہیں اُس کے قریب والے پبلک ٹیلی فون بوتھ سے۔!“

”ٹھیک ہے! اچھا دیکھو ایڈلفی کے گراؤنڈ فلور پر کمرہ نمبر گیارہ میں ایک آدمی ناتو پنگ مقیم ہے! وہ میری کال کا جواب نہیں دے رہا کیا وہ ہاں موجود نہیں ہے معلوم کر کے مجھے مطلع کرو۔“

”میں دیکھ لوں گی....!“ لڑی نے کہا۔ ”ایک غلطی ہو گئی ہے۔!“

”کیسی غلطی....؟“

”اس بھاگ دوڑ میں میرا ٹیوب کہیں گر گیا۔!“

”اوہ.... کب....؟“

”کل....!“

”تو کل تک تم نے وہ ٹانگ استعمال کیا تھا۔!“

”ہاں.... کل استعمال کیا تھا....!“

”اس دوران میں کسی دن ناغہ تو نہیں ہوا۔!“

”نہیں....!“

”پابندی سے ایک ماہ استعمال کرنا چاہئے....! کتنے دن ہو چکے ہیں۔!“

”کل میسواں دن تھا....!“

”دس دن اور استعمال کرنا ہے.... تم فکر نہ کرو.... میں آج ہی تمہارے لئے مہیا کروں گا۔!“

”شکریہ نکولائی.... اور کچھ....!“

”تم عیارہ نمبر کے حوالے سے ناتو پنگ سے مل بھی سکتی ہو.... اور اب تمہیں یہ بھی معلوم کرنا ہے.... کہ اُس کے مزید کتنے ساتھی یہاں مقیم ہیں۔!“

”اچھی بات ہے....!“ لڑی نے کہا اور دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر ریسپورر رکھ دیا۔ اس کا چہرہ پسینے میں ڈوبا ہوا تھا.... دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا.... ایسا محسوس کر رہی تھی جیسے ہزاروں زینے طے کر کے یہاں تک پہنچی ہو۔!“

بوتھ سے باہر نکلی تو ایسا لگا جیسے پیر پوری قوت سے زمین پر نہ پڑ رہے ہوں۔ تو حقیقتاً یہ لوگ اسے کسی تجربے کی بھیئت چڑھا رہے تھے۔ کتے! اُس کے سینے میں نفرت کا لاوا ابل پڑا۔

شائد وہ اسحق بچ ہی کہہ رہا تھا.... وہ سوچتی رہی.... روزی کی نگرانی اسی تجربے کے سلسلے میں کرائی جا رہی تھی.... یوکاوا کے مارے جانے کا اُسے غم نہیں تھا۔ لیکن روزی تو سفید قام ہی تھی! اسی کی طرح یوروپین تھی۔! پتہ نہیں خود اس کا کیا انجام ہو.... ہمفرے نے اس ٹانگ کی دس خوراکیں آج ہی مہیا کرنے کا وعدہ کیا تھا تاکہ ناغہ نہ ہو.... اور وہ بھی ایک دن کتے کی موت مر جائے۔!

کسی نہ کسی طرح اپنے کمرے میں پہنچی اور بستر پر گر گئی۔ سر چکر رہا تھا۔ ذرا ہی دیر میں دل ڈھنسا ہوا محسوس ہونے لگا.... تو کیا وہ بھی روزی ہی کی طرح مر جائے گی۔ کیا کچھ لوگ اس کی نگرانی بھی کر رہے ہوں گے۔! اسے بھی گرا دینے کے درپے ہوں گے۔ اُسے کیا کرنا چاہئے۔! نہیں وہ اس طرح بے بسی سے نہیں مر جائے گی۔

بستر سے اٹھ کر فون کے قریب آئی۔ ریسپورر اٹھایا اور آپریٹر سے کہا کہ وہ روم نمبر گیارہ سے رابطہ چاہتی ہے۔!

تھوڑی دیر بعد دوسری طرف سے کسی قسم کی انسانی آواز آئی۔ پتہ نہیں اس نے کچھ کہا تھا یا کراہا تھا....!

”کیا بات ہے.... تم کیا کہہ رہے ہو....!“

”کون ہے.... اوہ.... وہ....!“

”میں یوکاوا کی دوست ہوں.... دودن سے اس کی تلاش میں ہوں۔ اُس نے مجھے بتایا تھا کہ

تم بھی ایڈلفی میں رہتے ہو.... کیا نام ہے تمہارا....!“

لڑی سوچنے لگی.... وہ عمران نہیں ہو سکتا۔ پھر چونک کر بولی۔ ”تم یو کاوا کے قتل کی بات کر رہے تھے۔“

”ہاں.... وہ لوگ مجھے یہی باور کرانا چاہتے تھے کہ یو کاوا قتل کر دیا گیا....!“

”لیکن کس نے قتل کیا....!“

”مجھے یقین نہیں ہے.... پتہ نہیں وہ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں۔!“

”مقامی ہی آدمی ہے۔!“

”ہاں مقامی ہی.... لال.... لیکن اب میرا کیا ہوگا۔!“

”میں سپروائزر سے بات کرتی ہوں کہ کسی اچھے ڈاکٹر کا انتظام کر دے۔!“

نا توپنگ کچھ نہ بولا۔ وہ پھر کراہنے لگا تھا۔

لڑی اس کے کمرے سے نکل کر پھر پبلک ٹیلی فون بوتھ کی طرف چل پڑی۔

دوبارہ ہمفرے کولائی کے نمبر ڈائل کئے اور اُسے نا توپنگ کے بارے میں اطلاع دی۔

”یہ لوگ کون ہو سکتے ہیں....!“ ہمفرے پوری کہانی سننے کے بعد بولا۔

”میں کیا بتا سکتی ہوں....!“

”تمہاری دانست میں وہ آدمی تو نہیں ہو سکتا جس کے ساتھ تم ابھی تک رہی تھیں۔!“

”ارے وہ....!“ لڑی ہنس پڑی۔ ”وہ تو بالکل گاؤ دی تھا۔!“

”خیر.... یہ بہترین موقع ہے....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”اس وقت تم اس کے

بقیہ ساتھیوں سے پتہ معلوم کر سکتی ہو۔!“

”کیا وہ بتا دے گا۔!“

”تم کو شش کرو....! نا توپنگ سمیت گیارہ آدمی ہیں۔!“

”میں اس سے کہہ آئی ہوں کہ ڈاکٹر کا انتظام کرنے جا رہی ہوں۔!“

”کوئی مضائقہ نہیں.... یہ تم کر سکتی ہو....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”ایک گھنٹے بعد

پھر رنگ کر لینا۔!“

لڑی نے دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر ریسپورر رکھ دیا اور بوتھ سے

باہر آگئی۔

کراہ کے ساتھ کہا گیا۔ ”نا توپنگ....!“

”ہاں اس نے یہی نام بتایا تھا.... ہو سکتا ہے اس نے تم سے میرا بھی ذکر کیا ہو.... میں انٹر فائزر ہوں۔!“

”تم کوئی بھی ہو.... خدا کے لئے میرے پاس آ جاؤ.... میرا انچلا دھڑ مفلوج ہو چکا ہے! سے اٹھ نہیں سکتا۔ اگر فون سر ہانے نہ ہو تا تو میں تم سے گفتگو نہ کر سکتا۔! گھنٹی بجتی رہتی۔!“

”مم.... میں آرہی ہوں....!“ لڑی نے کہہ کر ریسپورر رکھ دیا۔

پھر وہ باہر نکلی اور روم نمبر گیارہ کی طرف چل پڑی۔

ہینڈل گھماتے ہی دروازہ کھل گیا تھا.... وہ اندر داخل ہوئی۔! سامنے ہی ایک جاپانی لڑ

چت پڑا تھا۔ اس کے داخل ہوتے ہی اس نے گردن گھمائی.... اس نے کانپتی ہوئی آواز میں ”ان لوگوں نے پتہ نہیں کس قسم کا انجکشن دیا تھا کہ میری ٹانگیں مفلوج ہو کر رہ گئی ہیں۔!“

”کن لوگوں نے....؟“ لڑی نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

”کیا تم یو کاوا کی دوست ہو....!“

”ہاں.... میں دو دن سے اس کی تلاش میں ہوں۔!“

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ کیا چکر ہے.... پر سو رات میں یہیں اپنے کمرے میں تھا کہ

آدمی آیا.... اس نے مجھ سے کہا کہ یو کاوا قتل کر دیا گیا ہے۔ میں نے کہا کہ میں کیسے یقین کر

اُس نے اپنے چرمی بیگ سے ایک چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈر نکالا اور اس سے اسٹینڈ ایئر فون

طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ”لو سنو!“ ثبوت مل جائے گا۔ جیسے ہی میں نے ایئر فون کان سے لگا

زبردست دھماکا سنائی دیا کہ فوری طور پر میرا اعصابی نظام درہم برہم ہو کر رہ گیا۔! پھر؟

نہیں کہ وہ مجھے کس طرح یہاں سے لے گیا تھا۔!“

”وہ تمہیں کہاں لے گیا تھا....؟“

”اس کا ہوش نہیں.... اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ یہاں واپس کیسے آیا....! ابھی کچھ

پہلے مجھے ہوش آیا ہے۔!“

”وہ آدمی کیسا تھا.... جو تمہیں یہاں سے لے گیا تھا....!“

”گھنی مونچھوں اور پھولی ہوئی ناک والا....!“

لیکن اسے دوبارہ بوتھ ہی کی طرف پلٹ جانا پڑا۔ ذہن میں ایک نئے خدشے نے سر ابھارا تھا۔ اُس نے جلدی جلدی پھر وہی نمبر ڈائل کئے! دوسری طرف سے ہمفرے ہی کی آواز آئی۔  
”مجھے مشورہ چاہئے۔“ لڑی بولی۔

”اب کیا ہے....؟“ ہمفرے کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔!

”ڈاکٹر کو وہ اپنے مفقود ہو جانے کی وجہ ضرور بتائے گا اور ڈاکٹر پہلی فرصت میں پولیس کو مطلع کر دے گا۔“

”جہنم میں جائے.... تمہیں کیوں فکر ہے۔!“

”غور طلب مسئلہ ہے۔“ لڑی بولی۔ ”پولیس اُس سے یو کا داک کی کہانی پوچھے گی اور وہ مجھے یو کا داک کی دوست کی حیثیت سے پیش کر دے گا.... کیا میں اس طرح دشواری میں نہ پڑ جاؤں گی۔!“

”ہاں یہ بات تو ہے۔!“

”تو پھر مجھے کیا کرنا چاہئے۔!“

”اچھا تو تم اُسے کسی طرح یہاں لے آؤ۔!“

”کہاں....؟“

”ٹھیک ہے تمہیں اس عمارت کے بارے میں کچھ نہیں معلوم! ٹھہرو ایک منٹ ہولڈ کرو!“

وہ ریسیور کان سے لگائے کھڑی رہی.... ساتھ ہی گھبراہٹ ہوئی نظریں باہر بھی ڈالتی جا رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد آواز آئی۔ ”تم اُسے سکس ایک روڈ لے جاؤ.... کچھ دیر بعد ایک نیلے رنگ

کی وین ایڈلفی پہنچے گی.... سپروائزر سے کہنا۔ وہ اسٹریچر کا انتظام کر دے گا۔!“

”اور کچھ....؟“ لڑی نے پوچھا۔

”بس.... جاؤ.... اور انتظار کرو.... اسی عمارت میں تمہارا ٹانک بھی مل جائے گا....“

ایڈلفی سے نا توپنگ کا حساب صاف کر دینا۔!“

لڑی ہوٹل پہنچ کر پھر نا توپنگ کے کمرے میں پہنچی.... وہ پہلے ہی کی طرح چپ پڑا کر رہے جا رہا تھا۔

”میں تمہیں یہاں سے لے چلوں گی۔!“ اُس نے کہا۔

”کہاں لے چلوں گی....؟“

”کسی محفوظ جگہ.... ورنہ اگر ڈاکٹر نے وجہ پوچھ لی تو کیا کرو گے۔!“

”ہاں.... مجھے پوری کہانی دہرائی پڑے گی.... تم بہت سمجھ دار معلوم ہوتی ہو کیا یو کا داک کی بات اچھی دوست ہو۔!“

”ہم دوستی سے بھی آگے بڑھ چکے ہیں۔!“ وہ گلوگیر آواز میں بولی۔

”کچھ دیر خاموشی رہی! پھر لڑی نے کہا۔“ میں اسٹریچر کا انتظام کرنے جا رہی ہوں.... اور ہاں کا حساب صاف کئے بغیر وہ تمہیں جانے نہ دیں گے۔!“

”حساب بے باق کر دو....!“ نا توپنگ کراہا۔ ”میرے پرس میں کافی رقم موجود ہے۔!“

دو گھنٹے کے اندر اندر وہ ہمفرے کی بتائی ہوئی عمارت میں منتقل ہو گئے تھے!

ایک غیر ملکی ڈاکٹر نے نا توپنگ کا معائنہ کیا اور چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد دوسرا آیا اور اس نے بالائیکشن دے کر مکمل آرام کی تاکید کی۔!

پھر کچھ دیر بعد دوسرے کمرے میں فون کی گھنٹی بجی۔ لڑی نے کال ریسیور کی تھی۔

دوسری طرف سے ہمفرے کی آواز آئی۔ ”تم نے اس کے ساتھیوں کا پتہ لگایا۔!“

”ابھی نہیں جلد بازی ٹھیک نہیں۔!“

”وقت نہ ضائع کرو.... پتہ نہیں کس نے اُسے اس حال کو پہنچایا....!“

”اگر وہ لوگ ایسے ہی ہیں تو پھر ہمارا تعاقب بھی ہو تا رہا ہو گا۔!“

”یہی معلوم کرنے کے لئے تو تمہیں اس عمارت میں منتقل کیا گیا ہے۔!“

”تو پھر کیا رہا....؟“

”ابھی تک ایسی کوئی رپورٹ نہیں ملی....! لیکن اب تم اسی عمارت تک محدود رہنا۔!“

”اور میرا ٹانک....؟“

”وہ تمہیں کچھ دیر بعد مل جائے گا۔!“

اس کے بعد سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر لڑی نے بھی ریسیور رکھ دیا۔ اس کا نچلا ہونٹ نون میں دبا ہوا تھا اور پیشانی پر شکنیں تھیں۔

پھر وہ نا توپنگ والے کمرے میں آئی اور وہ دروازے کی طرف اشارہ کر کے خیف آواز میں

”اے... وہ پیکٹ.... کسی نے نیچے سے اندر سرکایا تھا.... وہ....!“

لڑی کو دروازے کے قریب براؤن رنگ کا ایک لفافہ پڑا نظر آیا.... وہ آگے بڑھی اور جھک

کر اسے اٹھالیا.... لفافے پر صرف "لڑی" تحریر تھا اس نے بڑی بے صبری سے لفافہ چاکر اس میں سے کٹی پر پے برآمد ہوئے۔ ایک خط بھی تھا۔!

"لڑی....! تمہاری بے ہوشی کے دوران میں ایک میڈیکل اسکپرسٹ نے تمہارا طبی رپورٹ بھیج رہا ہوں۔ اسے غور سے دیکھو.... اگر زندگی عزیز ہے تو اب اس ٹانگ پر قطرہ بھی اپنے جسم میں داخل نہ ہونے دینا.... اگر مزید دس دن اور تم اس کا استعمال نہ رکھتیں تو تمہارا بھی وہی حشر ہوتا جو روزی کا ہوا تھا.... ڈاکٹر نے کچھ مشورے تحریر کیے ابھی سے ان پر عمل شروع کر دو.... میں برا آدمی ضرور ہوں لیکن اتنا بھی نہیں کہ انسانی کی میری نظر میں کوئی وقعت نہ ہو۔ جن کے لئے تم کام کر رہی ہو وہ بے ضمیر ہیں۔ انہیں اپنے کام سے کام ہے۔ تمہاری زندگی اگر ان کے کسی تجربے کی بھیجٹ چڑھ جائے تو اس کی پرائیوٹ مسرت ہوگی۔ میں نے تمہیں آگاہ کر دیا ہے۔ اب تم جانو ان سارے کاغذات کو ہر نذر آتش کر دینا.... یہی تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔!"

لڑی اس کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں آئی اور میڈیکل رپورٹ دیکھنے لگی۔ نے آخر میں ہدایت کی تھی کہ اُسے زیادہ سے زیادہ مقدار میں پانی پیتے رہنا چاہئے۔! کچھ اور ہدایات تھیں جنہیں ذہن نشین کر لینے کے بعد اس نے ان کاغذات کو جلادیا۔ اب وہ عجیب سا اطمینان محسوس کر رہی تھی۔ نا تو پنگ کے کمرے میں آکر اس سے پوچھنے سے اسے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔!

"نہیں شکریہ....! میں تمہارا یہ احسان کبھی نہ بھولوں گا۔!" اس نے گلوگیر آواز میں کہا "کیا تمہارا اور کوئی دوست یہاں نہیں ہے۔!" لڑی نے پوچھا۔ لیکن اس نے فوری طور پر سوال کا جواب نہ دیا۔!

"تم کیا سوچنے لگے.... مجھے بتاؤ....! میں اُسے تم تک لانے کی کوشش کروں گی۔!" "یہاں میرا کوئی دوست نہیں ہے....!" نا تو پنگ بولا۔

اور وہ مطمئن ہو گئی اب وہ نہیں چاہتی تھی کہ کسی کی بھی تباہی کا باعث بنے۔! وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ ان جاپانیوں میں سے ایک بھی زندہ نہ چھوڑا جائے گا۔ ہمزہ اس کے مشن سے وہ اچھی طرح واقف تھی۔ لیکن یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ہمزہ

سے بھی کسی تجربے کی بھیجٹ چڑھادے گا۔ اُسے پھر فون کی گھنٹی سنائی دی اور وہ اسی کمرے کی طرف لپکی جہاں فون تھا۔ یہ بھی ہمزہ سے ہی کی کال تھی! وہ تو نا تو پنگ کے ساتھیوں کے بارے میں معلوم کرنے کے لئے بے چین تھا۔!

"وہ نہیں بتاتا.... کہتا ہے کہ یو کاوا کے علاوہ اور کسی کو نہیں جانتا۔!" لڑی نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ "اچھی بات ہے تو پھر مجھے ہی آنا پڑے گا۔!" "میرا ٹانگ....؟"

"اوہ.... شام تک پہنچ جائے گا.... اور پوری طرح مطمئن ہو جانے کے بعد میں بھی آؤں گا۔!" "اچھی طرح اطمینان کر لینا.... میں مطمئن نہیں ہوں۔!" لڑی کہتی ہوئی زہریلے انداز میں مسکرائی۔ "تم فکر نہ کرو....!" دوسری طرف سے کہا گیا اور سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔ اس کے بعد لڑی شام تک زیادہ سے زیادہ پانی پیتی رہی تھی۔

تقریباً سات بجے ایک لمبی سی سیاہ گاڑی کپاؤنڈ میں رکی۔ اس پر سے تین آدمی اترے! لڑی کھڑکی سے دیکھ رہی تھی۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ عجیب سا خوف ذہن پر مسلط ہوتا جا رہا تھا۔ وہ برآمدے میں آئے اور کال بل کا بٹن دبایا گیا۔ لڑی غیر ارادی طور پر صدر دروازے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ اس نے دروازہ کھولا۔

ہمزہ ایک آدمی کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ دوسرا شاندا باہر ہی رہ گیا تھا۔ "وہ کہاں ہے....؟" ہمزہ غریبا۔

"مم.... میرے ساتھ آؤ....!" لڑی بولی۔ "تمہیں کیا ہوا.... کیا تم خائف ہو....!" وہ اسے گھورتا ہوا بولا۔ "نہیں.... میں کیوں خائف ہوتی۔!"

وہ اُسے اس کمرے میں لائی جہاں نا تو پنگ لیٹا ہوا تھا۔

اب لڑی نے ہمزہ کے ساتھ کو دیکھا صورت اس کے لئے نئی تھی۔ لیکن وہ آنکھوں سے خست گیر آدمی معلوم ہوتا تھا۔ نسلأ سفید فام ہی تھا۔ نا تو پنگ نے انہیں دیکھ کر اٹھنے کی کوشش کی اور چیخ مار کر پھر لیٹ گیا۔ اُس کا یہ فعل قطعی

طور پر اضطرابی معلوم ہوا تھا۔ لڑی خاموش کھڑی تھی۔ ہونٹ سختی سے بچنے ہوئے تھے۔  
”کیا تم مجھے پہچانتے ہو.....!“ ہمفرے نے ناتوپنگ سے پوچھا۔

”نہیں..... تم شاید اسی رحم دل خاتون سے تعلق رکھتے ہو۔!“

”میں بلاشبہ اسی خاتون کا ساتھی ہوں..... لیکن رحم دل ہم میں سے کوئی بھی نہیں ہے۔“

”ارے!“ ناتوپنگ نے ہنسنے کی ناکام کوشش کی اور بولا۔ ”مجھ پر تو تم لوگوں نے بڑا کرم کیا ہے۔“

”تمہارے بقیہ نوساتھی کہاں ہیں.....؟“

”مم..... میرا تو کوئی بھی ساتھی نہیں یو کاوا کے علاوہ.....!“

”تم جھوٹے ہو..... میری اطلاع کے مطابق پورے گیارہ عدد میری تلاش میں آئے تھے۔“

”تت..... تو یہ صحیح ہے کہ..... تم نے یو کاوا کو مار ڈالا.....!“

”ہاں یہ صحیح ہے..... لیکن صرف تمہیں زندہ رکھا جائے گا..... اس شرط پر کہ اپنے بڑا

ساتھیوں کی نشان دہی کر دو.....!“

”میرے خدا.....!“ ناتوپنگ کے حلق سے عجیب سی آوازیں نکلنے لگیں ایسا معلوم ہونا

جیسے قوت گویائی ہی کھو بیٹھا ہو۔

وہ لوگ خاموش کھڑے رہے۔

آہستہ آہستہ ناتوپنگ کی آواز دہتی گئی۔ اسی دوران میں ہمفرے غرایا۔

”اب تم بے ہوشی کا ڈھونگ کر دو گے۔ لیکن تمہیں زبان کھولنی ہی پڑے گی۔!“

”میں بے ہوشی کا ڈھونگ نہیں کروں گا۔!“ ناتوپنگ نے اپنی آواز پر قابو پاتے ہوئے بڑا

لہجے میں کہا۔ ”مرنے کے لئے تیار ہوں۔!“

”اے دھمکی نہ سمجھنا..... یو کاوا بھی اسی لئے مارا گیا اس نے بقیہ لوگوں کا پتہ بتانے سے اٹا

کر دیا تھا۔!“

”تو مجھے بھی مار ڈالو..... گیارہ نومبر کی قسم تم میری زبان سے کچھ بھی نہ سن سکو گے۔!“

ہمفرے نے جیب سے ایک بڑا سا چاقو نکالا اور جب اُسے کھولا تو اس کی کڑکڑاہٹ کمرے

خاموش فضا میں گونج کر رہ گئی۔

لڑی نے بوکھلا کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔ اُسے اپنا دم گھٹتا سا محسوس ہو رہا تھا۔ اسے

محسوس ہو رہا تھا جیسے زمین ہل رہی ہو۔ اس مفلوج آدمی کو ذبح کر دینے کا تصور بھی اس کے لئے

اذیت ناک تھا۔

”بتاؤ.....!“ ہمفرے کسی خون خوار درندے کی طرح غرایا اور لڑی نے آنکھیں کھول دیں۔

ناتوپنگ بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔

دفعتاً ہمفرے نے اپنے ساتھی سے کہا۔ ”اسے ذبح کر دینے میں میری مدد کرو۔!“

ٹھیک اسی وقت تیسرا آدمی اندر داخل ہو کر بولا۔ ”مجھے شبہ ہے کہ آس پاس کچھ آدمی چھپے

ہوئے ہیں۔!“

”جاؤ..... دیکھو.....!“ ہمفرے نے اپنے ساتھی سے کہا اور وہ دونوں باہر چلے گئے۔

پھر ہمفرے لڑی کی طرف مڑا۔ کھلا ہوا چاقو اب بھی اُس کے ہاتھ میں تھا۔

”یہ فون تک تو نہیں پہنچ سکا تھا.....!“ اس نے لڑی سے پوچھا۔

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔!“ وہ تھوک نگل کر بولی۔ ”خود سے کروٹ تک تولے نہیں سکتا

اور پھر میں اس وقت سے اب تک اس کی نگرانی کرتی رہی ہوں۔!“

”تم بھول رہی ہو.....!“ ناتوپنگ ہنس کر بولا۔ ”ایک بار تم آدھے گھنٹے کے لئے یہاں سے

چلی گئی تھیں۔“

اور وہ دونوں ہی تیزی سے اس کی طرف مڑے۔

”ارے.....!“ لڑی اچھل پڑی۔

ناتوپنگ کی بجائے اُسے عمران نظر آیا تھا اس بار اور پھر..... وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

”چاقو زمین پر ڈال دو.....!“ اُس نے ریو اور کارخان کی طرف کرتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی

وہ دروازے کی طرف بھی بڑھتا چلا جا رہا تھا..... دروازے کو بولٹ کر کے..... وہ پھر ہمفرے

سے بولا۔ ”تم نے ابھی تک چاقو نہیں چھوڑا۔!“

ہمفرے نے چاقو زمین پر گرادیا۔

”لڑکی.....! چاقو اٹھا کر میرے پاس لاؤ.....!“ عمران بولا۔

لڑی نے چاقو اٹھایا اور عمران کو تحیر آمیز نظروں سے گھورتی ہوئی اُس کی طرف بڑھنے لگی اور

ٹھیک اسی وقت ہمفرے لڑی کو ڈھال بنا کر عمران پر ٹوٹ پڑا۔ لڑی ان کے نیچے دب کر چینی تھی!

اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ پس کر رہ جائے گی۔ پھر اچانک ان میں سے کسی کا بازو اس کے دانتوں میں آگیا جسے وہ جکڑتی ہی چلی گئی اور پھر اُسے اُن کے نیچے سے نکل جانے کا موقع مل گیا تھا وہ بھاگ کر دروازہ جا کھڑی ہوئی۔

دونوں گتھے ہوئے تھے ریو اور ایک جانب پڑا تھا۔ لیکن چاقو کہیں نظر نہ آیا۔... وہ پہلے ہی اُس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ اتنے میں کسی نے دروازے کو دھکا دیا۔

لیکن لڑی جہاں تھی وہیں کھڑی رہی۔

دفعتاً ہمفرے بولا۔ ”لڑی.... ریو اور اٹھا لو.... بیدار لیف فائر کر دو اس پر۔!“ لڑی چونکی.... آگے بڑھی.... ریو اور اٹھایا۔

”اندر کیا ہو رہا ہے... دروازہ کھولو!“ باہر سے آواز آئی۔ غالباً یہ ہمفرے کا کوئی ساتھی ہی تھا۔

”لڑی دروازہ کھول دو....!“ ہمفرے ہانپتا ہوا بولا۔

”ضرور سور کے نیچے.... ضرور کھولوں گی دروازہ....!“ وہ دانت پیس کر بولی۔ ”ابھی تم نے مجھے ڈھال بنایا تھا۔“

”تم پاگل ہو گئی ہو....!“ وہ چیخا۔

”نہیں لڑی... ڈارلنگ... تم دروازہ ہرگز نہ کھولنا...!“ عمران چڑانے والے انداز میں بولا۔

اتنے میں لڑی کو چاقو بھی نظر آگیا۔ وہ انہیں دونوں کے نیچے دوبارہ گیا تھا۔

اُس نے جھپٹ کر اُسے بھی قبضے میں کر لیا۔

”شاباش....!“ عمران بولا۔ ”یہ کام کیا ہے تم نے.... اب میں اسے پکڑوں گا اور پنجرے میں بند کر کے تیس دن تک وہی ٹانگ پلاؤں گا۔!“

”ہم دروازہ توڑ دیں گے۔!“ باہر سے آواز آئی۔

”ضرور توڑ دو!“ لڑی بھی چیخ کر بولی۔ ”دو گولیاں کافی ہو گئی۔ میرے ہاتھ میں ریو اور ہے۔“

”ارے... تم تو جون آف آرک کی طرح بول رہی ہو۔ شاباش....!“ عمران نے کہا اور ار بار ہمفرے کو کمر پر لاد کر دے چکا۔

اب وہ اس کے سینے پر سوار اس کا گلا گھونٹ رہا تھا۔ لیکن ہمفرے نے اس کے ہاتھ پکڑ لئے۔

لڑی ہمفرے کی قوت سے بخوبی واقف تھی۔ بیک وقت کئی آدمیوں سے تنہا پنہا اس کا محبوب

زمین مشغلہ تھا۔ ورزش کے طور پر وہ روزانہ کئی آدمیوں سے زور کرتا تھا۔ انہیں کھلی اجازت ہوتی تھی کہ جس طرح چاہیں حملہ کریں۔ لیکن وہ انہیں تھکا مارتا۔

لیکن اس وقت وہ پسینے میں شرابور تھا اور بُری طرح ہانپ رہا تھا۔ اس کے برخلاف عمران کے چہرے پر کھلندری سی مسکراہٹ تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ محض تفریحاً ہمفرے سے لپٹ پڑا ہو۔

ہمفرے نے بالآخر اس کے ہاتھ اپنی گردن سے ہٹا دیئے۔ لیکن اچھال پھینکنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

باہر سے دروازے پر ٹکریں ماری جا رہی تھیں۔ لڑی اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔ اس نے تہیہ

کر لیا تھا کہ اگر دروازہ ٹوٹ گیا تو وہ فائرنگ شروع کر دے گی۔

”تم تھک گئے ہو شائد!“ عمران نے ہمفرے سے کہا۔ ”اچھی بات ہے تھوڑی دیر آرام کر لو۔“

پھر لڑی نے دیکھا کہ وہ اُسے چھوڑ کر دور ہٹ گیا۔

”تم پاگل تو نہیں ہو گئے۔!“ وہ بوکھلا کر بولی۔

”سب ٹھیک ہے....!“ عمران نے احقانہ انداز میں کہا اور پیچھے ہٹتے دوار سے جا لگا۔

پھر جیسے ہی ہمفرے نے اٹھ کر لڑی کی طرف چھلانگ لگائی۔ عمران نے کوئی چیز اس کی طرف

پھینکی اور وہ دھم سے فرش پر جا رہا۔ غالباً لڑی سے چاقو یا ریو اور چھین لینے ہی کے لئے اس کی طرف جھپٹا تھا۔ ہمفرے نے دوبارہ اٹھنے کی کوشش کی لیکن اب یہ ناممکن تھا کیونکہ اس کی دونوں

ٹانگیں ایک پتلی سی ڈور کے پھندے میں پڑ گئی تھیں جس کا دوسرا سر اسرا عمران کے ہاتھوں میں تھا۔

دروازے پر بدستور ضربیں پڑ رہی تھیں۔

پھر لڑی نے دیکھا کہ ہمفرے کی جدوجہد اُس کے لئے مزید مصیبتیں لا رہی ہے۔ جب بھی وہ اٹھنے کی کوشش کرتا عمران اس ڈور کو ڈھیل دے کر اس طرح گردش دیتا کہ وہ ہمفرے کے گرد

لپٹی چلی جاتی اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے اس کا پورا جسم اُس ڈور میں جکڑ کر رہ گیا۔ آخر میں عمران نے اُسے کسی بنڈل کی طرح بھینٹ کر ایک کنارے ڈال دیا اور لڑی سے بولا۔ ”اب تم میرے

لئے ایک کپ کافی بنالادو۔ اتنے میں میں ان دونوں کو بھی پیک کئے دیتا ہوں۔!“

”لڑی کتیا تو پچھتائے گی۔!“ ہمفرے دہاڑا۔

”بہت طاقت ور ہو....!“ عمران لڑی کے بولنے سے پہلے بول پڑا۔ ”اگر اس ڈور کو توڑ کر دکھاؤ تو تمہارے لئے بھی ایک کپ کافی بنوادوں گا۔!“



”شٹ اپ....!“ ہمفرے پھر دھاڑا۔

”اور تم میرے لئے دس خوراکیں ٹانگ کی لائے ہو۔!“ لزی مضحکہ اڑانے والے انداز میں ہنسی۔

”کیا سچ سچ تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے!“

عمران انہیں وہیں چھوڑ کر بائیں جانب والے دروازے سے گذر چلا گیا۔

”روزی کون تھی کولاٹی....؟“ لزی نے پُر نفرت لہجے میں پوچھا۔

”میں نہیں جانتا۔!“

”تم نے یہ تو سوچا ہو تاکہ وہ بھی اپنوں ہی میں سے تھی۔!“

”تم بہکانی گئی ہو.... میں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔!“

اتنے میں دوسری طرف سے ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے کچھ لوگ آپس میں ٹکرائے

ہوں۔ دروازے پر ضربیں پڑنی بند ہو گئی تھیں۔

لزی پل بھر کے لئے ادھر متوجہ ہوئی اور پھر ہنس کر بولی۔ ”اب وہ ان دونوں کو ٹھیک کر رہا

ہے۔ بلا کا آدمی ہے.... اور ہاں شاید تمہیں نہ معلوم ہو کہ یہ وہی آدمی ہے۔!“

”کون....؟“

”جس پر یو کا دانے مجھے مسلط کیا تھا۔!“

”اوہ....!“

”اور یہ تو تم دیکھ ہی چکے ہو کہ وہ کس طرح نا تو چنگ سے عمران بن گیا تھا۔!“

”لزی تم اپنے ملک سے غداری کر رہی ہو.... ہوش میں آؤ۔!“

”لعنت ہے تم پر اور تمہارے ملک پر.... میں اپنی توہین سمجھتی ہوں درندوں کی اس ہستی کی

باشندہ کہلانے میں۔!“

”کتیتا....!“ ہمفرے دھاڑا۔

”تھو....!“ لزی نے اس کے منہ پر تھوکتے ہوئے ایک ٹھوکر بھی رسید کی اور ہمفرے کی

زبان سے گالیوں کا طوفان امنڈنے لگا۔

”ویل ڈن....!“ عمران بائیں جانب والے دروازے سے اندر داخل ہوتا ہوا بولا۔ ”اب تم

تمہاری شادی اس کلوٹے سے ہرگز نہیں کروں گا۔!“

پھر آگے بڑھ کر وہ دروازہ کھولا جس پر باہر سے لکڑی پڑتی رہی تھیں۔

سامنے ہی ہمفرے کے دونوں ساتھی فرش پر لمبے لمبے لیٹے نظر آئے دونوں بے ہوش تھے۔

عمران ان کی ٹانگیں پکڑ کر انہیں بھی اسی طرح کمرے میں گھسیٹ لایا۔

ہمفرے فرش پر پڑا اس طرح پٹلیں جھپکار رہا تھا جیسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آ رہا ہو۔!

عمران نے اس کے بے ہوش ساتھیوں کے ہاتھ پیر بھی جکڑ دیے۔

”تم آخر کون ہو.... اور کیا چاہتے ہو....؟“ ہمفرے بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”پہلے تم بتاؤ کہ تم کون ہو....!“

”میں ڈاکٹر موند رے کا اسٹنٹ ہوں اور تم نے جو کچھ بھی کیا ہے غلط کیا ہے۔!“

”کیا ڈاکٹر موند رے تمہاری ان حرکتوں سے واقف ہے۔!“

”یہ میرے نئی معاملات ہیں ان کا اور کسی سے کوئی تعلق نہیں۔!“

”لیکن تم اس طرح یو کا دانے قتل کے الزام سے تو نہ بچ سکو گے! تمہیں اسکی سزا ضرور ملے گی۔!“

”لزی نے بتایا تھا کہ تم بلیک میلر ہو.... بتاؤ اس راز کی کیا قیمت مقرر کرتے ہو۔!“

”تمہاری اپنی زندگی....!“ عمران جیب سے چیو گلم کا پیکٹ نکال کر اُسے پھاڑتا ہوا بولا۔ پھر ایک

بیس نکال کر لزی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”چیو گلم تمہاری سانسوں کو قابو میں لائے گی۔!“

”بڑی سے بڑی جو رقم چاہو....!“ ہمفرے لجاجت سے بولا۔

”خاموش پڑے رہو.... ہاں لزی کافی....!“

”میں ابھی لائی۔!“ لزی نے کہا اور عمران کے قریب آکر اس کے گالوں کو بڑے پیار سے

تھپتھپاتی ہوئی کمرے سے چلی گئی۔

”بڑی سے بڑی رقم.... تمہیں یہاں بھی مل سکتی ہے.... اور اگر تم چاہو تو سوئیٹزر لینڈ کے

کی بینک میں تمہارے نام سے جمع بھی کرائی جاسکتی ہے۔!“

عمران کچھ نہ بولا۔ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا اور ہمفرے کو اس طرح دیکھنے لگا جیسے وہ کوئی عجوبہ

ہو۔ تھوڑی دیر بعد لزی واپس آگئی اس کے ہاتھوں میں کافی کی دو بیالیاں تھیں۔ ایک اس نے

عمران کی طرف بڑھادی اور دوسری سے خود پیتی رہی۔

”کیا تم نے اس شخص کی اصلی شکل بھی دیکھی ہے؟“ عمران نے ہمفرے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”اصلی شکل سے کیا مراد ہے۔!“

”نہ اس کا اصل نام ہمفرے نکولائی ہے اور نہ یہ اس کی اصلی صورت۔!“

”دونوں ہی باتیں میرے لئے حیرت انگیز ہیں۔!“ لڑی نے کہا۔

”آپ مسٹر مکی برنارڈ ہیں.... اپنے ملک کی سیکرٹ سروس کے اس یونٹ کے سربراہ جو

جاپان میں انقلابیوں کا قلع قمع کرنے کے لئے متعین کیا گیا تھا۔!“

”بلکہ اس ہے....!“ ہمفرے حلق کے بل چیخا۔

”جیسے میں نے اپنے چہرے پر ناتو ٹینک کا چھلکا چڑھا رکھا تھا اسی طرح اس نے بھی کسی چھلکے ہی

کی آڑ لے رکھی ہے۔ کہو تو اتار دوں وہ چھلکا۔!“

”خبردار میرے قریب نہ آنا....!“ ہمفرے غرایا۔

لیکن عمران آگے بڑھا اور اس کے قریب دوزانوں بیٹھ کر اس کی گردن ٹٹولنے لگا اور پھر لڑی

نے سچ مچ ہمفرے کے چہرے سے غلاف سا اترتے دیکھا۔

سر پر پائے جانے والے سفید بال بھی چھلکے کے ساتھ ہی اترتے چلے گئے تھے اور اب ایک

بہت ہی توانا اور جوان چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔

”مسٹر مکی برنارڈ....!“ عمران گھمبیر آواز میں بولا۔ ”مجھے اس سے قطعی سروکار نہیں کہ تم کیا

ہو۔ میں تو اُس قتل کے سلسلے میں تمہیں حراست میں لے رہا ہوں جو میرے ملک میں تمہارے

ہاتھوں ہوا.... یوکاوا کا قتل.... اور وہ میں اس بیچاری روزی کو تو بھول ہی گیا اور یہ لڑی کچھ

دنوں کے بعد گرما کر مار ڈالی جاتی۔!“

عمران خاموش ہو گیا۔ کمرے کی فضا پر گہرا سکوت طاری تھا۔ دفعتاً لڑی عمران کی طرف بڑھی اور

اپنے ہونٹ اسکی پیشانی پر رکھ کر سسکیاں لینے لگی۔ گرم گرم قطرے اسکی آنکھوں سے ڈھلکتے رہے۔



دوسرے دن صفدر اور عمران ”ادارہ تحقیقات نفسی“ کی عمارت کی طرف جا رہے تھے۔ صفدر

کا کارڈ رانیو کر رہا تھا اور عمران اس کے برابر بیٹھا کہہ رہا تھا۔ ”تین سال گزرے“ کیوشو انقلابی

جماعت“ نے ایک بیرونی اقتصادی غلبے سے نجات پانے کے لئے ایک پروگرام مرتب کیا تھا۔

ایسے تمام مقامی افراد کو ختم کر دینا چاہتی تھی جو اُس غلبے کے حامی تھے۔ لیکن برنارڈ عرصہ سے ان کی

ہاک میں تھا۔ اس نے عین وقت پر اُن سبھوں کو گرفتار کرادیا۔ جو بچ گئے تھے کچھ دنوں کے بعد

انہوں نے دوبارہ جماعت کی تنظیم کی اور اس تاریخ کو اپنے لئے مقدس عہد قرار دیا۔ جب ان کی

جماعت کے بہترین دماغ گرفتار کئے گئے۔ وہ تاریخ گیارہ نومبر تھی ساتھ ہی انہوں نے قسم کھائی

تھی کہ مکی برنارڈ کو اس کے یونٹ سمیت نیست و نابود کر دیں گے۔ برنارڈ حقیقتاً اُن سے دہشت زدہ

ہی ہو کر وہاں سے بھاگ نکلا تھا۔ وہ اس کی تلاش میں رہے.... پھر انہیں کسی طرح علم ہوا کہ وہ

یہاں ہے۔ لہذا گیارہ آدمیوں کی ایک جماعت مختلف طریقوں سے یہاں پہنچی۔ یوکاوا اُن کا سربراہ

تھا۔ یوکاوا اور ناتو ٹینک اپنی جماعت کے بڑے لوگوں میں سے تھے اور مکی برنارڈ انہیں پہچانتا تھا۔ بہر

حال وہ یہاں آئے اور مکی برنارڈ کے ہتھکنڈوں کی وجہ سے پھر اُس سے مار کھا گئے۔ ان لوگوں کے

لیڈروں میں ایک شخص کیتونا بھی تھا۔ گیارہ نومبر کے بعد سے وہ ایسا لاپتہ ہوا کہ پھر اس کا سراغ نہ

مل سکا۔ مکی برنارڈ اس سے بھی واقف تھا کیتونا بہت سینئر تھا اور اس نے پارٹی کے لئے بہت بڑے

بڑے کام کئے تھے۔ بہر حال برنارڈ صرف ان دونوں کو دیکھتا ہے اور یقین نہیں کر سکتا کہ صرف یہ

دو ہی ہوں گے۔ لہذا ایک دن وہ یوکاوا کو فون پر اطلاع دیتا ہے کہ وہ ان کا گمشدہ لیڈر ناکیتو ہے اور

عرصہ دراز سے مکی برنارڈ کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ وہ یوکاوا سے یہ بھی کہتا ہے کہ وہ اس کے سامنے

نہیں آسکے گا وہ اسے بتاتا ہے کہ مکی برنارڈ یہیں ہے لیکن کھل کر سامنے نہیں آ رہا ہے۔ اس کے

کچھ لوگ نظر میں ہیں ان کی نگرانی کی جائے۔ پھر وہ اُسے روزی کا پتہ بتاتا ہے اور لڑی کے لئے کہتا

ہے کہ یوکاوا اس سے دوستی کرنے کی کوشش کرے۔ روزی حقیقتاً برنارڈ کی داشتہ تھی۔!“

عمران خاموش ہو گیا۔ صفدر کچھ دیر بعد بولا۔ ”میں نے آپ سے اس ٹانگ کے بارے میں پوچھا تھا۔“

”بتاتا ہوں.... میں دراصل برنارڈ کی سفائی پر غور کرنے لگا تھا.... وہ اس کی داشتہ تھی اور اُس

نے تجربے کے طور پر ہراس پر آزمایا تھا۔ لڑی جو اس کی رفیق کار تھی اُسے بھی نہیں چھوڑا تھا۔

”تو یہ ڈاکٹر موند رے....!“

”نہیں موند رے قطعی بے قصور ہے۔ اول تو وہ برنارڈ کی اصلیت سے واقف نہیں تھا۔

دوسرے یہ کہ اُس نے وہ محلول کسی دوسرے مقصد کے تحت تیار کیا تھا۔ کسی طرح برنارڈ کو علم

ہو گیا کہ اُس کا مسلسل استعمال دل کو اتنا کمزور کر دیتا ہے کہ معمولی ساشاک بھی اس کے چیتھڑے

اُڑا دے۔ اُس نے اُس محلول کی خاصی بڑی مقدار ڈاکٹر کی لاعلمی میں چرائی اور اُسے آدمیوں پر

## عمران سیریز نمبر 55

# مناروں والیاں

(پہلا حصہ)

آزمانے لگا۔ ڈاکٹر نے جانوروں پر تجربات کئے تھے خود برنارڈ نے اعتراف کیا کہ موندے اس سلسلے میں قصور وار نہیں! بہر حال اس کے متعلق پوری طرح اطمینان کئے بغیر فی الحال اس کے بارے میں اظہار خیال غیر ضروری ہے۔ اسے بھی دیکھیں گے بہر حال وہ ناتو پنگ سے اور یو کاوا سے کام بھی لیتا رہا اور انہیں ختم کر دینے کے درپے بھی رہا۔ اس نے لڑی اور روزی کے بارے میں بتایا تھا کہ یہ برنارڈ کے پونٹ سے تعلق رکھتی ہیں۔! برنارڈ اس کھیل کو جلد سے جلد ختم کر دینا چاہتا تھا کیونکہ ایک غیر متعلق آدمی یعنی میں بھی بیچ میں آکودا تھا۔ خواہ میری حیثیت کچھ رہی ہو۔ لہذا وہ یو کاوا سے اس کے ساتھیوں کے بارے میں پوچھتا ہے۔ لیکن یو کاوا نے اب خطرے کی بو سونگھ لی تھی۔ اس نے بتانے سے انکار کر دیا اور برنارڈ نے اسے قتل کر دینے ہی میں بہتری سمجھی اس کی دانست میں ناتو پنگ زیادہ ذہین نہیں تھا اس لئے فی الحال اُسے زندہ رکھ کر اس کے بقیہ ساتھیوں کا سراغ پانا چاہتا تھا تم نے جس ہوٹل کے بارے میں بتایا تھا اس میں بڑی تعداد میں جاپانی آباد ہیں۔ ان میں بقیہ نو آدمیوں کو نکال لینا آسان کام نہیں تھا۔!“

”کیا لڑی مر جائے گی۔!“

”اگر وہ ڈاکٹروں کے مشوروں پر عمل کرتی رہی تو اس کا خدشہ نہیں رہے گا۔ ویسے اُس زہر سے دل متاثر ہو چکا ہے۔ وقت لگے گا سدھرنے میں۔!“

”یو کاوا کی لاش کا کیا ہوا.... پولیس کو تو اُس عمارت میں نہیں ملی تھی۔!“

”ہمفرے کے دونوں ساتھیوں نے اُس کی نشاندہی بھی کر دی ہے اُسے ایک جگہ دفن کر دیا

گیا تھا۔ بہر حال وہ برآمد کی جا چکی ہے۔ ابھی خاصی دشواریاں پیش آئیں گی۔!“

”کیسی دشواریاں....؟“

”وہ لڑی.... مسلط ہو گئی ہے میرے سر پر.... اور ظاہر ہے کہ اس دشواری کا تعلق آپ

حضرات کی ذات شریفہ سے ہرگز نہ ہوگا اور نہ وہ میاں ایکس ٹو سلمہ ہی ذمہ داری لیں گے۔ وہ مجھ

سے کہہ رہی تھی کہ تمہاری قبر تک میں گھس جاؤں گی۔ تم نے کیوں جان بچائی میری.... کیا آج

میں تمہیں زیادہ بے وقوف لگ رہا ہوں۔!“

صفدر نے نکھیوں سے اسے دیکھا.... وہ ایسا منہ بنائے بیٹھا تھا جیسے ڈاڑھ میں درد ہو رہا ہو۔

﴿ختم شد﴾

یہ ایک طویل کہانی کا پیش خیمہ ہے!

اس دوران میں عمران پسندوں کے لاتعداد خطوط موصول ہوئے، جو چاہتے ہیں کہ ”بوغا سیریز“ قسم کا ایک سلسلہ پھر پیش کروں!

دراصل ارادہ یہی تھا کہ ”مناروں والیاں“ منفرد کہانی ہو! لیکن جب اس کے پھیلاؤ کے امکانات کا جائزہ لیا تو یہی مناسب معلوم ہوا کہ اسے کسی سلسلے کی ایک کڑی ہی کی حد تک رکھنے پر اکتفا کر لیا جائے ورنہ ایک بار پھر آپ مجھ پر کہانی کا گلا گھونٹ دینے کا الزام عائد کریں گے!

ظفر الملک کی واپسی کا تقاضا بھی عرصے سے جاری تھا۔ میں نے سوچا اس طرح آپ کی یہ خواہش بھی پوری کر سکوں گا! اس سلسلے کا دوسرا ناول خاص نمبر جلد ہی پیش کرنے کی کوشش کروں.... انشاء اللہ....!

والسلام

ابن صفحہ

## پیش کش

اس کتاب کے بارے میں کچھ عرض کرنے سے پہلے میں اُن دونوں حضرات کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے پچھلے ناول ”دھواں ہوئی دیوار“ میں ایک فروگزاشت کی طرف توجہ دلائی ہے.... براہ کرم آپ بھی تصحیح کر لیجئے!

صفحہ ۱۱۰ پر ساتویں سطر میں.... ”وہ ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا“ قلمزد کر لیجئے!

ہوایہ کہ اس بے چارے کے دونوں ہاتھ پہلے سے پشت پر باندھ چکا تھا.... اس کے بعد یہ ہوا ہوگا کہ کوئی صاحب آٹپکے ہوں گے اور چھیڑ دی ہوں گی روس اور امریکہ کی باتیں (روس اور امریکہ میری بھی کمزوری ہیں۔ کیونکہ روسی برف باری کے دوران میں بھی آکس کریم بہت شوق سے کھاتے ہیں۔ اور امریکہ میں ہالی وڈ پایا جاتا ہے) بہر حال جب وہ صاحب تشریف لے گئے ہوں گے اور میں نے دوبارہ قلم سنبھالا ہوگا تو یہ بھول گیا ہوں گا کہ اس بے چارے کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے!

اب آئیے ”مناروں والیاں“ کے بارے میں کچھ عرض کروں

”ہائے کتمان صاحب مجھے بھی یقین نہیں آتا....!“

”تو جانتا ہے تیری اس بے ہودگی کا کیا نتیجہ ہو گا!“

”میری کیا خطا ہے جناب.... میں بالکل بے قصور ہوں۔!“

”یہاں عمران نے تم سے کہا کہ اس طرح میرا وقت برباد کرو....!“

”وہ اب اس دنیا میں کہاں جناب....! جو مجھ سے کچھ کہیں گے۔!“

”کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمہیں یہاں پکڑ لوں....!“

”جو دل چاہے کیجئے....! میں تو اب زندہ ہی نہیں رہنا چاہتا۔!“ سلیمان نے دوسری طرف سے کہا اور پھر رونے لگا۔

فیاض نے ریسور کریڈل پر بیٹھتے ہوئے اسے ایک گندی سی گالی دی اور فائل کی طرف متوجہ ہو گیا۔ پھر آدھے گھنٹے بعد دوبارہ فون کی گھنٹی بجی تھی اور اُس کے پرسنل اسٹنٹ نے دوسری طرف سے اُسے اطلاع دی تھی کہ عمران کا ملازم سلیمان اُس سے ملنا چاہتا ہے۔

”بھج دو!“ وہ آدھ گھنٹے میں غریبا اور ریسور کریڈل پر بیٹھ دیا۔ چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ توڑی دیر بعد سلیمان کمرے میں داخل ہوا۔ اس کی آنکھیں متورم اور سرخ تھیں۔ سچ جی یا معلوم ہوتا تھا جیسے دیر تک روتا رہا ہو! فیاض سے نظر ملتے ہی پھر دہائیں مارنے لگا۔

”تو کیا سچ جی....!“ فیاض بوکھلا کر اٹھتا ہوا بولا۔

سلیمان نے بدستور روتے ہوئے سر کو اٹھاتی جنبش دی۔

”لیکن کب.... کیونکر....!“

سلیمان نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر اس کی طرف بڑھادیا اور فرش پر اکڑدیں بیٹھ کر اس لفافہ پر اپنا منہ دبا کر رکھنے کی کوشش کرنے لگا جیسے اپنی موجودہ حالت پر قابو پانا چاہتا ہو۔! لفافہ پہلے ہی سے چاک تھا.... فیاض نے اس میں سے خط نکالا۔ تحریر عمران ہی کی تھی اور غلط سلیمان سے تھا۔

”سلیمان....! میں خود کشی کرنے جا رہا ہوں۔ تنگ آگیا ہوں اس زندگی سے! آخر میرے جینے کا فائدہ ہی کیا۔ کوئی بھی تو ایسا نہیں جسے اپنا کہہ سکوں۔ میرے فلیٹ میں جو کچھ بھی موجود ہے تم اور جوزف آپس میں تقسیم کر لو میرا یہ خط کیپٹن فیاض تک پہنچا دینا۔ تمہارے بعد سب



فون کی گھنٹی بجی اور کیپٹن فیاض نے جھلائے ہوئے انداز میں ریسور اٹھالیا۔

اس وقت وہ ایک ایسے فائل میں الجھا ہوا تھا جسے اپنی میز پر دیکھنا ہرگز پسند نہ کرتا لیکن اوپر والوں کا حکم....!

ماؤتھ پیس میں وہ حلق پھاڑ کر چیخا۔ ”ہیلو....!“

لیکن دوسری طرف سے دہائیں مار مار کر رونے کی آواز آئی۔

”کون ہے....!“

”سچ.... سچ.... جی میں ہوں۔!“

”تم کون ہو.... نام بتاؤ....!“ فیاض جھلا کر دہائیں

”س.... سلیمان....!“

”کون سلیمان....؟“

”اب.... یہ وقت آگیا ہے کہ.... کون سلیمان.... ہائے۔!“

”کیا بک رہا ہے.... کیا عمران کا باورچی....!“

”جی انہوں نے مجھے کبھی باورچی نہیں سمجھا.... ہائے.... اب کیا ہو گا ارے میرے

مالک۔!“ دوسری طرف سے رونا بدستور جاری رہا۔

”آخر کیا کیوں نہیں.... کیا بات ہے۔!“

”صاحب نے خود کشی کر لی....!“

”تیرا دماغ تو نہیں چل گیا۔!“

سے پہلے فیاض ہی کو میری موت کی اطلاع ملنی چاہئے اور کسی کو کچھ نہ بتانا۔!

فیاض نے طویل سانس لی.... پشت پر خود اُس کے نام پیغام تھا۔

”فیاض.... تمہیں میری لاش موڈل کالونی کی کوٹھی نمبر چھ سو چھیاسٹھ میں ملے گی۔!“

فیاض کے چہرے پر الجھن کے آثار صاف پڑھے جاسکتے تھے۔

اس نے سلیمان کی طرف دیکھا جو کسی حد تک اپنی حالت پر قابو پا چکا تھا۔!

”کوٹھی نمبر چھ سو چھیاسٹھ.... موڈل کالونی....!“ وہ آہستہ سے بڑبڑایا اور سلیمان سے

پوچھا۔ ”جوزف کہاں ہے....؟“

”پتہ نہیں جناب.... صبح اپنے کمرے میں نہ صاحب تھے اور نہ جوزف کا کہیں پتہ تھا۔“

لفافہ پڑا ہوا ملا تھا چونکہ اوپر میرا ہی نام لکھا ہوا تھا اس لئے میں نے کھول ڈالا۔!

”ہوں.... اچھا تم جاؤ.... میں دیکھوں گا....“ فلیٹ کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانا اور جب تک

میں نہ کہوں تم وہاں سے ہٹو گے بھی نہیں۔! جوزف واپس آئے تو اس سے اس کا تذکرہ ہرگز

کرنا۔ وہ اگر عمران کے بارے میں پوچھے تو سرسری طور پر لاعلمی ظاہر کر دینا۔!

”تو کیا سچ میرے صاحب....؟“

”بس زیادہ بات چیت نہیں....!“ فیاض ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”جو کچھ کہہ رہا ہوں کرو۔ فی الفا

اس کا ترکہ تقسیم کرنے نہ بیٹھ جانا۔ بس جاؤ۔!“

سلیمان باہر چلا گیا۔!

”کوٹھی نمبر چھ سو چھیاسٹھ....!“ فیاض بڑبڑایا اور تیزی سے فائل کی ورق گردانی کرنے لگا

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی خاص چیز کی تلاش ہو۔! ایک صفحے پر رکاوڑ تیزی سے اس کا جائزہ

کے بعد فون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔!

”ہیلو.... ماجد.... فوراً آؤ....!“ اس نے ماؤتھ پیس میں کہا اور ریسیور کریڈل پر رکھ

مضطر بانہ انداز میں ہاتھ ملنے لگا۔

کچھ دیر بعد انسپٹر ماجد کمرے میں داخل ہوا۔ فیاض اُسے بیٹھنے کا اشارہ کر کے فائل کے د

التھا ہوا بولا۔ ”یہ فائل پھر میرے پاس آگیا ہے۔!“

”کون سا فائل جناب....!“ انسپٹر ماجد نے فدیوانہ انداز میں پوچھا۔

”نام براؤن کیس....!“

”لیکن وہ کیس تو....!“

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ اُسے دوبارہ کیوں اکھاڑا جا رہا ہے۔!“ فیاض نے کسی قدر جھنجھلاہٹ

کے ساتھ کہا! چند لمحے خاموش رہا پھر بولا۔ ”کیا تمہیں وہ عمارت یاد ہے جہاں نام براؤن آخری

بار دیکھا گیا تھا۔!“

”موڈل کالونی کی ایک عمارت تھی جناب....! غالباً کوٹھی پانچ سو پچپن۔!“

”چھ سو چھیاسٹھ۔!“ فیاض نے تصحیح کی۔

”اب ذہن پر اچھی طرح زور دے کر بتاؤ۔ جب یہ کیس ہمارے پاس تھا تو عمران نے کسی قسم

کی دخل اندازی کی یا نہیں۔!“

”نہیں جناب.... دور دور تک پتہ نہیں تھا۔!“

”ہوں....!“ فیاض کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

”کیا اب دخل اندازی کر رہے ہیں۔!“ ماجد نے پوچھا۔

فیاض صرف اُسے گھور کر رہ گیا بولا نہیں۔ انداز سے ایسا معلوم ہوتا جیسے وہ اُس کی زبان سے

اس سوال کو نامناسب سمجھتا ہو۔!

”اٹھو....!“ خود فیاض اٹھتا ہوا بولا۔ ”ہمیں فوراً کوٹھی نمبر چھ سو چھیاسٹھ تک پہنچنا ہے۔!“

موڈل کالونی کی طرف روانگی فیاض کی کار کے ذریعے ہوئی تھی جسے ماجد ڈرائیو کر رہا تھا اور

فیاض پچھلی سیٹ پر تھا۔ وہ حفظ مراتب کا بڑا خیال رکھتا تھا۔ ماجد کی موجودگی میں خود کار ڈرائیو

کرنے سے اس کی شان گھٹ جاتی تھی۔

کوٹھی نمبر چھ سو چھیاسٹھ کا پھانک مقفل نظر آیا اور پر Tolet کا بورڈ بھی لگا ہوا تھا۔

فیاض نے طویل سانس لی اور پیشانی پر شکنیں ڈالے اس بورڈ کو گھورتا رہا۔

”پھانک کی ذیلی کھڑکی تو مقفل نہیں معلوم ہوتی۔!“ انسپٹر ماجد نے کہا۔

”ہاں.... اتر چلو....!“ فیاض چونک کر بولا۔

گاڑی سے اتر کر وہ پھانک کے قریب آئے اور ماجد نے کھڑکی کا بولٹ سرکاتے ہوئے دھکا دیا۔

لان پر دیرانی چھائی ہوئی تھی ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے عرصے سے اسکی دیکھ بھال نہیں ہوئی ہو۔!

فیاض متجسس نظروں سے چاروں طرف دیکھتا ہوا برآمدے کی طرف بڑھتا رہا!

برآمدے میں پہنچ کر وہ ماجد کی طرف مڑا۔

”دروازہ کھولو....!“ اس نے صدر دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

ماجد نے ہینڈل گھما کر دروازے کو دھکا دیا اور وہ کھلتا چلا گیا۔

”یہ بھی مقفل نہیں ہے!“ فیاض پر تشویش لہجے میں بڑبڑایا اور ہاتھ اٹھا کر اسے آگے بڑھنے سے روک دیا۔

”بڑی عجیب بات ہے۔!“ اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”ذیلی کھڑکی بھی مقفل نہیں ہے اور صدر دروازہ بھی۔!“

ماجد خاموشی سے پیچھے ہٹ آیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔

”میرا خیال ہے کہ اندر کوئی موجود ہے۔!“ فیاض پھر بولا۔

”ہو سکتا ہے لینڈ لارڈ خود موجود ہو۔!“

”ہشت! لینڈ لارڈ ہی کا تو پتہ نہیں چل سکا آج تک۔ اس عمارت کا کوئی بھی دعویدار نہیں ہے!“

”تو پھر کرایہ پردینے کے لئے بورڈ کس نے لگایا۔“

”یہ بھی دیکھنا پڑے گا۔!“

وہ کھلے ہوئے دروازے سے راہداری میں گھورتے رہے جو اعتقاد تک سنسان پڑی تھی۔

فیاض نے مڑ کر لان کی طرف دیکھا اور ماجد سے کہا۔ ”وہ پتھر اٹھلاؤ۔!“

ماجد نے اُسے حیرت سے دیکھا اور چپ چاپ برآمدے سے لان میں اتر آیا۔

پھر وہ پتھر فیاض نے راہداری میں اس طرح لڑھکایا تھا کہ فرش پر پھسلتا ہوا دوسرے رتبے تک چلا جائے۔

اُس کے شور سے راہداری گونج اٹھی تھی اور پھر پہلے ہی کا سناٹا طاری ہو گیا تھا۔

”چلو....!“ کچھ دیر بعد فیاض نے ماجد سے کہا۔ ”عمارت خالی معلوم ہوتی ہے۔!“

ماجد اُس سے یہاں آنے کی وجہ بھی نہیں پوچھ سکتا تھا۔ فیاض کے ماتحتوں میں اتنی جرات

نہیں تھی۔ وہ خود اگر مناسب سمجھتا تو اُن سے کسی مسئلے پر گفتگو کر لیتا وہ کسی بات کو سمجھنے کے

بھی اس سے کسی قسم کا سوال نہیں کر سکتے تھے۔!

وہ دونوں صدر دروازے سے راہداری میں داخل ہوئے! دونوں جانب کمروں کے دروازے

تھے اور اُن میں سے کوئی بھی کھلا ہوا نہ دکھائی دیا۔ لیکن اندر سے کوئی بھی بولٹ کیا ہوا نہیں ملا

تھا۔ انہوں نے سارے دروازے دھکے دے دے کر کھول دیئے۔

فیاض کا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبایا ہوا تھا اور پیشانی پر شکنیں تھیں۔

”یہ عمارت....!“ وہ تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”یقینی طور پر کسی کے استعمال میں رہی ہے۔ کہیں

بھی گرد کا نام و نشان نہیں۔!“

ماجد خاموش کھڑا تھا۔

دفعتاً راہداری گھنٹی کی آواز سے گونج اٹھی! پہلے تو فیاض کے چہرے پر ایسے آثار نظر آئے

جیسے معاملے کی نوعیت سمجھ ہی میں نہ آئی ہو! پھر تیزی سے راہداری کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔

”شائد برآمدے میں کوئی ہے۔!“

اُس نے جھٹکے کے ساتھ صدر دروازہ کھولا تھا۔

برآمدے میں دو آدمی نظر آئے۔

دونوں کے بال بے تحاشہ بڑھے ہوئے تھے اور ایک کے چہرے پر بے مرمت ڈاڑھی بھی

تھی۔ دونوں جوان العمر تھے بغیر ڈاڑھی والا خوش شکل اور وجیہ تھا۔ آنکھوں سے ظاہر ہونے

والی توانائی کی بناء پر اس کی جسمانی قوت کا اندازہ بھی لگایا جاسکتا تھا۔

”ہم اشتہار دیکھ کر آئے ہیں۔!“ اس نے آگے بڑھ کر کہا۔

”کیسا اشتہار....؟“ فیاض کا لہجہ درشت تھا۔

”اوہ تو کیا اس عمارت کا نمبر چھ سو چھیاسٹھ نہیں ہے۔!“

”یقیناً ہے۔!“ فیاض اسے گھورتا ہوا بولا۔

”کیا اسے کرائے پر اٹھانے کے لئے اشتہار نہیں دیا گیا تھا....؟“

”ہرگز نہیں۔!“

دفعتاً ڈاڑھی والا آگے بڑھ کر بولا۔ ”کتنی بوتلوں کا نشہ ہے مسٹر۔!“

”کیا مطلب....؟“ فیاض غرایا۔

اُس نے اپنے تھیلے سے تازہ اخبار نکال کر ایک کالم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ ”یہ کیا ہے؟“

فیاض نے اس کے ہاتھ سے اخبار لے کر بتائی ہوئی جگہ پر نظر ڈالی سچ اس عمارت کو کراہے پر اٹھانے کے لئے اشتہار دیا گیا تھا۔

”ہوں....!“ وہ انہیں گھورتا ہوا بولا۔ ”اچھا اندر آ جاؤ....!“

دونوں اس کے ساتھ ایک کمرے میں آئے یہاں متعدد کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔

فیاض نے انہیں بیٹھنے کو کہا اور جیب سے نوٹ بک نکال کر اس کی ورق گردانی کرتا ہوا بولا۔ ”اپنے نام بتاؤ!“

”کیا ہم شادی کرنے آئے ہیں یہاں۔!“ ڈاڑھی والے نے حیرت سے پوچھا۔

”یہ کیا بکواس ہے....؟“ فیاض کی کنپٹیاں گرم ہو گئیں۔

”جیمن.... یو شٹ اپ....!“ دوسرا آدمی بولا۔ ”مجھے بات کرنے دو!“ پھر اس نے فیاض سے کہا۔ ”گفتگو کرنے کا یہ طریقہ نہیں ہے! قاعدے کے مطابق پہلے ہمیں مکان کو کرایہ پر دینے کی شرائط سے آگاہ کیا جانا چاہئے۔ جب ہم رضامند ہو جائیں گے تو اپنے نام بھی بتادیں گے۔!“

فیاض پر تفکر انداز میں اسے گھورتا رہا۔

”کرایہ کتنا ہے۔!“ خوش شکل آدمی نے کچھ دیر بعد سوال کیا۔

”کیا تم نے پھانک پر لگے ہوئے قفل کو غور سے نہیں دیکھا....؟“ فیاض نے دفعتاً نرم لہجہ اختیار کرتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں....! ہم ذیلی کھڑکی سے اندر داخل ہوئے تھے۔!“

”قفل پر کپڑا چڑھا ہوا ہے اور سلائی کے جوڑوں پر سیلیں لگی ہوئی ہیں۔!“

”اب اگر یہاں قفلوں کو بھی کپڑے پہنائے جاتے ہیں تو اس میں ہمارا کیا قصور۔!“ ڈاڑھی والے نے مضحکہ انداز میں ہنس کر کہا۔

فیاض کے چہرے پر ناگواری کے آثار نظر آئے لیکن پھر فوراً سنبھل کر بولا۔ ”یہ بات نہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ عمارت پولیس کسٹی میں ہے۔!“

”کیا مطلب....؟“ دوسرا آدمی چونک پڑا۔

”پولیس نے غالباً اس عمارت کو مقفل کر کے سیل کر دیا تھا۔!“ فیاض بولا۔ ”لیکن کسی نے ذیلی کھڑکی کھول لی۔!“

”تو پھر آپ کون ہیں جناب....! اور یہاں کیا کر رہے ہیں۔!“ دوسرے آدمی نے سوال کیا۔

”بتاؤ....!“ فیاض انسپکٹر ماجد کو گھورتا ہوا بولا اور ماجد نے آگے بڑھ کر کہا۔ ”ہم بھی اشتہار دیکھ کر آئے تھے۔“

”بڑی عجیب بات ہے۔!“ دوسرا آدمی بڑبڑایا۔ ”ہم تو احمق ہیں کہ سیل کیا ہوا قفل نہ دیکھ سکے

اور اندر چلے آئے لیکن آپ جیسے عقل مند آدمیوں کو کیا ہوا تھا۔!“

”کیا مطلب....؟“ فیاض اُسے پھر گھورتا لگا۔

”ہمیں کیا....؟“ ڈاڑھی والے نے لا پرواہی سے کہا۔ ”اگر ہم نے ضروری سمجھا تو پولیس کو

مطلع کر دیں گے۔!“

”کس بات سے جناب عالی....!“ انسپکٹر ماجد نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

”یہی کہ کوٹھی نمبر چھ سو چھیاسٹھ اب مقفل نہیں رہی۔!“ ڈاڑھی والے نے براہِ سامنے بنا کر کہا۔

”مارو گولی.... ہمیں کیا....!“ دوسرے آدمی نے لا پرواہی سے شانوں کو جنبش دی اور اپنے

ساتھی سے بولا۔ ”چلو اٹھو....!“

”آپ لوگ اپنے نام اور پتے لکھوائے بغیر نہیں جاسکتے۔!“ ماجد بولا۔

دوسرا آدمی ہنس پڑا۔ ڈاڑھی والا کسی بد مزاج بندر کی طرح دانت نکال کر ماجد کو گھورتا لگا تھا۔

دوسرے آدمی نے اپنے سینے پر کلمے کی انگلی رکھ کر کہا۔ ”بعض لڑکیاں مجھے پرنس چارمنگ

کہتی ہیں اور میں ان کے دلوں میں رہتا ہوں۔ یہ تو ہوا.... میرا نام اور پتہ.... اور یہ اپنا نام اور

پتہ خود ہی بتائے گا۔!“

وہ ڈاڑھی والے کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

میں اپنا نام اور پتہ نہیں بتا سکتا۔!“ ڈاڑھی والا غرایا۔

فیاض نے جیب سے قلم نکالا اور ماجد سے بولا۔ ”اگر یہ نام اور پتہ نہ بتائیں تو انکے جھنجھڑیاں لگا دو۔!“

”کیا مطلب....؟“ دونوں کی زبان سے بیک وقت نکلا۔

”تمہیں اس اشتہار سے متعلق جواب دہی کرنی پڑے گی۔!“ فیاض غرایا۔ ”اس عمارت میں

داخل ہونے کے لئے تم لوگوں نے اشتہار کا بہانہ تراشا ہے۔!“

”بہانہ....؟“ ارے کیا تمہیں انگریزی نہیں آتی۔ اخبار تمہارے ہاتھ میں ہے۔!“



”اشتہار بھی خود تم نے ہی چھپوایا ہو گا۔“ فیاض نے خشک لہجے میں کہا۔

”تم یقیناً کوئی مسخرے ہو۔“ ڈاڑھی والا وحشیانہ انداز میں ہنسا۔

”بکواس بند کرو....!“ فیاض آپے سے باہر ہو گیا۔

”اتنے میں ماجد اپنے ہینڈ بیگ سے ہتھکڑیاں نکال چکا تھا۔“

”تو اس کا یہ مطلب کہ.... پپ.... پولیس....!“ دوسرا آدمی ہلکایا۔

”ہتھکڑیاں لگ جانے کے بعد تم سب کچھ سمجھ جاؤ گے۔“ فیاض نے خشک لہجے میں کہا۔

”ویل مسٹر آفیسر....!“ دوسرا آدمی سنجیدگی سے بولا۔ ”یقین کرو کہ اس اشتہار سے ہمارا

کوئی تعلق نہیں۔!“

”اب تمہیں یہ ثابت کرنا پڑیگا کہ تم اتنی بڑی عمارت کا کرایہ ادا کر نیکی حیثیت رکھتے ہو یا نہیں۔“

”یہ ہم ثابت کر دیں گے....!“ ڈاڑھی والے نے غصیلے لہجے میں کہا۔

دفعۃً عمارت کے کسی دور افتادہ حصے سے ایک چیخ ابھری.... بالکل ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے

کسی نے اچانک کسی عورت پر حملہ کیا ہو۔

چیخ پھر سنائی دی لیکن اس بار کچھ کھٹی گھٹی سی تھی۔

”دیکھو....!“ فیاض اٹھتا ہوا ماجد سے بولا۔



اُس نے اپنا چہرہ اُور کوٹ کے اٹھے ہوئے کالر میں اس حد تک چھپا رکھا تھا کہ راگبیروں کی

نظر اس پر نہ پڑ سکے۔

وہ شہر کے ایک گنجان آباد علاقے کی گلیوں سے گذر رہا تھا۔ دفعۃً ایک جگہ رک کر وہ مڑا اور نم

روشن گلی کے سرے کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر بائیں جانب والے ایک مکان کے دروازے پر دستک دے

اس جگہ اتنی روشنی نہیں تھی کہ اس کے چہرے کو بخوبی دیکھا جاسکتا تھا۔ اسی لئے اس نے

اُور کوٹ کا کالر نیچے گرادیا تھا۔

دروازہ ہلکی سی آواز کے ساتھ کھلا اور اندر داخل ہو گیا۔ سامنے ایک دہلی پتلی لڑکی کھڑی تھی۔

”نہیں.... نہیں.... ڈیڈی گھر پر موجود نہیں۔!“ وہ سہمی ہوئی آواز میں بولی۔

”میں انتظار کروں گا۔!“ اُس نے مڑ کر دروازہ بولٹ کرتے ہوئے کہا۔

اب اُس کا چہرہ روشنی میں تھا۔ خوفناک آنکھوں والا یہ آدمی کسی مغربی ملک سے تعلق رکھتا تھا۔

لڑکی سانولی ہی تھی لیکن اسکرٹ اور بلاؤز میں ملبوس تھی۔ وہ قریب والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

لڑکی جہاں تھی وہیں کھڑی رہی۔

وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔ لیکن چہرے پر ایسے ہی آثار تھے جیسے اس آدمی کے

روپ میں ملک الموت نے دروازے پر دستک دی ہو۔

”ڈیڈی گھر پر موجود نہیں۔!“ وہ ایک بار پھر کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔

”میں اس کی واپسی کا انتظار کروں گا۔!“ جواب ملا۔

”مم.... مجھے خوف معلوم ہو رہا ہے۔!“ لڑکی رو دینے کے سے انداز میں بولی۔

اجنبی نے تاریک شیشوں کی عینک نکالی اور اسے آنکھوں پر چڑھاتا ہوا بولا۔ ”خوف زدہ ہونے

کی کوئی وجہ نہیں! وہ میرا بہت اچھا دوست ہے۔!“

عینک لگاتے ہی گویا اُس کی شخصیت ہی بدل گئی تھی۔ چہرے پر پائی جانے والی کرخنگی کا اب کہیں

پتہ نہ تھا۔ پتلے پتلے ہونٹوں اور ستواں ناک کی بناء پر وہ ایک نازک مزاج آدمی معلوم ہونے لگا تھا۔

”تم کھڑی کیوں ہو....!“ اس نے کچھ دیر بعد نرم لہجے میں کہا۔ ”بیٹھ جاؤ۔!“

”شش.... شکریہ۔!“ وہ ایک گوشے میں پڑی ہوئی کرسی کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ تم اتنی نروس کیوں ہو۔!“

”لگ.... کچھ نہیں....!“

”کوسی.... تم جھوٹ بول رہی ہو۔!“

”نن.... نہیں....!“

”کچھ بد اخلاق بھی ہو گئی ہو! تم نے مجھ سے چائے کو بھی نہ کہا۔!“

”چائے....؟“

”ہاں.... چائے.... آج ٹھنڈک زیادہ ہے۔!“

”آپ کو تنہا بیٹھنا پڑے گا۔!“

”تم اس کی پرواہ نہ کرو.... میں الماری سے کوئی کتاب نکال لوں گا۔!“

لوسی اٹھ گئی اسکے انداز میں ہچکچاہٹ تھی! ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اُسے تنہا نہ چھوڑنا چاہتی ہو۔

وہ مسہری کو گھورتا رہا.... پھر آگے بڑھ کر فرش تک لہراتی ہوئی چادر الٹ دی۔  
 مسہری کے نیچے ایک بھاری جسم والا آدمی چپٹ پڑا نظر آیا۔  
 ”گڈاپونگ مسٹر ڈی سوزا....!“ اجنبی نے زہریلے لہجے میں اُسے مخاطب کیا۔  
 مونے آدمی کی سانسیں اور تیزی سے پھولنے لگی تھیں اور وہ کسی خوف زدہ پرندے کی طرح  
 سے ایک ٹک دیکھے جا رہا تھا۔  
 ”باہر نکلو....!“ دفعتاً اجنبی غرایا۔  
 مونہا آدمی لیٹے ہی لیٹے مسہری کے نیچے سے نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔  
 اجنبی کی آنکھیں پہلے سے بھی زیادہ خوف ناک ہو گئی تھیں۔ اس نے ڈی سوزا کا گریبان پکڑ  
 اُسے فرش سے اٹھاتے ہوئے ایک کرسی پر دھکیل دیا۔  
 ”موت کے فرشتے کا دوسرا نام کر سٹوپاؤلس ہے۔!“  
 ”مم.... موسیو کر سٹوپاؤلس....!“ ڈی سوزا گڑبڑایا۔  
 ”تم مجھ سے چھپتے کیوں پھر رہے ہو۔!“  
 ”مم.... میں خائف ہوں.... موسیو....!“  
 ”کس سے خائف ہو....؟“ کر سٹوپاؤلس غرایا۔  
 ”وہ پھر کوٹھی نمبر چھ سو چھیاسٹھ کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں۔!“  
 ”تم تو پولیس سے خائف ہو۔!“ کر سٹوپاؤلس کے لہجے میں بے اعتباری تھی۔  
 ”میں آپ سے خائف ہوں موسیو....!“  
 ”کیوں....؟“  
 ”کوٹھی کی گمرانی میرے ذمے تھی! پولیس نے اُس کے قتل کو سیل کر دیا تھا۔ اس کے  
 وجود بھی وہ ہمارے ہی استعمال میں تھی لیکن....!“  
 ”لیکن کیا....؟“  
 ”کسی نے اُس کو کرائے پر دینے کے لئے اشتہار دے دیا۔!“  
 ”ہوں....! مجھے علم ہے۔!“ کر سٹوپاؤلس نے خشک لہجے میں کہا۔ ”لیکن تم اس طرح چھپ  
 بول رہے تھے۔!“

”تم کیا سوچنے لگیں۔!“  
 ”کچھ نہیں۔!“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔  
 اجنبی بیٹھا رہا۔ وہ بالکل کسی بت کی طرح بے حس و حرکت نظر آ رہا تھا۔  
 تھوڑی دیر بعد لڑکی چائے کی ٹرے سنبھالے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ اٹھا اور اس  
 کے ہاتھ سے ٹرے لے کر چھوٹی میز پر رکھ دی۔ پھر نرم لہجے میں بولا۔ ”لو سی! تم بہت اچھی لڑکی  
 ہو۔ میں تمہیں پسند کرتا ہوں.... بیٹھ جاؤ.... بہت زیادہ نروس ہو! میں خود ہی چائے بنا لوں گا۔  
 تم کتنی شکر جیتی ہو....؟“  
 ”اوہ.... آپ تکلف نہ کریں.... میں بنا لوں گی۔!“  
 ”نہیں تم آرام سے بیٹھ جاؤ۔!“  
 ”وہ سامنے والی کرسی پر بیٹھتی ہوئی ہلکائی۔“ ”پپ.... پتا نہیں.... ڈڈ.... ڈیڈی کب آئیں۔!“  
 ”اچھا میں چائے پی کر چلا جاؤں گا.... تم کسی قسم کا بار اپنے ذہن پر نہ لو۔!“ اجنبی نے کہا اور  
 چائے کی پیالی اس کی طرف بڑھادی۔  
 ”شکریہ جناب....!“ لوسی نے اٹھ کر بڑے ادب سے چائے کی پیالی اُسکے ہاتھ سے لے لی۔  
 دونوں خاموشی سے چائے پیتے رہے۔ لڑکی کی آنکھیں نیند کے دباؤ سے بو جھل ہوتی جا رہی  
 تھیں۔ پیالی میز پر رکھ کر اس نے جمائی لی اور اس طرح آنکھیں پھاڑنے لگی تھی جیسے نیند سے  
 چھٹکارا پانے کی کوشش کر رہی ہو۔  
 پھر دفعتاً وہ کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گئی۔ اس کی آنکھیں پوری طرح بند ہو گئی تھیں۔ پوٹوں  
 میں ہلکی سی جنبش بھی باقی نہیں رہی تھی۔  
 اجنبی نے آنکھوں سے عینک الگ کر کے جیب میں ڈالی اور اٹھ کر لڑکی کے قریب آیا۔ اس کی  
 پیشانی پکڑ کر ہلاتے ہوئے ہلکی ہلکی آوازیں بھی دیں لیکن لوسی کی آنکھیں نہ کھلیں وہ گہری گہری  
 سانسیں لے رہی تھی۔  
 پھر اجنبی اُسے وہیں چھوڑ کر دوسرے کمرے میں آیا۔ اب وہ ایسے انداز میں ایک ایک کمرہ  
 دیکھتا پھر رہا تھا جیسے کسی کی تلاش ہو۔ بالآخر بیڈ روم میں داخل ہوا.... یہاں ایک بڑی مسہری تھی  
 اور کچھ تھوڑا سا فرنیچر سلیتے سے لگایا گیا تھا۔

”جواب دہی سے بچنے کے لئے موسیو!“ وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔

”تم جتنے موٹے ہو.... اتنے ہی احمق بھی ہو۔ تمہاری اس بدحواسی کی بناء پر لوسی پریشان ہو گئی تھی۔ آخر تم نے اُسے کیا بتایا تھا!“

”کچھ بھی نہیں....! وہ جانتی ہے کہ میں آپ کا مقروض ہوں اور اس لئے چھپنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ ادا کرنے کے لئے رقم نہیں ہے۔!“

”مجھے خواہ مخواہ اُسے چائے میں بے ہوشی دینی پڑی۔!“

”اوہ....!“ ڈی سوزا مضطربانہ انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔

”بیٹھ جاؤ....!“ کرستوپاؤلس نے خشک لہجے میں کہا۔ ”وہ سنگ روم میں سو رہی ہے۔ مجھے شبہہ تھا کہ تم گھر میں موجود ہو اسی لئے۔!“

دفعتاً گھنٹی کی آواز گونجی اور کرستوپاؤلس خاموش ہو کر ڈی سوزا کو گھورنے لگا۔

”پتہ نہیں کون ہے....!“ ڈی سوزا تھوک بگل کر بولا۔

”جاؤ دیکھو....! لیکن ٹھہرو.... لوسی کو سنگ روم سے اٹھا کر اس کے کمرے میں پہنچا دینا۔ دو گھنٹے سے پہلے اس کی نیند ختم نہیں ہوگی۔!“

”بہت اچھا موسیو....!“ ڈی سوزا نے کہا اور کمرے سے چلا گیا۔

کرستوپاؤلس پر تجسس نظروں سے کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد ڈی سوزا واپس آگیا۔

”کون ہے....؟“ کرستوپاؤلس نے پوچھا۔

”چھ سو چھیانوے والے تہہ خانے کا محافظ.... میں اسے سنگ روم میں بٹھا آیا ہوں۔ کوئی ضروری بات کرنا چاہتا ہے۔ کیا آپ ہماری گفتگو سنیں گے۔!“

”ہاں چلو....!“ کرستوپاؤلس اٹھتا ہوا بولا۔

ڈی سوزا سنگ روم میں داخل ہوا۔ یہاں ایک طویل قامت آدمی آرام کر سی پر نیم دراز تھا۔

لڑکی کو ڈی سوزا نے کرستوپاؤلس کی ہدایت کے مطابق پہلے ہی یہاں سے دوسرے کمرے میں منتقل کر دیا تھا۔

وہ آدمی ڈی سوزا کو دیکھ کر کرسی سے اٹھ گیا۔

”بیٹھو بیٹھو....!“ ڈی سوزا نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”بہت اچھا ہوا کہ تم آگے۔ ورنہ میں خود ہی تم سے رابطہ قائم کرتا۔ کوٹھی کو کرایہ پر دینے کے لئے اشتہار تمہاری دانست میں کس نے دیا ہوگا۔!“

”یہی میں آپ سے پوچھنے آیا ہوں۔!“

”بڑی عجیب بات ہے۔!“

”میں نے ان دونوں آفیسروں کو پکڑ لیا ہے۔!“

”کیا مطلب....؟“

”ایک محکمہ سرانجام رسانی کا سپرنٹنڈنٹ ہے اور دوسرا انسپکٹر....! جس وقت وہ دونوں عمارت میں داخل ہوئے تھے میں وہیں موجود تھا۔ مجبوراً تہہ خانے میں پناہ لینی پڑی۔“

”میں پوچھ رہا ہوں تم نے انہیں کیوں پکڑا....؟“

”نہ پکڑتا تو خود پکڑا جاتا.... پہلے وہ دونوں آئے تھے۔ پھر دو آدمی اور آئے جو اشتہار دیکھ کر عمارت کرائے پر حاصل کرنے آئے تھے۔ وہ دونوں انکے سر ہو گئے اور انہیں گرفتار کر لینے کی دھمکی دی۔!“

”میں پوچھ رہا ہوں تم نے انہیں پکڑا کیوں....؟“ ڈی سوزا ایک دم بھڑک اٹھا۔

”تہہ خانے میں لاکھوں روپے کا مال موجود تھا جس کی ذمہ داری مجھ پر تھی۔!“

”تو پھر....؟“

”دیکھئے مسٹر ڈی سوزا مجھے ایسے کسی موقع کے لئے کوئی مخصوص ہدایت نہیں دی گئی تھی۔ لہذا جو میری سمجھ میں آیا کر گذرا.... لیکن یقین کیجئے ان دونوں کے بارے میں اُن کے مجھے کو قطعی علم

نہیں کہ وہ کہاں ہوں گے۔ انہوں نے اپنی روانگی نہیں تحریر کی تھی۔ دوپہر سے اس وقت تک میں اسی ٹوہ میں رہا ہوں۔ ان کے ماتحتوں اور آفیسروں کو ان کے غائب ہو جانے پر تشویش ہے۔“

ڈی سوزا کچھ سوچ رہا تھا تھوڑی دیر بعد اُس نے پوچھا۔ ”تم نے انہیں پکڑا کیونکر....؟“

”ایک عورت کی چیخ کا ریکارڈ بجا کر.... بوکھلاہٹ میں وہ دونوں تہہ خانے کے راستے کے

قریب آ پہنچے تھے بس پھر میں نے انہیں پھانسل لیا۔!“

”اور اُن دونوں کا کیا ہوا جو عمارت کرائے پر حاصل کرنے آئے تھے۔!“

”انہیں بھلا کیونکر جانے دیتا.... مجبوراً انہیں بھی پکڑنا پڑا۔ وہ ان آفیسروں کو تلاش کرتے

پھر رہے تھے کہ اُن پر بھی میرا داؤ چل گیا۔!“

”اور وہ چاروں اس وقت اسی تہہ خانے میں موجود ہیں۔“ ڈی سوزا نے پوچھا۔

جواب اثبات میں پاکر وہ اٹھتا ہوا بولا۔ ”اچھا تم بیٹھو میں تمہارے لئے چائے تیار کراؤں۔ امی دیر میں شائد کوئی معقول تدبیر بھی سوچ جائے۔“

”شکریہ....! آج ٹھنڈک بڑھ گئی ہے۔“

وہ اسے سٹنگ روم میں چھوڑ کر دوسرے کمرے میں واپس آیا۔ کرسٹوپاؤلس یہاں موجود تھا۔ ”اس سے حماقت سرزد ہوئی ہے۔“ وہ غرایا۔ ”عمارت کو مقفل کر دینے کے بعد وہ لوگ صرف اُس کی ملکیت کے بارے میں چھان بین کرتے رہے تھے۔! تہہ خانے کا علم انہیں کبھی نہ ہو سکتا۔! لیکن اس احمق نے سارا کھیل بگاڑ دیا۔“ وہ چند لمحے خاموش رہ کر پھر بولا۔ ”آخر اشتہار کس نے شائع کر لیا۔ محض اشتہار کی بناء پر وہ دوبارہ عمارت کی طرف متوجہ ہوئے۔!“

”میں خود بھی سوچ رہا ہوں جناب....!“ ڈی سوزا نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”اب اس احمق کا زندہ رہنا ہمارے لئے مناسب نہ ہو گا۔“

”کس کا جناب....!“ ڈی سوزا نے بوکھلا کر پوچھا۔

”جسے چائے پلانے جا رہے ہو.... اچھی بات ہے.... تم جا کر اُسے باتوں میں لگاؤ.... میں چائے تیار کروں گا۔!“

”آپ.... یعنی کہ آپ....؟“

”ہاں.... جاؤ....!“ وہ اُسے دروازے کی طرف دھکیلتا ہوا بولا۔

”میں ہی چائے پہنچاؤں گا.... وہ مجھے نہیں جانتا۔!“

”لیکن.... لیکن....!“ ڈی سوزا دفعتاً بہت زیادہ خائف نظر آنے لگا۔

”تم خطرے میں ہو ڈی سوزا.... وہ بیوقوف آدمی ہے۔ اگر پکڑا گیا تو ہم تک پولیس کی رہنمائی کر دے گا۔!“

”اوہ.... سچ.... جی ہاں....!“

”اچھا.. ٹھہرو.. اگر تم نہیں چاہتے کہ میں اُسکے سامنے آؤں تو تم ہی اندر آکر چائے لے جانا۔“

”جی ہاں.... جی ہاں....!“ وہ جلدی سے ولا۔ ”یہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔!“

وہ سٹنگ روم میں واپس آگیا اور پانچ چھ منٹ تک اُس سے اس عمارت کے متعلق مزید گفتگو

کر رہا۔ پھر چائے کے لئے اٹھ گیا۔

کچن میں کرسٹوپاؤلس نے چائے کی ٹرے سجادی تھی۔!

”دیکھو....!“ اس نے ڈی سوزا سے کہا۔ ”یہ نیلے رنگ کی پیالی اس کے لئے ہے۔! اگر دھوکے سے تم نے اس میں چائے پی لی تو تم بے ہوش ہو جاؤ گے اور وہ بیچارہ جائے گا۔!“

”بیہوش....؟“

”ہاں ہاں....! اسے بیہوش کر کے میں یہاں سے ہٹالے جاؤں گا۔!“

چائے کی ٹرے اٹھاتے وقت ڈی سوزا کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ سٹنگ روم میں پہنچ کر اس نے ایک بار پھر ذہن میں دہرایا کہ اس آدمی کے لئے کس پیالی میں چائے انڈیلنی ہے۔!

ان دونوں نے خاموشی سے چائے کے پہلے گھونٹ لئے اور خاموشی ہی سے مر گئے وہ آمنے سامنے بیٹھے تھے اور اُن کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں کہ یہ کیا ہو گیا۔

دروازے کا پردہ ہٹا کر کرسٹوپاؤلس کمرے میں داخل ہوا اور میز کے قریب آکھڑا ہوا۔ اس کے ہونٹوں پر سفاک سی مسکراہٹ تھی۔ آنکھیں پہلے سے بھی زیادہ خوف ناک نظر آنے لگی تھیں۔

وہ دونوں بلاشبہ مر چکے تھے۔ اس نے انہیں ہلا جلا کر دیکھا تھا۔ لاشیں حیرت انگیز طور پر اکڑ گئی تھیں۔ وہ پھر اندر آیا۔ اس کمرے میں پہنچا جہاں لڑکی سو رہی تھی۔

اس کے سر کے نیچے سے نکیہ نکال کر منہ پر ڈال دیا اور جھک کر گھاگھونٹنے لگا۔

وہ بُری طرح جھلی تھی اور بالآخر ساکت ہو گئی تھی۔

کرسٹوپاؤلس کے انداز سے قطعی نہیں ظاہر ہوتا تھا کہ وہ جلدی میں ہے یا کسی قسم کی بے اطمینانی میں مبتلا ہے۔ چاروں طرف عجیب سا غم انگیز سناٹا طاری تھا۔

تینوں لاشیں وہیں چھوڑ کر وہ چھت پر چڑھا اور عقبی دیوار سے لگے ہوئے سینٹری پائپ کے سہارے گلی میں اتر گیا۔ گلی بالکل تاریک تھی۔!



فیاض اور ماجد تہہ خانے سے نکلنے کا راستہ تلاش کرتے پھر رہے تھے اور وہ دونوں دیوار سے ٹک لگائے بیٹھے انہیں ایسی نظروں سے دیکھ رہے تھے جیسے اُن سے پھر کوئی بڑی حماقت سرزد

ہونے والی ہو۔

دفعۃ فیاض مزا اور تیزی سے ان کے قریب پہنچ کر دباڑا۔ ”یہ سب کیا ہے!“

ڈاڑھی والا اٹھتا ہوا بولا۔ ”ہمارا مقبرہ!“

”بکو اس بند کرو.....!“

”آپ تو سمجھ ہی میں نہیں آتے جناب.....!“ دوسرے نے کہا۔ ”سوال کرتے ہیں جواب دیا جاتا ہے تو اس پر تاؤ دکھاتے ہیں۔ پتہ نہیں کس گریڈ کے آفیسر ہیں۔!“

”شٹ اپ.....!“

ماجد بھی پلٹ آیا تھا! وہ گھونہ تان کر بولا۔ ”اگر تم لوگ خاموش نہ رہے تو اچھا نہ ہو گا۔!“

ڈاڑھی والے نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”میرا نام جیمسن ہے اور میں اپنے وقت کا مانا ہوا

باکسر بھی ہوں۔!“

دفعۃ دوسرا آدمی دونوں کے درمیان آتا ہوا بولا۔ ”اس جیل میں ہم سب قیدی ہیں۔ بات

نہ بڑھے تو بہتر ہے۔!“

”تم دونوں کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔!“ فیاض ان کے قریب آکر آہستہ سے بولا اور ماجد

کو پیچھے ہٹ جانے کا اشارہ کیا۔

”آپ لوگوں کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔!“ ڈاڑھی والے کا ساتھی ٹھنڈی سانس

لے کر بولا۔

”تم دونوں یہاں سے چلے کیوں نہ گئے۔!“ فیاض نے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

”آپ دونوں کیوں پھنس گئے.....؟“

”میرے سوال کا جواب دو.....!“

”ختم کرو باس.....!“ ڈاڑھی والا ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”ان لوگوں سے بحث کرنے میں ہماری

اردو چوہٹ ہو جائے گی۔ بڑی مشکل سے تو قابو میں آئی ہے۔!“

”تم ٹھیک کہتے ہو! مجھے یہ سوچنا چاہئے کہ اگر اس تہہ خانے سے نکل گئے تو رہیں گے کہاں۔!“

”تم لوگ آخر ہو کیا بلا.....؟“

”میرا نام ظفر الملک ہے اور یہ جیمسن... نام تو حقیقتاً جمن ہے لیکن جمن کہیں تو بُرا مان جاتا ہے۔!“

”پلیز باس.....!“ ڈاڑھی والے نے ہاتھ اٹھا کر احتجاج کیا۔

”کیا کرتے ہو.....؟“

”دن رات سوچا کرتے ہیں کہ کیا کرنا چاہئے۔!“

”تمہیں یہاں کس نے بھیجا ہے.....؟“

”جناب عالی! یہ سوال آپ پہلے بھی کر چکے ہیں اور میں اس کا جواب بھی دے چکا ہوں۔!“

”علی عمران کو جانتے ہو.....؟“

”علی عمران.....؟ نام تو سنا ہے..... ادھ اچھا..... وہ ڈائریکٹر جنرل کے صاحب زادے۔!“

”وی۔ وی..... وی.....!“

”جی ہاں..... میں انہیں جانتا ہوں۔!“

”اس نے بھیجا ہے تمہیں.....؟“

”ہرگز نہیں..... اُن سے تو شاید پچھلے سال پیرس میں ملاقات ہوئی تھی۔!“ کیوں جیمسن۔!“

”پلیز باس.....!“ ڈاڑھی والا ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اُس آدمی کا ذکر سننا میں پسند نہیں کرتا۔!“

”کیوں.....؟ تم اس سے اتنے بیزار ہو۔!“ فیاض نے نرم لہجے میں پوچھا۔

”فراڈ آدمی ہے! پچھلے سال مجھے قائل معقول کر کے میری ڈاڑھی منڈوا دی تھی۔ پھر کتنی

لیف اٹھائی میں نے..... ڈاڑھی کے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتا.....! تنہا تو رہ ہی نہیں سکتا

اڑھی کے بغیر۔!“

”ہوں تو اتنے قریبی تعلقات ہیں۔!“ فیاض نے تلخ لہجے میں کہا۔

”لیکن ان معاملات کا عمران صاحب کی ذات سے کیا تعلق.....!“ ظفر نے فیاض کی آنکھوں

میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”بڑے احترام سے اس کا نام لے رہے ہو۔!“

”شہر کے سارے احمق ان کی عزت کرتے ہیں۔!“

”ہوں.....!“ فیاض اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا غرایا۔ ”اس عمارت کے کرائے کے

بتعلق تمہارا کیا اندازہ ہے.....؟“

”آٹھ یا نو سو روپے ماہوار.....!“ ظفر الملک نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

”اور تم اتنے ذی حیثیت ہو۔!“ فیاض کا لہجہ طنزیہ تھا۔ کیونکہ ظفر الملک کے جسم پر معمول کپڑے کا سوٹ تھا۔ اس کے بے مروت ہال اچھے ہوئے تھے۔

”یقیناً....!“ وہ اکر کر بولا۔ ”میں ایک کروڑ پتی کا وارث ہوں۔!“

”اوہ.... کیا تم مجھے اس کروڑ پتی کا نام نہیں بتاؤ گے۔!“

”ضروری نہیں۔!“ ظفر الملک نے خشک لہجے میں کہا۔

”میں آپ کی زبان سے کسی ایسے آدمی کا نام سننا پسند نہیں کروں گا جو مجھے جمن کہنے پر مہم ہو۔!“ جیمسن نے اسامہ بنا کر بولا۔

”کیا مطلب....؟“ فیاض اس کی طرف مڑ گیا۔

”یہ اس آدمی کا ذکر ہے جس کے یہ وارث ہیں۔!“

فیاض پھر ظفر الملک کو گھورنے لگا۔

”مائی ڈیز آفیسر یہاں سے نکل بھاگنے کی کوئی تدبیر کیجئے۔! فضول باتوں میں وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ۔“ ظفر بولا ”مجھے تو اس پر حیرت ہے کہ عمارت آپ کی کسٹڈی میں تھی اس کے باوجود بھی آپ ان تہہ خانوں سے لاعلم رہے۔!“

”بس....!“ فیاض ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”فضول باتیں نہیں.... اپنے گارجین کا نام بتاؤ۔!“

”نواب مظفر الملک.... وہ میرے بچا ہیں۔!“

فیاض نے ہونٹ سکڑے لیکن سیٹی کی آواز نہ نکل سکی۔ اُس نے مڑ کر پُر معنی انداز میں ماحد کی طرف دیکھا۔

”تو آپ وہ ظفر الملک ہیں۔!“ ماحد بولا۔

”کیا تم جانتے ہو....!“ فیاض نے پھر اس کی طرف دیکھا۔

”جی ہاں اُن کے تو بہت چرچے ہیں شہر میں! سنا ہے ایک دن ان کے چچا ڈائریکٹر جنرل

صاحب سے شکایت بھی کر رہے تھے۔!“

”کس بات کی....؟“

”یہی کہ عمران صاحب نے انہیں اور زیادہ چوہٹ کر دیا ہے۔!“

”بھئی بار تم عمران سے کب ملے تھے۔!“ فیاض نے ظفر سے سوال کیا۔

”شائد میں پہلے ہی اس سوال کا جواب دے چکا ہوں۔!“

”اور اُسی نے تمہیں یہاں بھیجا تھا....؟“

”میں کسی غلط بات کا اعتراف کیسے کر لوں۔!“

”اچھی بات ہے....! میں دیکھوں گا۔!“

”انہیں دیکھنے دو باس.... اور تم یہاں سے نکل بھاگنے کی تدبیر سوچو....!“ جیمسن بولا۔

”ظہر....!“ فیاض نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور ظفر کو تیز نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

”تمہارا ذریعہ معاش کیا ہے۔!“

”یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے.... کروڑ پتی چچا....!“

”نہیں....!“ فیاض سر جھٹک کر بولا۔ ”مجھے اس کا علم ہے کہ نواب صاحب تمہیں اپنے گھر

میں نہیں گھنے دیتے۔!“

”اگر انہوں نے میرے لئے کوئی کرن پیدا کی ہوتی تو دیکھتا کیسے نہ گھنے دیتے۔!“

”پھر فضول باتیں شروع کر دیں۔!“

”جناب عالی میں نے بڑی نفسیاتی بات کہی ہے! دراصل تنہائی کی زندگی نے انہیں چڑھا دیا

ہے۔ اوہ جیمسن.... مائی گاڈرات کے کھانے کا وقت ہو گیا۔!“ ظفر نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

پھر اس نے اپنے تھیلے سے ایک ڈبل روٹی نکالی اور اُسے بیچ سے توڑ کر آدھی فیاض کی طرف

بٹھاتا ہوا بولا۔ ”لیجئے.... اپنی روٹی میں جیمسن ان صاحب کو حصہ دار بنالے گا۔!“

”نہیں.... شکریہ....!“ فیاض نے خشک لہجے میں پیش کش مسترد کر دی۔

”خیر کوئی بات نہیں....!“ ظفر نے وہ ٹکڑا جیمسن کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

دونوں کھانے لگے۔

”یہ حال ہے تم لوگوں کا اور اتنی بڑی عمارت کرائے پر حاصل کرنے آئے تھے۔!“ فیاض

نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

”اس پر میں پہلے ہی بزنس کر چکا ہوں۔!“ ظفر منہ چلاتا ہوا بولا۔

”کیا مطلب....؟“

”اس شہر کے بہترے شریف کنوارے موجود ہیں جنہیں کہیں سر چھپانے کو جگہ نہیں ملتی۔

اتنے ذی حیثیت بھی نہیں ہیں کہ کسی ایسے علاقے میں مکان حاصل کر سکیں جہاں کنوارے پن کے شے کی نظر سے نہ دیکھا جاتا ہو.... میں نے ایسے دس عدد کنوارے مہیا کر لئے ہیں جو سو روپے ماہوار تک رہائش پر صرف کر سکتے ہیں۔ یہ عمارت ہم دونوں سمیت ان کے لئے کافی ہوتی۔ میر کئی دنوں سے مختلف مقامات پر ایسی عمارتیں دیکھتا پھر رہا ہوں۔“

”کچھ دیر پہلے تم اپنے کروڑ پتی چچا کا حوالہ دے رہے تھے۔“

”برنس سیکرٹ بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے مسٹر آفیسر....“

”میں تمہارے بیان سے مطمئن نہیں ہوں۔“

”اس تہہ خانے میں مجھ سے زیادہ مطمئن آدمی ملنا مشکل ہے۔“ ظفر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

”اب پیاس لگ رہی ہے باس....!“ دفعتاً جیمسن بولا۔

”پانی یہ لوگ مہیا کریں گے۔“ ظفر نے اُن دونوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

”یہ دونوں پاگل ہیں۔“ فیاض نے ماجد سے کہا۔ ”آؤ.... راستہ تلاش کریں۔“

”یہ ہوئی آفیسر انا بات۔“ ظفر نے طویل سانس لی اور دیوار سے ٹک کر فرش پر بیٹھ گیا۔

”میں کھانے کے بعد کافی ضرور پیتا ہوں.... آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔“ جیمسن بولا۔

ظفر نے آنکھیں بند کر لی تھیں.... اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

اس تہہ خانے میں گھٹن کا احساس نہیں تھا۔ دیواروں پر الیکٹرک لمپ نصب تھے جن کا روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ جب وہ یہاں آئے تھے اس وقت بھی وہ لمپ روشن ہی تھے



ٹرانسمیٹر پر اشارہ موصول ہوا اور صفدر نے گاڑی کے ڈیش بورڈ والے خانے سے ریسیو

نکال لیا۔

”ہیلو....!“ وہ ماؤتھ پیس میں بولا۔ ”اٹ از صفدر....!“

”کیا پوزیشن ہے....؟“ دوسری طرف سے ایکس ٹو کی آواز آئی۔

”سر شام ایک آدمی عمارت سے نکلا تھا۔ اس کا تعاقب جاری ہے! کسی نے اندر داخل ہو۔

کی کوشش نہیں کی۔“

”عمارت سے نکلنے والے کا تعاقب کون کر رہا ہے۔“

”صدیقی....!“

”اس کی طرف سے کوئی اطلاع....!“

”نہیں جناب....!“

”عمارت کی نگرانی جاری رہے گی۔“

”بہت بہتر جناب....!“

”اور اینڈ آل....!“ دوسری طرف سے آواز آئی اور صفدر نے ریسیور پھر ڈیش بورڈ کے

خانے میں رکھ دیا۔

اس نے اپنی گاڑی کو خفی نمبر چھ سو چھیاسٹھ سے تھوڑے فاصلے پر کھڑی کی تھی۔ یہاں کچھ

گاڑیاں پہلے سے بھی موجود تھیں۔ جن کا تعلق غالباً آس پاس کی دوسری عمارتوں سے تھا۔ لیکن

کسی گاڑی میں کوئی آدمی نہیں دکھائی دیا تھا۔ وہ سیٹ کی پشت سے ٹک کر سگریٹ سلگانے لگا۔

اتنے میں قدموں کی چاپ سنائی دی اور دو عورتیں اس کی گاڑی کے قریب ہی آئیں۔!

یہاں اتنی روشنی نہیں تھی کہ وہ ان کے چہرے صاف دیکھ سکتا۔ لیکن اُن کی گفتگو کا ایک

ایک لفظ سن سکتا تھا۔!

”آج سردی بڑھ گئی ہے۔!“ ایک کہہ رہی تھی۔

”پروانہ کرو....!“ دوسری آواز آئی۔ ”تھوڑی تکلیف اٹھاؤ اور اپنے شوہر کے کرتوت سے

آگاہ ہو جاؤ۔!“

”مجھے یقین نہیں آتا....!“

”بس جیسے ہی وہ آئے.... تم اس گاڑی کے پیچھے چھپ جانا اور دیکھنا کہ وہ کیسے انداز میں مجھ

سے اظہار عشق کرتا ہے۔!“

صفدر بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ دوسری نے کہا۔ ”تم خواہ مخواہ مجھے پریشان کرتی ہو! مجھے

اس سے سروکار نہیں کہ وہ باہر کیا کرتا ہے۔!“

”مجھے حیرت ہے تم کیسی عورت ہو....!“

”میں بھی تو خاد کو چاہتی ہوں.... اور اُسے اس کا علم نہیں۔!“

”تب تو اور بھی اچھی بات ہے.... اس وقت تم اسے پکڑو.... اور اسی کو بنیاد بنا کر اس سے چھٹکارا حاصل کرو!“

”کس لئے....؟“

”اس لئے کہ خاور سے شادی کر سکو!“

”ہشت! اُس کے بعد مجھے کسی دوسرے خاور کی تلاش ہوگی۔ شوہر ایک ضرورت ہے اور محبوب.... ہا.... کسی محبوب کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتی!“

”سمال ہے....؟“

”میں اپنے ذہن کو اچھی طرح سمجھتی ہوں.... مجھے اس میں بڑی لذت محسوس ہوتی ہے کہ میرا شوہر خاور کے وجود سے لاعلم ہے۔“

صفدر کی کھوپڑی سلگنے لگی.... وہ قطعی بھول گیا کہ یہاں اس کی موجودگی کس بنا پر ہے۔ اس نے کھڑکی سے سر نکال کر کہا۔ ”آپ بلاشبہ شوہر سے چھٹکارا حاصل کر کے خاور سے شادی کر سکتی ہیں! محبوبیت کے لئے میں اپنی خدمات پیش کر دوں گا۔“

”یہ کیا بے ہودگی ہے....!“ دونوں نے بیک وقت کہا۔

”مجھے وہم ہے کہ میں بہت خوبصورت ہوں....!“

”شٹ اپ....!“

”خفا ہونے کی ضرورت نہیں۔!“ دوسری بولی۔ ”ان سے کہو ذرا شکل تو دکھائیں۔“

پتہ نہیں کیوں صفدر سنک گیا تھا۔! شاید زندگی میں پہلا موقع تھا کہ اس سے اس قسم کی کوئی غیر سنجیدہ حرکت سر زد ہوئی تھی۔ اس نے گاڑی کے اندر کی لائٹ کا سوچ آن کر دیا۔

”واقعی خوبصورت ہو....!“ دوسری نے گاڑی کی کچھیل سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا اور مڑ کر اپنی ساتھی سے بولی۔ ”تم بھی آؤ.... انہیں کہیں زیادہ روشنی میں دیکھیں گے۔!“

دیکھتے ہی دیکھتے دونوں اندر بیٹھ گئیں۔! صفدر نے لائٹ پہلے ہی آف کر دی تھی۔ یہ کیا حماقت سر زد ہو گئی۔ اس نے سوچا.... عجیب سی جھلاہٹ ذہن پر مسلط ہو گئی تھی۔

”میں صرف ایک کو لے جاسکتا ہوں۔!“ اس نے یونہی بے سمجھے بوجھے داغ دیا۔ کسی نہ کسی طرح پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔ لیکن اس کی زبان سے یہ جملہ نکلتے ہی بائیں جانب سے آواز آئی۔

”دوسری کے لئے میں قربانی دینے کو تیار ہوں۔!“

صفدر اچھل پڑا۔ کیونکہ یہ عمران کی آواز تھی۔ جتنی دیر میں وہ دوبارہ سنبھلتا عمران دروازہ کھول کر اس کے برابر بیٹھ چکا تھا۔

”اب چلتے پھرتے نظر آؤ....!“ اُس نے سر ہلا کر کہا۔

”لیکن.... لیکن.... یہاں....؟“

”فکر نہ کرو.... نہ مئی ڈانٹیں گی اور نہ پیپا خفا ہوں گے۔ چلو....!“

صفدر نے بوکھلاہٹ میں انجن اسٹارٹ کر کے ایکسلریٹر پر دباؤ ڈالا اور گاڑی جھٹکے کے ساتھ آگے بڑھی۔ دونوں عورتوں نے قہقہہ لگایا۔

”کدھر....؟“ صفدر نے آہستہ سے پوچھا۔

”سی بریز....!“ بڑی سہانی رات ہے۔!“

”اتنی ٹھنڈک میں....؟“

”یہاں کی ٹھنڈک ان دونوں کے لئے ناکافی معلوم ہوتی ہے اور جناب بھی محبوبیت کا اظہار کرتے ہوئے خواہ مخواہ ٹو فٹنی دولٹ ہو جائیں گے۔!“

”بس کیا بتاؤں حماقت ہو گئی۔!“

”حماقت پر اظہار افسوس اس سے بھی بڑی حماقت ہے لہذا....!“

صفدر خاموش ہو گیا۔ دفعتاً کچھیل سیٹ سے آواز آئی۔ ”دوسرے کی شکل تو دیکھی ہی نہیں۔!“

”شاید ہم دونوں ہی منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جائیں۔!“ عمران بولا۔

”کیوں....؟“

”دونوں گھر سے بھاگے ہوئے ہیں۔!“

”بیویوں سے تنگ ہو گئے۔!“

”لا حول ولاقوۃ.... کر دیا کہاڑا۔!“ عمران کراہا۔

”کیوں....؟“

”بیویوں کا نام کیوں لیا تم نے.... ہم تو خود کو کنوارا سمجھ کر دھکے کھاتے پھرتے ہیں۔!“

”کدھر چل رہے ہو....؟“



”تار تھ پول....!“

”کسی اچھی جگہ چلنا....!“

”سی بریز پر رکنے کے بجائے سیدھے ساحل کی طرف نکل چلنا۔“ عمران نے جھک کر آہستہ سے صفدر کے کان میں کہا۔

”یہ سرگوشیاں کیسی....؟“ پچھلی سیٹ سے آواز آئی۔

”میرا دوست بڑا ڈرپوک ہے۔“ عمران بولا۔ ”اس کا دل بڑھا رہا تھا۔ اس کی بیوی اتنی خون خوار ہے کہ سالیوں تک سے مذاق نہیں کر سکتا۔“

”لیکن ہم ڈرپوک نہیں ہیں....! اسے اچھی طرح ذہن میں رکھنا۔!“

”دنیا کی کوئی عورت ڈرپوک نہیں.... وہ صرف اداکاری کے لئے پیدا ہوتی ہے۔!“

”عورتوں کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے تم لوگ....!“

”دنیا کی پہلی عورت نے شیطان کو بہکایا تھا.... وہ بر خوردار سمجھے کہ شاید خود انہوں نے اُسے بہکادیا۔ لہذا آج ان کا کہیں پتہ نہیں اور عورت ہر قدم پر ہمارے لئے جنت تعمیر کر رہی ہے۔!“

”کیا تم نشے میں ہو....؟“

”ہاں دو بوتلوں کا نشہ ہے....!“ عمران جھومتا ہوا بولا اور جھومتا ہی رہا۔

دراصل وہ بار بار صفدر کے کان کے قریب منہ لے جا کر آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔ ”اسکیم

بدل گئی۔ اگلے چوراہے سے بائیں جانب موڑ لینا.... مہمان خانہ نمبر پانچ کی طرف چلو۔!“

مہمان خانہ نمبر پانچ بظاہر ایک دیہی ہسپتال تھا۔ لیکن حقیقتاً ایکس ٹو کے ماتحت یا ایجنٹ یہاں مختلف قسم کے کام انجام دیتے تھے۔



فیاض اور ماجد تہہ خانے کا راستہ دریافت نہیں کر سکے تھے۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ جھلا کر ظفر الملک اور اس کے ملازم پر چڑھ دوڑتے۔!

اس وقت بھی وہ اُن سے اُلجھے ہوئے تھے۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا....!“ ظفر الملک پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا۔ ”آخر آپ عمران صاحب کو کیوں گھسیٹ رہے ہیں۔ ہر چند کہ وہ بھی کنوارے ہیں لیکن میری اسکیم میں شامل نہیں۔!“

”میں مسٹر علی عمران کو قطعی پسند نہیں کرتا۔!“ جیمسن بولا۔ ”لیکن حالات کا تقاضا یہی ہے کہ اس وقت ان کی حمایت کی جائے۔!“

اس پر فیاض اور پھر گیا تھا ماجد کے تیور ایسے تھے جیسے مار پیٹ کی نوبت آجائے گی۔

”میں جو ڈو بھی جانتا ہوں۔!“ جیمسن نے انہیں اطلاع دی۔

”خاموش رہو....!“ ظفر الملک نے اُسے جھڑکی دیتے ہوئے کہا۔ ”بیکاری میں اگر انہیں

جو ڈو سیکھنے کا شوق پیدا ہو گیا تو عہدے کی دھونس جاکر تم سے مفت سیکھ لیں گے۔ تجارتی نکتہ نظر ملحوظ رکھا کرو۔!“

”تجارتی نکتہ نظر....!“ جیمسن ڈاڑھی میں کھجاتا ہوا بولا۔ ”تجارتی نکتہ نظر سے تو اس وقت

ہمیں بستروں پر ہونا چاہئے تھا۔!“

فیاض دانت پیس رہا تھا۔ اُس کے جیزوں کی وریڈیں ابھر آئی تھیں۔ ٹھیک اسی وقت ہلکی سی

سر سرابٹ تہہ خانے کی فضا میں لہرائی اور بائیں جانب والی دیوار میں ایک دروازہ نمودار ہوا۔

دو نقاب پوش ہاتھوں میں ریو اور لئے دروازے میں کھڑے نظر آئے۔

”کوئی اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کرے۔!“ ان میں سے ایک غرایا۔

غیر ارادی طور پر اُن کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔

”سمجھ میں نہیں آتا کس مصیبت میں گرفتار ہو گئے۔!“ ظفر بر اسامہ بنا کر بڑبڑایا۔ ”آئے

تھے کرائے پر مکان حاصل کرنے اور اب سواری قبرستان کی طرف جا رہی ہے۔!“

”اگر تم لوگ جہاں ہو وہیں خاموش کھڑے رہے تو ہم تمہیں گولی نہ ماریں گے۔!“ وہی

نقاب پوش بولا۔

پھر وہ انہیں کور کئے کھڑا رہا اور دوسرا آگے بڑھا۔ وہ دائیں جانب والی دیوار کی طرف جا رہا تھا۔

وہ کنکھیوں سے اسے دیکھتے رہے۔ فرش کے ٹائیلوں پر وہ اس طرح چل رہا تھا جیسے کوئی کسی

گندی جگہ پر غلاظت سے بچ کر چلے۔

پھر جیسے ہی وہ دیوار کے قریب پہنچا ہلکی سی سر سرابٹ کے ساتھ اس میں بھی دروازہ نمودار

ہو تا دکھائی دیا۔ ظفر الملک بڑے غور سے اُسے چلتے دیکھتا رہا تھا۔

نقاب پوش دروازے سے گزر کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

وہ نقاب پوش جس نے انہیں کور کر رکھا تھا.... وہیں کھڑا ہا جہاں پہلے تھا۔  
 ”آخر ہمیں یہاں کیوں قید کیا گیا ہے۔!“ دفعتاً ظفر الملک نے نقاب پوش سے پوچھا۔  
 ”میں کہتا ہوں خاموش رہو....!“ وہ ریوالبور والے ہاتھ کو جنبش دے کر بولا۔  
 اتنے میں دوسرا نقاب پوش ایک بڑا سائیکٹ ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے داہنی جانب والے  
 دروازے سے برآمد ہوا اور دوسرے نقاب پوش سے بولا۔ ”ایسے ہی چھ پیکٹ اور ہیں۔!“  
 ”تم انہیں اوپر پہنچاؤ.... میں ان لوگوں کی خبر گیری کروں گا۔!“ دروازے والا بولا۔  
 جیمسن اور ظفر ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور جیسے ہی پیکٹ لے جانے والا  
 دوسرے نقاب پوش کے قریب پہنچا جیمسن چیخ پڑا۔ ”ارے پیکٹ میں سے کیا گر رہا ہے؟“  
 فوری طور پر ریوالبور والا اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ بس اتنا ہی کافی تھا۔ ظفر الملک نے اس پر  
 چھلانگ لگا دی۔

جیمسن بھی اس سے پیچھے نہیں رہا تھا۔ وہ نیکٹ والے کی گردن دیوبچ بیٹھا۔ ریوالبور دوسرے  
 نقاب پوش کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ ماجد نے اُسے اٹھالینے میں پھرتی دکھائی۔  
 اور پھر فیاض نے اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا اور شیر کی طرح دھاڑا۔ ”ہٹ جاؤ سب الگ ہٹ  
 جاؤ ورنہ سب کو شوٹ کر دوں گا۔!“

”مجھے بھی حضور عالی....؟“ جیمسن نے اپنے شکار کو چھوڑ کر ہٹتے ہوئے پوچھا۔  
 ”خاموش رہو۔!“

”ظفر الملک دوسرے نقاب پوش کو چھوڑ کر ہٹ چکا تھا۔  
 ”ماجد.... تمہارے بیگ میں ہتھکڑیوں کے کتنے جوڑے ہیں۔!“ فیاض نے پوچھا۔  
 ”ایک سا ہے جناب....!“

”ان دونوں کے ہاتھوں میں ایک ایک ہتھکڑی ڈال دو....!“

نقاب پوش خاموش کھڑے تھے۔ ماجد بیگ سے ہتھکڑیاں نکال کر ایک کی طرف بڑھا۔  
 ”تم بھی اسی کے قریب آ جاؤ....!“ فیاض نے ریوالبور والے ہاتھ کو جنبش دے کر دوسرے  
 نقاب پوش سے کہا۔

اس نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔ فیاض کچھ کہنے والا تھا کہ ظفر نے نقاب پوش کی گردن

دیوبچی اور دوسرے کی طرف دھکیل دیا۔  
 دونوں کے ایک ایک ہاتھ میں ہتھکڑیاں ڈال دی گئیں۔ ”تین چار کڑیوں کی ایک زنجیر  
 دونوں ہتھکڑیوں کو ایک دوسرے سے ملاتی تھی۔

پھر ماجد نے اُن کے چہروں سے نقابیں ہٹا دیں۔

”خوب....!“ فیاض ماجد کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”جانی پہچانی صورتیں ہیں۔!“

”ہم سے بھی تعارف کرائیے۔!“ ظفر نے فیاض سے کہا۔

”دونوں عادی مجرم اور ہسٹری شیٹر ہیں۔ اب یہ بتائیں گے کہ ان کا باس کون ہے۔!“

”اس پیکٹ میں کیا ہو سکتا ہے۔!“ جیمسن بولا۔

”خبردار اُسے ہاتھ نہ لگانا....!“ فیاض نے اُسے لاکار۔

”جیمسن خاموش کھڑے رہو....!“ ظفر بولا۔

”او کے باس....!“

”ادھر دیکھو....!“ فیاض نے دوسرے دروازے کی طرف اشارہ کر کے ماجد سے کہا۔

وہ ادھر چلا گیا اور فیاض دونوں قیدیوں کو مخاطب کر کے بولا۔

”اس بار تم دونوں دس دس سال سے کم کے لئے نہ جاؤ گے۔!“

وہ کچھ نہ بولے۔

”کیا اب ہمیں اجازت ہے....؟“ ظفر الملک نے پوچھا۔

”ہرگز نہیں.... تم دونوں بھی ساتھ ہی چلو گے۔!“

”آخر ہمیں بچا کر کیا کیجے گا جناب عالی۔!“ جیمسن نے اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

”بکواس بند کرو....!“

”ظفر الملک نے جیمسن کی طرف دیکھ کر بائیں آنکھ دبا لی اور اس نے اپنے ہونٹ سختی سے بھیج لائے۔“



صفدر کی گاڑی تیز رفتاری سے راستہ طے کر رہی تھی اور عمران اونگھ رہا تھا۔

”اے تم لوگ کدھر جا رہے ہو۔!“ پچھلی سیٹ سے کسی عورت نے کہا۔

صفدر نے کوئی جواب نہ دیا۔ گاڑی کی رفتار کم ہو رہی تھی۔ اسے عورتوں نے بھی محسوس کیا

اور دوسری آواز سنائی دی۔ ”ارے یہ تو دیرانہ ہے!“

گاڑی رکتے ہی عمران چونک کر سیدھا ہو بیٹھا۔

”یہ کہاں لائے ہو....؟“ ایک نے اس کا شانہ جھنجھوڑ کر پوچھا۔

”ہسپتال....!“

”کیا مطلب....؟“

”مطلب یہ کہ یہاں خاص قسم کے امراض کا علاج ہوتا ہے۔!“

”تم لوگ پاگل تو نہیں ہو گئے۔!“

”ہو جاتے.... اگر تم دو سے زیادہ ہو تیں.... چلو اُترو....!“ عمران اپنی طرف کا دروازہ

کھول کر اترتا ہوا بولا۔ ”ہم لوگ شریف آدمی ہیں!“

وہ انہیں دیہی ہسپتال کی عمارت میں لائے۔ اُن کے چہرے ہوا ہو رہے تھے۔

”ہم شہر سے کتنی دور ہیں۔!“ ایک نے ہانپتے ہوئے پوچھا۔

”زیادہ دور نہیں ہو....!“

”یہاں اس دیرانے میں کیوں لائے ہو۔!“

”وہ ترکیب بتانے کے لئے کہ شوہر بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔ مجھے شوہروں سے

نفرت ہے جب تک روئے زمین پر ایک بھی شوہر باقی ہے چین سے نہ بیٹھوں گا۔!“

صفدر وہاں سے ہٹ گیا تھا اور عمران اپنے چہرے پر حماقتوں کے ڈونگرے برساتا ہوا اُن

دونوں سے ہم کلام تھا۔

”پتہ نہیں تم لوگ کون ہو.... اور کیا چاہتے ہو۔!“

”صرف میری بات کرو.... وہ گیا.... بیوی کے خوف سے اس پر ہارٹ اٹیک ہو گیا ہو گا۔!“

”تم نہیں ڈرتے اپنی بیوی سے۔!“

”میری بیوی.... کہاں کی ہانک رہی ہو....! شوہروں کے خلاف ایک تحریک کا بانی خود

شوہر ہونا کیسے گوارا کرے گا۔!“

”تم نشے میں ضرور ہو....! لیکن خطرناک آدمی نہیں معلوم ہوتے۔!“

”شکریہ....! خیر ہاں تو اسکیم یہ ہے کہ تم دونوں اپنے بال کھول دو....! مجھے یہ منارے پسند

نہیں ہیں جو تم نے اپنے سروں پر بنار کھے ہیں۔!“

”واہ کیوں کھول دیں....! کچھتر کچھتر روپے دے کر سیٹ کرائے ہیں بال۔!“

”ڈیڑھ سو روپے مجھ سے لے لو.... لیکن بال کھول دو۔!“

اُن میں سے ایک نے اپنا ہینڈ بیگ کھولنا چاہا۔

”نہیں!“ عمران اونچی آواز میں بولا۔ ”ہینڈ بیگ زمین پر ڈال دو میرے ہاتھ میں ریو الو رہے۔!“

دونوں نے اپنے ہینڈ بیگ زمین پر گرا دیئے۔ اور اب وہ بہت زیادہ خائف نظر آرہی تھیں۔

عمران نے صفدر کو آواز دی اور اُس کے آنے پر بولا۔

”ان کے بال کھول دو۔!“

”نہیں.... نہیں.... کیا چاہتے ہو تم لوگ....!“ وہ بیک وقت بولیں۔!

”ہم دونوں نفسیاتی مریض ہیں۔ عورتوں کے بال بگاڑ کر تسکین پاتے ہیں اس کیلئے بڑی سے

بڑی قیمت ادا کرنے کو تیار ہیں۔ صرف بال بگاڑیں گے اور اسکے علاوہ تمہارا بال بھی بیکانہ ہو گا۔!“

”واہ استاد.... کیا لٹریچر فرمایا ہے اس وقت۔!“ صفدر ہنس کر بولا۔

”شاعری مت کرو آگے بڑھ کر ان کے بال کھول دو۔ ڈھا دو ان میناروں کو۔!“ عمران کا لہجہ

فلمی مکالمے ادا کرنے کا سا تھا۔

”کیا آپ سنجیدہ ہیں۔!“ صفدر نے پوچھا۔

”جلدی کرو۔!“

”نہیں.... نہیں....!“ وہ گڑگڑانے لگیں.... اُن میں سے ایک نے رونا بھی شروع کر دیا تھا۔

صفدر نے ایک کے بالوں پر ہاتھ ڈالنا چاہا.... لیکن وہ اس سے لیٹ پڑی۔ عمران نے آگے

بڑھ کر اُن کے ہینڈ بیگوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ صفدر نے اُسے دھکا دیا۔ وہ دوسری طرف جا پڑی اور

دونوں ہی تلے اوپر نیچے گریں۔

”اچھا ٹھہرو....!“ عمران نے صفدر سے کہا۔ ”سی ون اور سی ٹوکو بھیج دو....!“

وہ چلا گیا.... دونوں عورتیں فرش پر بیٹھی رہیں۔! دفعتاً ان میں سے ایک نے غصیلی آواز میں

کہا۔ ”تم دیکھنا اس جگہ کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔ شاید تم ہمیں پیشہ ور سمجھتے ہو۔!“

”میں تمہیں انقلاب فرانس کی آخری یادگار سمجھتا ہوں۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ پتہ نہیں تم

دونوں اتنی خائف کیوں ہو.... میں تو اس شعر کی صداقت آزمانا چاہتا ہوں۔

گورے مکھڑے پہ زلفیں نہ بکھرائے!

چاند بدلی میں چھپ کر ستم ڈھائے گا!

”ہم دونوں ذی حیثیت عورتیں ہیں!“ وہ عمران کی بکواس کو نظر انداز کرتی ہوئی بولی۔

اتنے میں دو لچیم شحیم پہاڑی عورتیں نرسوں کے لباس میں اندر داخل ہوئیں۔

”ان دونوں کے جوڑے کھول دو....!“ عمران نے انہیں مخاطب کر کے کہا۔

”اچھا سب....!“ ان میں سے ایک بولی اور ان دونوں کو کھڑے ہو جانے کا اشارہ کیا۔

دونوں عورتیں ان سے ہاتھ پائی پر آمادہ نظر آنے لگی تھیں۔ لیکن انہوں نے ذرا ہی سی دیر میں دونوں کو فرش پر گرادیا اور ان کے بال کھولنے شروع کر دیئے تھے۔

عمران گندی گندی گالیاں سن کر اس طرح مسکرا ہاتھ جیسے یہ بھی اظہار محبت کا کوئی نیا طریقہ ہو۔ اس کا اپنا ایجاد کردہ۔ اُن کے جوڑے کھلتے ہی دو وزنی چیزیں فرش پر گر گئیں۔

عمران جھپٹ کر انہیں اٹھاتا ہوا بولا۔ ”خوب....!“

”کیا ہے....؟“ صفدر نے اس طرف بڑھتے ہوئے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

”ٹرانس میٹرز....!“

”اوہ....!“

”دلچسپ....!“ عمران انہیں بغور دیکھتا ہوا بڑبڑایا۔ ”بالکل نئی وضع کے ہیں!“ پھر وہ اُن

دونوں ٹرانس میٹرز کو اپنے چہرے کے قریب لا کر غرایا۔ ”یہ دونوں اب میرے قبضے میں ہیں!“

”تم کون ہو....؟“ ٹرانس میٹروں سے آواز آئی۔

”وہی جس نے کوٹھی نمبر چھ سو چھیاسٹھ کو کرائے پر دینے کے لئے اشتہار شائع کر لیا تھا!“

عمران نے جواب دیا۔

”کیا چاہتے ہو....!“

”جو کوئی بھی ان حرکتوں کی پشت پر ہے اس سے ملاقات....!“

”ممکن ہے....؟“ آواز آئی۔

”ملاقات کا طریقہ.... کیا ہونا چاہئے!“

”فوری طور پر اس کا جواب نہیں دیا جاسکتا۔ لیکن اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ تم نے جن عورتوں کو پکڑا ہے وہ چیف تک تمہاری رہنمائی نہ کر سکیں گی!“

”مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ میں تو صرف اس آدمی سے ملنا چاہتا ہوں خواہ کسی طرح بھی ہو۔!“

”اچھی بات ہے۔! کل صبح دس بجے تمہیں جواب مل جائے گا۔ ٹرانس میٹر کا کوئی سوئچ آف کرنے کی ضرورت نہیں۔ انہیں یونہی چلنے دینا۔!“

”بہت اچھا....!“ عمران نے کہا اور سر کو پر معنی جنبش دی۔

صفدر خاموشی سے اُسے گھورے جا رہا تھا۔ دونوں عورتوں کے چہروں پر مردنی چھا گئی۔

عمران نے پہاڑیوں کو اشارہ کیا کہ اُن دونوں عورتوں کو وہاں سے لے جائیں۔

صفدر نے اُس کے چہرے پر گہرے تفکر کی جھلکیاں دیکھیں۔! وہ بے حد سنجیدہ نظر آیا تھا۔

عورتیں خاموشی سے رخصت ہو گئی تھیں۔! دفعتاً عمران نے صفدر کو بھی باہر چلنے کا اشارہ کیا۔

برآمدے میں پہنچ کر اس نے آہستہ سے کہا۔ ”ڈپنسری سے شیشے کے دو خالی مرتبان لے آؤ اور فوری طور پر ایک کدال کا انتظام کرو۔ دیر نہ لگانا۔!“

ان چیزوں کی فراہمی میں دو تین منٹ سے زیادہ وقت نہ صرف ہوا تھا۔

اُس نے اُن ٹرانس میٹروں کو شیشے کے مرتبانوں میں رکھ کر اُن کے ڈھکن مضبوطی سے بند

کر دیئے تھے۔ پھر صفدر نے اُسے پائیں باغ میں ایک گڑھا کھودتے دیکھا۔

”کیا چکر ہے....؟“ اس نے قریب پہنچ کر پوچھا۔

”ان دونوں کو دفن کرنا ہے۔!“

”کیوں....؟“

”کام ختم کرنے کے بعد گفتگو ہوگی....!“

”تھوڑی دیر بعد وہ پھر اسی کمرے میں آ بیٹھے جہاں اُن دونوں عورتوں کے جوڑے کھولے

گئے تھے۔!“

”چیونگم....!“ وہ صفدر کی طرف چیونگم کا پیکٹ بڑھاتا ہوا بولا۔

”ٹرانس درست کر لو....! تم ہانپ رہے ہو....!“

”میں نے جوڑے نہیں کھولے تھے۔!“ صفدر مسکرایا۔

”فرض کر لو تم ہانپ رہے ہو....!“

”لایئے جناب....!“ صفدر اس سے چیونگم کا پیکٹ لیتا ہوا کراہا۔

”جو لوگ پان نہیں کھاتے انہیں چیونگم استعمال کرنی چاہئے۔ ہر وقت منہ چلاتے رہنا زہر کی دلیل ہے۔!“

”میں پوچھ رہا تھا ٹرانس میٹر کیوں دفن کر دیئے۔!“

”میرا خیال ہے کہ وہ نہ صرف یہاں کی گفتگو کہیں اور پہنچاتے رہے تھے بلکہ اپنی موجودگی سمیت بھی اشارہ کرتے رہے ہوں گے۔ اگر میں انہیں دفن نہ کر دیتا۔!“ وہ بات ادھوری چھوڑا کچھ سوچنے لگا۔

کچھ دیر بعد صفدر بولا۔ ”شاید آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جن لوگوں سے ان ٹرانس میٹر کا تعلق ہے وہ یہاں پہنچ سکتے ہیں۔ ٹرانس میٹر نشان دہی کر دیں گے۔!“

”ہاں میرا یہی خیال ہے.... خیر کل دس بجے تک اسے بھی دیکھ لیں گے۔!“

”چکر کیا ہے....؟“

”عرصے سے ان میناروں والیوں کی نگرانی کرتا رہا تھا۔ بالآخر آج ان کا تعلق کوٹھی نمبر چھ چھیاٹھ سے ظاہر ہو گیا۔!“

”میں اس.... نامعقول کوٹھی کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتا۔!“

”میں اس وقت کافی پینا چاہتا ہوں۔!“

”بتانا نہیں چاہتے۔!“

”پہلے کافی....! آج سردی بڑھ گئی ہے۔!“

صفدر کے جاتے ہی عمران نے اپنا جیبی ٹرانس میٹر نکالا اور اس کا سوئچ آن کر کے بلیک ز سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

اس میں دیر نہیں لگی تھی۔ دوسری طرف سے بلیک زیرو کی آواز سن کر بولا۔ ”کیا خبر ہے۔“

”کوٹھی نمبر چھ سو چھیاٹھ کی نگرانی اب بھی جاری ہے۔!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”اس دوران میں کئی واقعے ہوئے۔ اسر شام ایک آدمی کوٹھی سے نکلا تھا۔ اس کا تعاقب کیا گیا۔“

کریم آباد کے ایک مکان میں داخل ہوا تھا۔ اس کے بعد سے اب تک وہیں ہے اور مکان کی نگرانی

جاری ہے۔ اس مکان پر ہنری ڈی سوزا کے نام کی سختی لگی ہوئی ہے۔!“

”دوسرا واقعہ....!“ عمران نے سوال کیا۔

”دس بج کر پندرہ منٹ پر دو آدمی کوٹھی نمبر چھ سو چھیاٹھ میں داخل ہوئے اور ٹھیک گیارہ

بجے کیپٹن فیاض اور انسپٹر ماجد چار آدمیوں اور کچھ سامان سمیت کوٹھی سے برآمد ہوئے۔ ان میں

سے دو آدمیوں کے ہتھکڑیاں لگی ہوئی تھیں۔! وہ گاڑی میں بیٹھ رہے تھے کہ بقیہ دو آدمی جن کے

ہتھکڑیاں نہیں لگی ہوئی تھیں بھاگ نکلے۔!“

”وہ دونوں کون تھے....؟“ عمران نے پوچھا۔

”ظفر الملک اور جیمسن....!“

”گڈ....!“ عمران بولا.... ”اور کچھ....!“

”نہیں جناب....!“ بلیک زیرو کی آواز آئی۔

”اچھی بات ہے.... کوٹھی کی نگرانی ختم کر دو۔ لیکن ہنری ڈی سوزا کے مکان پر نظر رکھی جائیگی۔!“

”بہت بہتر جناب....!“

”اور اینڈ آل....!“ عمران نے کہا اور ٹرانس میٹر کا سوئچ آف کر دیا۔ کمرے کی فضا پر بو جھل سا سکوت طاری تھا۔



”سوال یہ ہے کہ ہم کب تک یہاں لیٹے رہیں گے۔!“ جیمسن نے ظفر الملک سے کہا۔

”جب تک کہ ایک نیند لے کر بالکل تروتازہ نہ ہو جائیں۔!“ ظفر بولا۔

وہ ایک ٹرک کے نیچے سڑک پر لیٹے ہوئے تھے۔!

”نیند آجائے گی آپ کو....!“ جیمسن نے پوچھا۔

”بھلا میری نیند کو کون روک سکتا ہے۔ تم بھی سو جاؤ۔!“

”جی نہیں! میں عالم خواب سے عالم بالائی طرف مراجعت کرنے کے لئے تیار نہیں۔!“

”ارے.... ارے.... تو تو بڑی گاڑھی اردو بولنے لگا ہے! مطلب سمجھا اس کا....!“

”مطلب یہ کہ اگر سوتے وقت کسی نے ٹرک چلا دیا تو کیا ہوگا۔!“

”اسٹیئرنگ ہی نہیں ہے اس میں.... غالباً مرمت کے لئے نکالا گیا ہے اور اس کی حالت

بتاتی ہے کہ کئی دن سے یہیں کھڑا ہے۔“

”تو پھر میں استراحت فرماؤں۔“

”جیسن... اگر اب میں نے تیرے ہاتھ میں اردو کی کوئی کتاب دیکھی تو گردن توڑ دوں گا۔“

”اردو کا کلاسیکی ادب.... جواب نہیں رکھتا۔ کبھی آپ بھی ٹرائی کیجئے۔“

”سو جاؤ.... بکواس بند....!“

”لیکنو جی پلیز....!“

”شٹ اپ....!“ کہہ کر ظفر نے کروٹ بدلی اور اونگھنے لگا۔

وہ اس وقت بھاگ نکلے تھے جب کیپٹن فیاض تہہ خانوں سے برآمد ہونے والی چیزیں اور قیدیوں کو لے کر باہر نکلا تھا۔ دو دو بندل ان دونوں نے بھی اٹھا رکھے تھے۔

لیکن جیسے ہی فیاض کی گاڑی کے قریب پہنچے بندل پھینک چھلا نگیں مارتے ہوئے یہ جاوہر ان کی نظروں سے اوچھل ہو گئے۔ قیدیوں کو ماجد کی نگرانی میں چھوڑ کر فیاض خود اُن کے پیچھے اٹھا اور وہ اس ٹرک کے نیچے جا گئے تھے۔

پھر تھوڑی دیر بعد جب جیسن نے میدان صاف ہو جانے کی اطلاع دی تھی تو اس نے تھا۔ ”اب اس وقت کون باہر نکلے۔ یہیں پڑے رہو۔“

”لیکن یورہائی نس....! نیچے زمین کتنی ٹھنڈی ہے۔!“

”تصور کر لو کہ تمہارے چاروں طرف آگ روشن ہے.... نیند آجائے گی۔!“ ظفر۔

جما ہی لیتے ہوئے کہا۔

”نیند یہاں....؟“ جیسن اچھل پڑا۔

”جب تم اس طرح کسی بات پر حیرت ظاہر کرتے ہو تو بالکل الٹو نظر آتے ہو۔!“

”یہ جوا بھی آپ نے آگ کے تصور کے بارے میں کہا تھا اس کو مراقبہ آتشی کہتے ہیں۔!“

”جیسن کہیں تیرا دماغ نہ خراب ہو جائے۔!“

”تصور کے بارے میں بھی پڑھ رہا ہوں۔!“

”اچھا بکواس ختم کرو.... مجھے نیند آرہی ہے۔!“

لیکن جیسن پر تھوڑے تھوڑے وقفے سے بکواس کے دورے پڑتے رہے تھے۔

پھر دفعتاً کسی نے اُن کی ٹانگیں پکڑ کر انہیں ٹرک کے نیچے سے گھسیٹ لیا تھا۔

یہ تین آدمی تھے اور قریب ہی ایک لمبی سی کار کھڑی ہوئی تھی۔

”اس بے تکلفی کا مطلب....؟“ جیسن اُن پر غرایا۔

”چپ چاپ نکل چلو....!“ ان میں سے ایک بولا۔ ”پورے شہر میں تم لوگوں کے لئے

پولیس کی گاڑیاں دوڑتی پھر رہی ہیں۔!“

”تم کون ہو....؟“ ظفر الملک نے پوچھا۔

”ہمدردی سمجھ لو.... چلو بیٹھ جاؤ گاڑی میں.... تفصیلات میں پڑنے کا وقت نہیں ہے۔!“

”ظفر الملک نے جیسن کو گاڑی میں بیٹھے کا اشارہ کیا۔

وہ سب اُس گاڑی میں بیٹھ گئے اور اجنبیوں میں سے ایک بولا۔ ”تم دونوں نے اس وقت

عقل مندی کا ثبوت دیا ہے۔!“



دوسری صبح رحمان صاحب کے آفس میں فیاض کی طلبی ہوئی! طلبی نہ ہوتی تو وہ خود ہی کوشش کرتا کہ کسی طرح رحمان صاحب تک رسائی ہو جائے۔

”نام براؤن کیس دوبارہ بھیجا گیا تھا.... کیا ہوا اس کا....!“ رحمان صاحب نے فیاض کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

”کوٹھی نمبر چھ سو چھیاسٹھ سے منشیات کے چھ بڑے پیکٹ برآمد ہوئے ہیں جناب....!“

”اب برآمد ہوئے ہیں....؟“ رحمان صاحب کے لہجے میں حیرت تھی۔

”جی ہاں.... نام براؤن پولیس کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ وہ کوٹھی نمبر چھ سو چھیاسٹھ پر قابض

تھا لیکن حقیقتاً اس کا مالک نہیں تھا۔ کوٹھی کے اصل مالک کا پتہ نہ لگنے کی بناء پر وہ مقفل کر کے سیل

کردی گئی تھی۔ لیکن جب فائل دوبارہ میزے پاس آیا تو میں نے پھر اس کوٹھی کی طرف توجہ دی!

یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ سیل لگا ہوا قفل بدستور موجود ہے لیکن پچانک کی ذیلی کھڑکی کھول لی گئی

ہے۔ اندر کا دروازہ بھی مقفل نہیں تھا۔ بہر حال اندر جانے پر پتہ چلا کہ وہ مقفل کر دیئے جانے

کے بعد بھی استعمال کی جاتی رہی ہے۔ دو عادی مجرم وہاں ہاتھ آئے۔ اُن سے کسی ہنری ڈی سوزا

کا پتہ معلوم ہوا جو نام براؤن کے بعد اس بزنس کو کنٹرول کر رہا تھا۔ اس کے ٹھکانے پر پہنچے تو

”کیا تم نے ظفر کو پوچھ گچھ کے لئے روکا تھا....!“  
 ”جی ہاں.... لیکن اس کے خلاف کوئی چارج لگانا ممکن نہیں!“  
 فیاض حتی الوسع کہانی کے اس ٹکڑے کو صاف چھپا جانے کی کوشش کرتا رہا تھا جس میں خود  
 سے تہہ خانوں کی سیر کرنی پڑی تھی۔  
 رحمان صاحب کچھ دیر خاموش رہ کر بولے۔ ”میں نے تمہیں اس لئے بلایا تھا کہ کیس کے  
 دوبارہ شروع کئے جانے کی وجہ تمہیں بتا دوں تاکہ تم محتاط رہ کر کام کر سکو....!“  
 ”لیکن آخر محکمہ خارجہ کا اس سے کیا تعلق....؟ نام براؤن ایک غیر ملکی تھا۔ پولیس کے  
 اتھوں مارا گیا.... گروہ ٹوٹ گیا۔!“

”گروہ ٹوٹ گیا....؟“ رحمان صاحب پر تنفر لہجے میں بولے۔ ”تمہارا دماغ تو نہیں چل  
 لیا۔ ابھی کچھ دیر ہی پہلے تم مجھے کوٹھی نمبر چھ سو چھیاسٹھ کی کہانی سن رہے تھے۔!“  
 ”میں معافی چاہتا ہوں....!“ فیاض گڑگڑایا۔ ”میں کچھ اور کہنا چاہتا تھا۔ دراصل پے  
 رپے.... واقعات....!“

”خاموش رہو....!“ رحمان صاحب ہاتھ اٹھا کر بولے۔ ”تمہیں شرم آنی چاہئے کہ  
 دوسرے محکمے تمہاری غلطیوں کی طرف توجہ دلانے لگے ہیں۔!“  
 ”مم.... میں.... اپنی غفلت پر شرمندہ ہوں جناب....!“  
 ”بس جاؤ....!“ رحمان صاحب نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔  
 فیاض چپ چاپ اٹھا اور باہر نکل آیا۔ اس کے دانت سختی سے بھینچے ہوئے تھے۔ اگر اس وقت  
 دلی ماتحت ہو تا تو اسے عرصے تک پچھتانا پڑتا۔!



ظفر الملک کراہ کر اٹھ بیٹھا.... جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ آنکھ کھلتے ہی محسوس ہوا تھا جیسے  
 ہوا جسم پھوڑا بن گیا ہو۔!

طویل انگڑائی کے ساتھ اس نے برابر والے بستر پر نظر ڈالی۔ جیمن بے خبر سو رہا تھا۔ نہ  
 بانے کیوں اس وقت اسے اس کی ڈاڑھی مضحکہ خیز معلوم ہوئی۔ عجیب انداز میں ہل رہی تھی۔  
 بالکل ایسا ہی لگتا تھا جیسے وہ ڈاڑھی سے سانس لے رہا ہے۔

وہاں تین لاشیں ملیں۔ ایک ہنری ڈی سوزا کی لاش تھی اور دوسری اس کی بیٹی لوسی کی تیسری  
 لاش کی شناخت ابھی تک نہیں ہو سکی۔ ان دونوں عادی مجرموں کے لئے بھی وہ اجنبی تھا....!“  
 فیاض خاموش ہو گیا! رحمان صاحب کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئی تھیں۔  
 تھوڑی دیر بعد انہوں نے کہہ ”اس کیس کو محکمہ خارجہ کے سیکریٹری نے دوبارہ شروع کرایا ہے۔!“  
 ”اوہ....!“ فیاض بے ساختہ چونک پڑا۔ اُسے فوری طور پر عمران کا خود کشی نامہ یاد آگیا تھا۔  
 ”بڑی عجیب بات ہے جناب میرے لئے پچھلا دن بے شمار حیرتیں لایا تھا۔!“  
 ”کیا مطلب....؟“

فیاض نے جیب سے عمران کا خط نکالا اور رحمان صاحب کی طرف بڑھا دیا۔  
 ”یہ کیا ہے....؟“

”ملاحظہ فرمائیے.... یہ حضرت میری عقل چکر ادیتے ہیں۔ اس خط سے کچھ ہی دیر بعد پہلے  
 نام براؤن کیس کا فائل میرے پاس پہنچا تھا۔!“

رحمان صاحب نے عمران کا خط پڑھ کر بُرا سا منہ بنایا اور مستفسرانہ نظروں سے فیاض کی  
 طرف دیکھنے لگے۔

”یہی نہیں.... کل ہی کسی نے اس عمارت کو کرایہ پر دینے کے لئے اشتہار بھی شائع کرا دیا  
 تھا لیکن اخبار کے دفتر سے اشتہار شائع کرانے والے کا صحیح نام اور پتہ نہ معلوم ہو سکا۔“

”ہوں.... تو یہ بات ہے....!“ رحمان صاحب نے طویل سانس لی۔

”کچھ عجیب ہی اتفاقات پیش آتے رہے ہیں جناب عالی.... میں وہیں تھا کہ دو آدمی اس  
 اشتہار پر وہاں آ پہنچے.... اور عمارت کے متعلق پوچھ گچھ کرنے لگے۔ یہ بھی ہمارے لئے اجنبی نہ  
 تھے۔ نواب مظفر الملک کا بھتیجا ظفر الملک.... یہ بھی عمران کے خاص دوستوں میں سے ہے۔!“  
 ”ظفر الملک آیا تھا....؟“

”جی ہاں.... اور اس کا ملازم....!“

”ہوں.... اچھا.... یہ ہنری ڈی سوزا کون تھا....؟“

”ایک مقامی فرم.... پورچو گیز امپورٹرز کا منیجر.... ان دونوں ملازموں کے بیان کے  
 مطابق نام براؤن کی موت کے بعد سے وہی منشیات کے اس کاروبار کی نگرانی کرتا رہا تھا۔!“

تھوڑی دیر تک وہ اُسے دیکھتا رہا پھر اپنے بستر سے اٹھا اور اُسے جھنجھوڑ ڈالا۔  
”واٹ از دیٹ....؟“ جیمسن ہر بڑا کر اٹھتا ہوا ہاڑا۔

”اردو.... اردو....!“

”میں اپنی اس از خود رفتگی پر مجبوجوب ہوں!“ جیمسن آہستہ سے بولا۔

ظفر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔!

اُس نے جھپٹ کر دروازہ کھول دیا اور پھر لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹ آیا۔ ایک بہت خوبصورت لڑکی سامنے کھڑی تھی اس نے فرانسسی لہجے والی انگریزی میں اُس سے کہا۔ ”تم لوگ کتنی دیر میں فارغ ہو سکو گے! میز پر ناشتہ لگانا ہے۔!“

”ابھی.... ابھی.... بہت جلد....!“ ظفر نے کہا اور لڑکی چلی گئی۔

”فرانسسی معلوم ہوتی ہے!“ جیمسن بولا۔

دس منٹ کے اندر اندر وہ ناشتے کے لئے تیار ہو گئے۔!

وہی لڑکی پھر آئی اور انہیں ڈائننگ روم کا راستہ بتاتی ہوئی بولی۔ ”اپنی مدد آپ کرو۔ میں اس وقت بالکل تنہا ہوں اور مجھے دوسرے کام بھی کرنے ہیں۔!“

”شکریہ.... شکریہ....!“ جیمسن نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

”اگر تم لوگ چاہو تو ناشتے کے بعد میری بھی مدد کر سکتے ہو۔!“

”یقیناً.... ہم ہر قسم کی خدمت کے لئے حاضر ہیں۔!“

پچھلی رات جو اجنبی انہیں ٹرک کے نیچے سے نکال کر یہاں لائے تھے ان میں سے کوئی بھی

اس وقت نہ دکھائی دیا۔ ناشتے کی میز پر صرف وہی دونوں تھے۔!

”یہ خونہائے رنگا رنگ.....!“ جیمسن سر ہلا کر بولا۔ ”کاش سنا معہ نواز ہوتی صدائے

چنگ..... ہو گا اس میں بھی کوئی حیلہ فرنگ.....!“

”کیا یہاں رہا ہے....؟“ ظفر اسے گھورتا ہوا بولا۔

”آجکل آغا حشر کے ڈرامے بھی پڑھ رہا ہوں۔!“ جیمسن نے لاپرواہی سے کہا اور ناشتے پر ٹوٹ پڑا۔

”پتہ نہیں یہ نیک دل لوگ کون ہیں جنہوں نے ہمیں باسی روٹی سے بچالیا۔!“ ظفر کا لہجہ

بے حد غم ناک تھا۔

”بدرگاہ قاضی الحاجات بعد مناجات میں نے پچھلی شب یہ عرضداشت پیش کی تھی کہ ٹومارو نیور کمس (Tomorrow Never Comes) جو کچھ بھی عطا کرنا ہے آج ہی عطا کر دے۔

”کلاسیکی اردو میں انگریزی کیوں ٹھونک ماری تو نے۔!“ ظفر آنکھیں نکال کر بولا۔

ناشتہ کر کے وہ دونوں لڑکی کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے تاکہ اُس کی مدد کر سکیں۔

لیکن پوری عمارت میں اُن دونوں کے علاوہ اور کوئی موجود نہ تھا۔

وہ بیرونی برآمدے تک آ گئے۔ باہر لان بھی سنسان تھا اور جب پھاٹک پر پہنچے تو جیمسن ”یا مظهر العجائب....!“ کا نعرہ مار کر اچھل پڑا۔ کیونکہ بائیں جانب لگی ہوئی نیم پلیٹ پر ”ظفر الملک ایم ایس سی“ تحریر تھا۔ پھر وہ ظفر کے سامنے تعظیماً جھکتا ہوا بولا۔ ”یور ہانس! خادم حاضر ہے۔!“

ظفر خاموش کھڑا حلقہ انداز میں پلکیں جھپکاتا ہوا تھا۔

”اندر تشریف لے چلیں یور ہائی نس.....!“ جیمسن پھر بڑے ادب سے بولا۔

”کیا چکر ہے....؟“ ظفر سر کھچتا ہوا بڑبڑایا۔

”میں سینکڑوں بار آپ سے کہہ چکا ہوں کہ اس خطرناک آدمی کے پتھر سے نکلنے ورنہ کسی دن گردن کٹ جائے گی۔!“

”بکواس بند کرو....!“

”مجھے کوئی دلچسپی نہیں یور ہائی نس..... میرا خیال ہے کہ میں نے ایک کمرے میں لا بیریری دیکھی تھی.... ہو سکتا ہے اردو کی بھی کچھ کتابیں ہوں۔! میرا وقت بہر حال اچھا گزرے گا۔!“

ظفر کچھ نہ بولا۔

وہ دونوں پھر اندر چلے آئے.... یہاں سچ ایک کمرے میں کتابوں کی الماریاں بھی موجود تھیں۔

ظفر نے اُن کا سر سری جائزہ لیا۔ لیکن جیمسن کو ایک میں اردو کی کچھ کتابیں بھی مل گئیں اور وہ بڑے انتہاک سے ان کی ورق گردانی کرنے لگا۔

اتنے میں گھنٹی کی آواز گونجی اور وہ دونوں چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔

”دیکھو.... کون ہے....؟“ ظفر نے جیمسن سے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ میں یہاں بھی سکون سے مطالعہ جاری نہ رکھ سکوں گا۔!“ جیمسن نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔



پھر تھوڑی دیر بعد واپس آکر بولا۔ ”وہی محترمہ ہیں جو ہمیں ناشتے کی میز پر تنہا چھوڑ کر...!“

”تو اس طرح گھنٹی بجا کر آنے کی کیا ضرورت تھی!“

”فرماتی ہیں پہلے میری حیثیت اور تھی اب کچھ اور ہے۔!“

”میں نہیں سمجھا۔!“

”جا کر سمجھ لیجئے.... میں فسانہ عجائب پڑھ رہا تھا۔ جان عالم نے طوطا خرید لیا ہے۔!“

”اور تو افیون کی دو چار گولیاں خرید لے۔!“ ظفر نے کہا اور ڈرائیونگ روم کی طرف چل دیا۔

وہ لڑکی اُسے دیکھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ انداز مودبانہ تھا۔ صبح کی گفتگو کے انداز سے بالکل مختلف۔“

”اب میں آپ کی سیکریٹری ہوں....!“ اُس نے کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ کہا۔

”اور ناشتے سے پہلے کیا تھیں....؟“

”اُس وقت میں نہیں جانتی تھی کہ آپ کی حیثیت کیا ہے۔!“

”اور اب....؟“

”آپ میرے باس ہیں....!“ وہ دلاویز انداز میں مسکرا کر بولی۔ ”اور خدا کا شکر ہے انگریزی

بول اور سمجھ سکتے ہیں۔!“

”تم فرانسیسی ہو....!“

”جی ہاں....!“

”میرا خیال ہے کہ تم انگریزی بولنے میں بھی تکلیف محسوس کرتی ہو۔!“ ظفر الملک نے

فرانسیسی میں کہا۔ ”لہذا میں تمہاری مادری ہی زبان میں گفتگو کرنا زیادہ پسند کروں گا۔!“

”اوہ خدایا.... میں کتنی خوش قسمت ہوں.... آپ فرانسیسیوں کے سے انداز میں میری

زبان بول رہے ہیں۔!“

”تم لوگوں کو میرا نام کیسے معلوم ہوا....؟“

”اوہ.... میں سمجھی.... شاید آپ اپنے نام کی تختی پھانک پر دیکھ کر متحیر ہیں۔!“

”کیا یہ حیرت کی بات نہیں ہے۔!“

”بالکل نہیں.... آپ کی جیب میں آپ کا وزینگ کارڈ موجود تھا۔!“

”لیکن اسکی کیا ضرورت تھی.... تم لوگوں کا اتنا ہی احسان کافی تھا کہ چھت میر آگئی تھی۔!“

”پولیس تھی تمہارے پیچھے۔!“

”وہ لوگ خواہ مخواہ ہمارے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ ہمیں کرائے پر ایک بڑے مکان کی ضرورت

تھی۔ جس میں کم از کم دس آدمی رہ سکیں۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ مکان پولیس کسٹڈی ہے۔ کچھ

بھی ہو میں اپنے ان ہمدردوں کا ممنون ہوں۔ کچھلی رات وہ تین آدمی تھے۔!“

”وہ سب میری ہی طرح باس کے ملازم ہیں۔!“

”باس....؟ کون باس....!“

”آپ میرے باس ہیں۔ فی الحال اس سے سروکار رکھئے! خود کو الجھن میں ڈالنے سے کیا فائدہ!“

”ہوں....!“ ظفر نے شانوں کو جنبش دی۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی اور لڑکی نے بڑھ کر ریسپور اٹھالیا۔ ”لو“ کہہ کر وہ صرف سنتی رہی

کچھ بولی نہیں.... بالآخر ریسپور کریڈل پر رکھ کر ظفر کی طرف مڑی۔!

”مجھے ہدایت ملی ہے کہ آپ دونوں کو آرام کرنے کا مشورہ دوں۔!“ اُس نے کہا۔

”کس سے ہدایت ملی ہے....؟“

”باس سے....!“

”میں اپنے محسن کے بارے میں سب کچھ جانتا چاہوں گا۔!“

”میرا مشورہ ہے کہ آپ اس چکر میں نہ پڑیں۔ ویسے آپ لوگ بے حد خوش قسمت ہیں کہ

باس خود بخود آپ پر مہربان ہو گیا ہے۔!“

”ان کی اس عنایت کی وجہ ہی بتا دو....!“

”وہ ہم میں سے ہر ایک کے لئے معمر ہے.... اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتی۔!“

”خیر....!“ ظفر نے طویل سانس لی اور دوسری طرف دیکھنے لگا۔



صفدر بُری طرح چکر لپا ہوا تھا۔ عمران نے ابھی تک اسے پوری بات نہیں بتائی تھی! کچھلی

رات جب وہ کافی تیار کر کے کمرے میں واپس آیا تھا تو عمران وہاں نہیں ملا تھا۔ پھر بقیہ رات صفدر

نے وہیں بسر کی۔ صبح اٹھا تو معلوم ہوا کہ جب وہ سو رہا تھا عمران اُن دونوں عورتوں کو بھی وہاں

سے کہیں اور لے گیا۔

پھر اس نے سوچا کہ خود اسے بھی وہاں سے چل دینا چاہئے لیکن وہ اس پر عمل نہیں کر سکا تھا کیونکہ اس کی گاڑی عمران لے گیا تھا۔ آٹھ بجے تک وہ جھنجھلاہٹ کا شکار رہا۔ پھر کچھ کر گزرنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ عمران دکھائی دیا لیکن وہ تنہا تھا۔

”ناشتہ میرے ساتھ کرنا....!“ وہ قریب آکر آہستہ سے بولا تھا۔

”شکریہ....!“ صفدر کا لہجہ بے حد خشک تھا۔

”چلو چھوڑو.... ڈیڈی سے خفا نہیں ہوا کرتے!“ عمران اس کا ہاتھ پکڑ کر گاڑی کی طرف کھینچ لے گیا تھا۔

اب وہ کسی نامعلوم منزل کی طرف اڑے جا رہے تھے اس بار خود عمران ڈرائیو کر رہا تھا۔

”چھپیلی سیٹ پر رکھی ہوئی باسکٹ میں ناشتے کا سامان موجود ہے!“ اُس نے صفدر سے کہا۔

صفدر نے باسکٹ اٹھائی اور خاموشی سے کھاتا رہا۔ پھر تھر موس سے کافی انڈیلی اور ایک

سگریٹ سگا کر چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتا رہا۔

لیکن اس نے عمران سے یہ نہ پوچھا کہ اب وہ کہاں جا رہے ہیں!

”دونوں عورتیں تمہیں بے تحاشہ یاد کر رہی تھیں۔“ عمران نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

”جہنم میں جائیں....!“

”تمہیں ساتھ لئے بغیر ہر گز نہ جائیں گی کیونکہ تم نے بڑے سعادت مندانہ انداز میں خود کو

بحیثیت محبوب پیش کیا تھا۔!“

”لیکن میرا خیال ہے کہ اس سلسلے میں مجھ سے کوئی حماقت سرزد نہیں ہوئی تھی کیونکہ

میری وہی حرکت آپ کی کامیابی کا باعث بنی۔!“

”اسی لئے تو میں حماقتوں کا پرچار کرتا ہوں کیونکہ عموماً یہی کارآمد ہوتی ہیں۔ آج کی حماقت

کل کا فلسفہ کہلاتی ہیں۔!“

”لیکن میری کل کی حماقت آج مجھے خود کو الو سمجھنے پر مجبور کر رہی ہے۔!“

”کیوں تمہیں اس سے کیا نقصان پہنچا ہے۔!“

”جو کچھ کھلیا ہے خدا ار اسے ہضم ہو جانے دیجئے۔!“ صفدر زچ ہو کر بولا۔

عمران نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔ کار سڑک سے کچے راستے پر اتار دی گئی تھی۔

جس کے دونوں اطراف میں دور دور تک گھنی جھاڑیاں تھیں!

صفدر نے اب بھی نہ پوچھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں!

”ریوالور ہے....؟“ عمران نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

”ہے....!“ صفدر اپنا بغلی ہو لیسٹر ٹولتا ہوا بولا۔

ایک جگہ عمران نے گاڑی جھاڑیوں کے اندر موڑ دی اور اسے کچھ دور لے جا کر انجن بند کر دیا۔

”اب اتر چلو....!“ اُس نے صفدر کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

پھر اُس نے ڈکے سے ایک ڈائنا سوٹ کیس نکالا اور وہ دونوں جھاڑیوں سے نکل کر پھر کچے

راستے پر آگئے۔ صفدر نے مڑ کر دیکھا.... رزی جھاڑیوں میں اس طرح چھپ گئی تھی کہ اُس کے

دیکھ لئے جانے کا امکان نہیں تھا!

”اب پیدل کتنی دور چلنا پڑے گا۔!“ صفدر نے پوچھا۔

”بس تھوڑی دور.... کیا تم ادھر کبھی نہیں آئے۔!“

”میرا خیال ہے کہ کبھی نہیں....!“

”ادھر....!“ عمران بائیں جانب ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”ایک چھوٹی سی عمارت ہے جس پر ایکسٹو

کا قبضہ ہے۔!“

”اور وہ زیادہ تر آپ کے استعمال میں رہتی ہے۔!“ صفدر مسکرایا۔

”باتوں کا وقت نہیں ہے۔!“ عمران گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔ ”ساڑھے نو بجے ہیں۔ آدھے گھنٹے

بعد وہ نامعلوم آدمی مجھ سے ٹرانس میٹر پر گفتگو کرے گا اس نے چھپیلی رات وعدہ کیا تھا۔!“

”لیکن ٹرانس میٹر تو نمبر پانچ میں دفن ہیں....!“

”نہیں....!“ عمران نے سوٹ کیس کی طرف اشارہ کیا جسے ہاتھ میں لٹکائے چل رہا تھا۔

کچھ اور آگے چل کر کچا راستہ دو سمتوں میں تقسیم ہو گیا۔ اب وہ بائیں جانب مڑے تھے۔

اور پھر جلد ہی وہ اس چھوٹی سی عمارت تک جا پہنچے جس کا تذکرہ عمران نے کچھ دیر پہلے کیا تھا۔

وہ اس طرح گھنے درختوں کے درمیان چھپی ہوئی تھی کہ کچے راستے پر سے نہیں دیکھی جاسکتی تھی۔

اُس کی دیواریں بھی زیادہ اونچی نہیں تھیں!

”آخر....! یہاں عمارت کا کیا مقصد....!“ صفدر بڑبڑایا۔

جس جگہ وہر کے تھے اس طرف کی دیوار میں کوئی کھڑکی یاد روازہ نہیں تھا۔  
عمران وہیں زمین پر بیٹھ کر سوٹ کیس کھولنے لگا۔ سوٹ کیس سے ایک دوسرا بکس برآمد  
ہوا۔۔۔۔۔ دراصل یہ وزن اسی بکس کا تھا۔ اس بکس کے کھلنے پر صفدر کو اس میں وہی دونوں ٹرانس  
میٹر نظر آئے جنہیں عمران نے مچھلی رات دفن کر دیا تھا۔

عمران نے انہیں بکس سے نکال کر کوٹ کی جیبوں میں ڈالا اور اپنے جوتے اتار دیئے۔  
اور پھر صفدر نے دیکھا کہ وہ قریب ہی کے ایک درخت پر چڑھ رہا ہے۔

کچھ دیر بعد وہ اترا اور سوٹ کیس اٹھاتا ہوا صفدر سے بولا۔ ”آؤ اب وہیں واپس چلیں جہاں  
گاڑی کھڑی کی تھی۔“

”یہ آپ کیا کرتے پھر رہے ہیں۔“

”ابھی تو کچھ بھی نہیں۔۔۔۔۔ نتیجہ برآمد ہونے کے بعد ہی بتا سکوں گا۔“

”عورتیں کہاں ہیں۔۔۔۔۔؟“ صفدر اس کے پیچھے جھپٹتا ہوا بولا۔ عمران کی رفتار خاصی تیز  
تھی۔ صفدر پیچھے رہ گیا تھا۔

”عورتیں کہاں نہیں ہیں۔۔۔۔۔!“ جواب ملا۔

صفدر بھنا کر رہ گیا۔ بڑی اتیز رفتاری سے وہ اس جگہ پہنچے تھے جہاں گاڑی کھڑی کی تھی۔  
”اُن ٹرانس میٹروں کا سسٹم عجیب ہے لیکن میں ان سے اپنا ایک ایسا آپریٹس اُتچ کر آیا ہوں  
کہ اپنے ٹرانس میٹر پر بھی کال ریسیو کر سکوں گا۔“ عمران جیسی ٹرانس میٹر نکالتا ہوا بولا اور  
اس کا سوچ آن کر دیا۔

وہ بار بار گھڑی بھی دیکھنے جا رہا تھا۔ ٹھیک دس بجے ٹرانس میٹر سے آواز آئی۔ ”ہیلو۔۔۔۔۔  
ہیلو۔۔۔۔۔ ان نون۔۔۔۔۔ ہیلو۔۔۔۔۔ ان نون۔۔۔۔۔ ان نون۔۔۔۔۔ دس بجے ہیں۔“

”ہیلو۔۔۔۔۔ اٹ از اُن نون۔۔۔۔۔!“ عمران بولا۔

”تم کون ہو۔۔۔۔۔!“ آواز آئی۔

”اگر یہ بتانا ہو تا تو بچھلی رات ہی بتا دیتا۔“ عمران بولا۔ ”دونوں عورتیں محفوظ اور بخیریت ہیں۔“

”تم کیا چاہتے ہو۔۔۔۔۔!“

”بچھلی رات بھی میں نے تمہارے چیف سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تھی۔“

”جب تک کہ مقصد نہ معلوم ہو۔۔۔۔۔ یہ ناممکن ہے۔“

”میں نے سنا ہے کہ وہ بہت خوب صورت آدمی ہے لیکن مجھے یقین نہیں آتا۔“ عمران  
میں آنکھ دبا کر بولا۔ اس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ تھی۔

”تم اس وقت کہاں ہو! آواز آئی۔“

”میں تمہیں اپنا صحیح پتہ نہیں بتا سکتا۔“

”پھر ہمارے چیف کو کیسے دیکھ سکوں گے۔“ آواز آئی۔

”تم ہی کوئی ایسی تدبیر بتاؤ کہ میری جان بھی نہ جائے اور تمہارے چیف کو بھی دیکھ لوں۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔۔۔!“ آواز آئی۔ ”ٹھیک گیارہ بجے دوبارہ گفتگو ہوگی۔ میں چیف سے مزید

گفتگو کئے بغیر کوئی صحیح جواب نہیں دے سکتا۔“

عمران نے بُرے معنی انداز میں سر کو جنبش دی اور ٹرانس میٹر کا سوچ آف کر کے جیب میں ڈال لیا۔

”مجھے یقین ہے کہ اُن کے ٹرانس میٹر ان کی صحیح رہنمائی کریں گے۔“

”کیا مطلب۔۔۔۔۔؟“

”وہ اس درخت تک پہنچ جائیں گے جس پر میں نے دونوں ٹرانس میٹر رکھے ہیں۔“

”تو کوئے اڑتے پھر رہے ہیں۔ کبھی آپ کے اندازے غلط بھی ہوئے ہیں۔“

”صرف ایک بار۔۔۔۔۔ ایک اندازہ غلط ثابت ہوا تھا۔ جسے آج تک بھگت رہا ہوں۔“

”اوہو۔۔۔۔۔ یقیناً دلچسپ کہانی ہوگی۔“

”دو جملوں کی کہانی ہے۔“

”اتنی مختصر۔۔۔۔۔؟“

”ہاں سنو۔۔۔۔۔ میرا خیال تھا کہ پیدا نہ ہو سکوں گا۔۔۔۔۔ لیکن ہو گیا۔“

”میں اس پر قہقہہ لگاؤں یا سر پیٹوں۔۔۔۔۔!“

”میں اب تمہارا سر پٹینا شروع کر دوں گا۔۔۔۔۔ جو تجربہ میں نے کیا ہے اُس کے نتیجے کے لئے

ناک پر ہاتھ۔۔۔۔۔ اور ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہنا خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ ہمیں کچے راستے کے

قریب ہی رہنا چاہئے۔“

صفدر پھر خاموشی سے اُسکے ساتھ چلنے لگا اور وہ کچے راستے کے قریب والی جھڑیوں میں آچھپے۔

دفعاً صفدر نے محسوس کیا کہ جیسے عمران کچھ سننے کی کوشش کر رہا ہو۔

اور پھر ذرا ہی سی ذریعہ میں وہ آواز اُسے بھی سنائی دے گئی۔ آواز بلاشبہ کسی ہیلی کوپٹر کی تھی۔ اب عمران صفدر کا ہاتھ پکڑے ایک طرف گھسیٹے جا رہا تھا۔ اپنی گاڑی سے کافی دور نکل جانے کے بعد عمران رک کر مڑا۔

”اوہ دیکھو....!“ اس نے صفدر کے ہاتھ کو جھٹکا دے کر کہا۔ ”ہیلی کوپٹر اسی درخت کے اوپر چکر لگا رہا ہے.... بیٹھ جاؤ.... بیٹھ جاؤ۔!“

صفدر کا بھی یہی اندازہ تھا کہ وہ اس عمارت کے اوپر ہی منزل لا رہا ہے۔

”اس ہیلی کاپٹر میں یقینی طور پر کوئی ایسا آپریشن موجود ہے جس نے یہاں اُن ٹرانس میٹرور کی نشاندہی کی ہے۔!“ عمران پھر بولا۔

”لیکن! یہ تو محکمہ زراعت کا ہیلی کاپٹر معلوم ہوتا ہے۔ جس کے ذریعہ کھیتوں پر جراثیم کش دوا چھڑکی جاتی ہے۔!“ صفدر اُسے بغور دیکھتا ہوا بولا۔

”کئی ملک ہمیں زراعتی ترقی میں مدد دے رہے ہیں اور کئی ملکوں کے ایسے ہیلی کاپٹر محکمہ زراعت کے پاس موجود ہیں نہ صرف ہیلی کاپٹر بلکہ غیر ملکی ماہرین زراعت بھی۔!“ دفعاً اس جگہ سے گہرے دھوئیں کا بادل فضا میں بلند ہوتا نظر آیا جہاں وہ چھوٹی سی عمارت تھی اور ہیلی کاپٹر مغرب کی طرف اڑتا چلا گیا۔

”یہ دھواں.... لیکن کیا کوئی دھماکہ ہوا تھا۔!“ صفدر بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔

”نہیں.... کوئی دھماکہ نہیں ہوا.... لیکن دھماکے کے بغیر یہ ناممکن ہے۔!“

”تو پھر کیا ہوا....؟“

”پتہ نہیں... مجھے خود حیرت ہے۔! دھماکے کے بغیر فوری طور پر اس قسم کا دھواں ناممکن ہے۔!“ اچانک ہیلی کاپٹر کی آواز کا رخ بدلتا ہوا محسوس ہوا۔

”کیا وہ پھر واپس آ رہا ہے۔!“ صفدر چونک کر بولا۔

”اگر ٹرانس میٹر محفوظ ہیں تو یہ ممکن ہے.... اٹھو.... اور پھر بھاگو.... میرا خیال ہے کہ اب وہ بڑے بڑے چکر لے رہا ہے۔!“

عمران کا خیال غلط نہیں نکلا تھا۔ ذرا ہی دیر بعد انہوں نے دوسری جگہ سے دھواں اٹھتے دیکھا۔

اس بار دھماکہ بھی ہوا تھا اور انہوں نے دو ڈھائی فرلانگ کے فاصلے سے آنچ بھی محسوس کی تھی۔

”کھڑی ختم!“ عمران بڑبڑایا۔ ”یہ ٹینکی پھٹنے کا دھماکہ تھا اور اب یہ نامعقول یہاں نہیں ٹھہرے گا۔!“ یہ اندازہ بھی غلط نہ نکلا.... ہیلی کاپٹر کی آواز بتدریج دور ہو جاتی جا رہی تھی۔

پھر کچھ دیر بعد فضا پہلے ہی کی طرح پرسکون ہو گئی۔ البتہ دھواں چاروں طرف پھیل رہا تھا۔

”اب کیا خیال ہے....!“ صفدر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”سوچ رہا ہوں کہ اس گاڑی کے بدلے تمہیں کون سی گاڑی دلوائی جائے۔!“

”فی الحال کہیں سے دو ٹو فرام کیجئے.... تاکہ ہمیں پیدل نہ چلنا پڑے۔!“

”ابھی کام ختم نہیں ہوا۔!“

صفدر کچھ نہ بولا۔ عمران کہتا رہا۔ ”زرعی ترقی کا ایک مرکز یہاں کہیں قریب ہی ہے۔ ہو سکتا ہے کوئی اس دھوئیں کی طرف متوجہ ہو کر ادھر آ نکلے.... لہذا تمہارے لئے ایک تجویز ہے اس پر عمل کر کے تم پیدل چلنے سے بچ جاؤ گے۔!“



زرعی ترقی کے مرکز سے دھوئیں کے بادل صاف دکھائی دے رہے تھے۔ لوگوں کو اس سے متعلق تشویش تھی۔

اتنے میں انہیں وہ ہیلی کاپٹر دکھائی دیا جو کچھ دیر پہلے کھیتوں پر دوائیں چھڑکنے کے لئے لے لایا گیا تھا۔

ہیلی کوپٹر نے لینڈ کیا اور اس پر سے دو سفید فام غیر ملکی اترے۔ انہوں نے بتایا کہ انہوں نے جھاڑیوں کے درمیان سے ایسا دھواں اٹھتے دیکھا ہے جیسے کوئی عمارت جل رہی ہو۔!

ان لوگوں نے آس پاس کسی عمارت کی موجودگی سے لاعلمی ظاہر کی۔ پھر ایک آدمی بولا۔

”کچھ بھی ہو.... ہمیں دھوئیں کی وجہ معلوم کرنی چاہئے۔!“

”یقیناً.... یقیناً....!“ غیر ملکی بولا۔ ”لیکن درختوں کے جھنڈے سے نیچے نہیں دیکھا جاسکتا۔ لینڈ کرنے کی کوئی جگہ نہیں.... ہم نے لبا چکر لگا کر دیکھا تھا۔!“

”کوشش تو کرنی ہی چاہئے۔!“

وہاں دو ہیلی کوپٹر اور بھی موجود تھے۔

آخر یہ طے پایا کہ تینوں ہیلی کوپٹر ایک ساتھ اڑیں اور دھوئیں کے آس پاس لینڈ کرنے کی جگہ تلاش کریں۔ دونوں غیر ملکی اس پر متفق نہ ہو سکے۔

”ہم اب نہیں جاسکیں گے!“ انہیں سے ایک بولا۔ ”تم میں سے جو بھی جانا چاہے جاسکتا ہے۔“ مقامی آدمیوں میں صرف ایک پائلٹ تھا اسلئے صرف ایک ہی ہیلی کوپٹر استعمال کیا جا سکا۔ اس پر دو آدمی اور بیٹھے تھے اس نے دھوئیں کے گرد ایک چکر لگایا۔ دوسرے چکر میں پرواز کا دائرہ کچھ اذر وسیع کرتے ہوئے پائلٹ نے کہا۔

”مجھے نیچے کوئی آدمی دکھائی دیا تھا۔!“

”کدھر....؟“ دوسرے نے چیخ کر پوچھا۔

”ٹھہرو!“ پائلٹ نے کہا اور پھر چکر لگاتے ہوئے ایک جگہ ہیلی کوپٹر کو فضا ہی میں روک دیا۔

”وہ دیکھو.... بائیں جانب.... کوئی آدمی ہاتھ ہلا رہا ہے۔!“

”لیکن اُدھر جہاز یوں میں لینڈ کرنے کی جگہ نہیں ہے۔!“

”کچھ.... اور آگے بڑھا کر میٹر ہی پھینکو....!“

”ہاں.... یہ ٹھیک ہے۔!“

انجن کے شور کی وجہ سے چیخ چیخ کر گفتگو کر رہے تھے۔

ہیلی کوپٹر کو بائیں جانب کچھ اور بڑھا کر رسیوں کی میٹر ہی نیچے پھینکی گئی اور وہ آدمی اوپر چڑھنے لگا۔ بالآخر انہوں نے اُسے ہیلی کوپٹر میں کھینچ لیا۔

”مم.... میں.... تباہ ہو گیا.... برباد ہو گیا۔!“ وہ ہانپتا ہوا کہہ رہا تھا۔ ”میری تجربہ گاہ جل گئی.... راکھ کا ڈھیر ہو گئی.... میں کیا کروں۔!“

”کوئی اور بھی ہے....!“ ایک آدمی نے پوچھا۔

”نہیں میں تنہا تھا.... لیکن آگ کیسے لگی میں نہیں جانتا۔ بتاؤ میں کیا کروں۔ میری تین سال کی محنت برباد ہو گئی۔!“

”کیا اب ہم آپ کی مدد کر سکتے ہیں۔!“

”کچھ نہیں... اب کیا مدد کرو گے۔ اب تو ایسا لگتا ہے جیسے... وہ بارود کی دیواریں رہی ہوں۔!“

”ہم نے دھماکہ بھی سنا تھا۔!“

”عمارت میں کوئی دھماکہ نہیں ہوا تھا.... لیکن کہیں قریب ہی ہوا تھا وہ وہ ادھر کیے مادیات... میرے خدا کیا میری گاڑی بھی تباہ ہو گئی۔!“

”کیا گاڑی کہیں اور تھی....؟“

”ہاں عمارت تک نہیں لائی جاسکتی تھی۔ اُسے دور جہاز یوں میں پارک کیا تھا۔!“

ہیلی کوپٹر دوسری طرف بڑھا.... اور بدحواس آدمی نے چیخ چیخ کر کہنا شروع کیا۔ بلاشبہ میری کار بھی تباہ ہو گئی۔ دھماکہ اُس کی ٹینکی پھٹنے سے ہوا ہو گا۔ یہ سب کیا ہے یہ سب کیا ہے.... بتاؤ مجھے بتاؤ۔!“

وہ چیختے چیختے نڈھال ہو کر گر گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بے ہوش ہو گیا ہو۔!

اسی حالت میں اسے لے کر وہ مرکز کی عمارت میں پہنچے۔ اُسے ایک آرام دہ بستر پر لٹا دیا گیا۔ دونوں غیر ملکی بھی وہاں موجود تھے۔ پائلٹ انہیں بیہوش آدمی کے متعلق بتانے لگا۔

”کیسی تجربہ گاہ تھی....؟“ ایک نے پوچھا۔

”یہ بتانے سے پہلے ہی وہ بیہوش ہو گیا تھا۔!“

”اسے ہوش میں لاؤ.... پولیس کے حوالے کریں گے۔ اس نے غیر قانونی طور پر آتش گیر مادوں کا ذخیرہ کر رکھا ہو گا۔!“ غیر ملکی بولا۔

وہ اُسے ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگے۔

کچھ دیر بعد اس نے آنکھیں کھولیں اور بوکھلائے ہوئے انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔

”تم کون ہو....؟“ غیر ملکی نے آگے بڑھ کر تحکمانہ لہجے میں سوال کیا۔

”مم.... میں.... صفدر سعید ہوں۔ ڈاکٹر صفدر سعید.... تباہ ہو گیا۔ ساری محنت ضائع ہو گئی۔ اب مجھے دنیا کی کسی چیز سے دلچسپی نہیں رہی۔ سب کچھ جہنم میں جائے۔!“

اتنے میں ایک لڑکی شور مچانی کمرے میں داخل ہوئی۔ یہ بھی غیر ملکی ہی تھی۔ یہاں بھیڑ دیکھ کر یکفخت خاموش ہو گئی اور متفسر نہ نظروں سے ایک ایک کی طرف دیکھنے لگی۔

دونوں غیر ملکیوں نے ہاتھ ہلا کر اُسے واپس جانے کا اشارہ کیا تھا لیکن وہ کھڑی رہی۔

”تم کیسی تباہی کا ذکر کر رہے تھے۔!“ غیر ملکی نے صفدر سے پوچھا۔

”میری تجربہ گاہ تباہ ہو گئی.... میری گاڑی تباہ ہو گئی۔ میں نہیں جانتا یہ سب کیونکر ہوا۔!“

”کس قسم کی تجربہ گاہ تھی!“

”میں چوہوں کی ایک نسل پر تجربہ کر رہا تھا۔!“

”کس قسم کا تجربہ تھا....؟“

”میں اس وقت تفصیل سے گفتگو نہیں کر سکتا۔! میری ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے۔!“

”تمہاری تجربہ گاہ میں آتش گیر مادہ تھا....؟“

”یہ جھوٹ ہے.... اگر کوئی ثابت کر دے تو پھانسی پر پڑھ جانے کو تیار ہوں۔!“ صفدر

چج کر کہا اور جھٹکے کے ساتھ اٹھ بیٹھا۔

”تمہیں پولیس اسٹیشن چلنا پڑے گا۔!“

”میں کیا کوئی چور ہوں.... چلو جہاں چلتے ہو....!“ وہ بستر سے اتر آیا۔

دونوں غیر ملکیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر اُس لڑکی کی طرف متوجہ ہو

جواب بھی دروازے میں کھڑی تھی۔

انہوں نے اس کو کسی قسم کا اشارہ کیا تھا۔ دفعتاً وہ آگے بڑھ کر بولی۔

”کیا قصہ ہے....؟“

”غیر قانونی طور پر ذخیرہ کئے ہوئے آتش گیر مادے میں آگ لگ گئی۔!“ ایک سفید فام بوا

”یہ جھوٹ ہے....!“ صفدر پھر حلق پھاڑ کر چیخا۔

”مجھے پوری بات بتاؤ....!“ لڑکی دونوں کو باری باری سے دیکھ کر بولی۔

”کیا تم لوگ میرا تماشا بناؤ گے۔!“ صفدر غرایا۔ ”تمہیں مجھ سے ہمدردی ہونی چاہئے۔!“

”تم مجھے بتاؤ کیا بات ہے....؟“ لڑکی آگے بڑھ کر نرم لہجے میں بولی۔

”میرا سب کچھ تباہ ہو گیا۔!“

”مجھے افسوس ہے.... چلو تم میرے ساتھ چلو.... یہ سب جنگلی ہیں انہیں کھیتی باڑی

علاوہ دنیا کی اور کسی چیز سے دلچسپی نہیں۔!“

”رینا....!“ ایک غیر ملکی نے غصیلے لہجے میں لڑکی کو مخاطب کیا۔

”تم چپ رہو.... میں نے بھی دھواں دیکھا تھا۔!“ لڑکی نے سرد لہجے میں کہا اور صفد

ہاتھ پکڑتی ہوئی بولی۔ ”چلو....!“

کلائی پر اس کی گرفت مضبوط تھی اور وہ اُسے کھینچنے لے جا رہی تھی۔

اس عمارت سے تھوڑے فاصلے پر ایک عمارت اور تھی۔ وہ اُسے اُس عمارت میں لائی....

اور ایک کمرہ میں بٹھا کر خود باہر چلی گئی۔ صفدر پُر تجسس نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

عمران کی ہدایت کے مطابق اس نے یہ سب کچھ کیا تھا اور اب نتیجے کا منتظر تھا۔

لڑکی کچھ دیر بعد واپس آگئی اس کے ہاتھوں پر ایک کشتی تھی جس میں چائے کے لوازمات

نظر آ رہے تھے۔

”ڈاکٹر سعید پلینز.... اپنی مدد آپ کرو....!“ وہ مسکرا کر بولی۔ ”میں نہیں جانتی کہ تم کس

قسم کی چائے پیتے ہو۔!“

”میں چائے پیوں گا.... اس وقت....؟ نہیں ہر گز نہیں.... اتنا بڑا.... نقصان ہو جانے

کے بعد میں شاید ہی اپنے معدے کی طرف توجہ دے سکوں۔!“

”اگر میں اس بات پر ہنس دوں تو تم برا تو نہ مانو گے۔!“

”تم ہنسو گی....؟ یعنی کہ میرے نقصان پر ہنسو گی۔!“

”جب تک کہ نقصان کی نوعیت نہ معلوم ہو جائے میں اس پر افسوس بھی تو نہیں ظاہر کر سکتی۔!“

”میں اس سلسلے میں تجربات کر رہا تھا کہ غلے کو چوہوں سے کس طرح بچایا جاسکتا ہے۔!“

”ہو نہ ہو! یہ نوعیت تھی تمہارے تجربات کی....!“ لڑکی حقارت سے بولی۔

”کیوں!“ صفدر چونک کر بولا۔ ”تمہاری نظروں میں اس کی کوئی اہمیت نہیں! میرا یہ کارنامہ

ماری دنیا کیلئے خوش حالی لاتا۔ جانتی ہو یہ چوہے دنیا کا ہزاروں ٹن غلہ ہر سال کھا جاتے ہیں۔!“

”ارے اس کا نہایت آسان طریقہ یہ ہے کہ آدمی چوہے کھانا شروع کر دے۔ غلہ محفوظ

ہو جائے گا۔ سستے داموں فروخت ہو گا۔ لوگ چوہے پالنا شروع کر دیں گے۔ اس طرح بیروز

گاری کا مسئلہ بھی کسی حد تک حل ہو جائے گا۔!“

”تم کھا سکتی ہو چوہے....؟“ صفدر نے جھنجھلاہٹ کا مظاہرہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

”یقیناً.... ذرا سلیقے سے تلے جانے چاہئیں۔!“

”گندی باتیں تو کرو!“ صفدر برا سامنے بنا کر بولا۔ ”تم اتنی خوبصورت لڑکی چوہے کھاؤ گی۔!“

”ڈاکٹر چائے پیو.... ٹھنڈی ہو جائے گی۔!“

”اب تو ایک گھونٹ بھی نہ لے سکوں گا۔ تم نے طبیعت بد مزہ کر دی۔!“

”در اصل مجھے زراعت اور اناج کے موضوع سے نفرت ہو گئی ہے۔ میرے دونوں بھائی ماہرین زراعت ہیں اور میں یہاں ان کے ساتھ جھک مار رہی ہوں۔!“

”اچھا... وہ دونوں شریف آدمی جو مجھے پولیس کے حوالے کر دینے کی دھمکی دے رہے تھے۔“

”ہاں وہی....!“

”لیکن انہیں شاید اس کا علم نہیں کہ میں اس سلسلے میں حکومت سے بھی مدد لے رہا تھا۔“

میری تجربہ گاہ میں کوئی غیر قانونی کام کبھی نہیں ہوا۔“

”میں اس مسئلے پر تم سے بحث نہیں کروں گی.... تم چائے پیو....!“

”اچھی بات ہے....!“ صفدر نے سکیوں کے سے انداز میں کہا اور چائے انڈیلنے لگا۔

لڑکی اُسے بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

”تمہارے ساتھ کتنے آدمی کام کر رہے تھے....؟“ لڑکی نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

”میرے دوا سنٹ تھے.... لیکن اس حادثے کے وقت موجود نہیں تھے۔!“

”وہ اس وقت کہاں ہوں گے....؟“

”اپنے گھروں پر.... یا شاید کہیں اور.... آج دراصل میں نے انہیں چھٹی دے دی تھی۔“

”کیوں....؟“

”آرام کرنا چاہتا تھا....!“

”ویسے تم کہاں رہتے ہو....!“

”میں زیادہ تر تجربہ گاہ میں ہی رہتا تھا....!“

”پتہ نہیں کیوں مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے کسی چوہے سے گفتگو کر رہی ہوں۔!“

”اوہ تو کیا تم میرا مذاق اڑاؤ گی۔!“

”سارے مرد چوہے ہوتے ہیں.... چھپ چھپ کر کھانے والے اور ذرا سی آہٹ پر بھاگ

کھڑے ہونے والے۔!“

”اور ساری عورتیں بندریاں ہوتی ہیں۔ بات بات پر منہ چڑھانے والی۔!“ صفدر بھٹا کر بولا

”چڑچڑے چوہے مجھے پسند ہیں۔!“

”لیکن تم مجھے حل کر بھی نہ کھا سکو گی۔!“

”بہت سلیقے سے تم لوں گی۔!“

”بس تلی ہی رہ جاؤ گی۔!“ صفدر نے پھر جھنجھلا کر کہا اور اٹھتا ہوا بولا۔ ”میرا وقت ضائع نہ کرو۔!“

”باہر نکلے اور پولیس کے حوالے کئے گئے اسی وقت تک محفوظ ہو جب تک میرے مہمان رہو گے۔“

وہ دھم سے بیٹھ گیا.... اور اُسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتا رہا۔



جیمسن نے ”فسانہ عجائب“ ختم کر لی تھی اور اب ظفر الملک کو پور کر رہا تھا۔ پل بھر کے لئے

اموش ہوا اور پھر بولا۔ ”آپ کی سیکرٹری کا کیا نام ہے جناب والا۔!“

”لو سیل دے سو ندے....!“

”لو سیل کا مخفف کیا ہو گا۔!“

”مخفف کیا....؟“

”شارٹ فارم.... آپ اردو پڑھتے جناب....!“

”تو مجھ سے انگریزی میں ہی گفتگو کیا کر.... میری سات پشتوں پر احسان ہو گا۔!“

”ہو گا.... مجھے کیا.... اب میں توبہ النصوح پڑھنے جا رہا ہوں۔!“

”جیمسن....!“

”لیس یوز ہائی نس....!“

”کیا تجھے ان حالات پر حیرت نہیں....!“

”کلاسیکی ادب پڑھئے.... آپ بھی ذرا ذرا سی باتوں پر حیران ہونا چھوڑ دیں گے۔!“

”کیا مطلب....؟“

”ہز ہائی نس پر نس جانے عالم اپنی روح کو دوسرے جسموں میں منتقل کر سکتا تھا۔ ہم تو صرف

مڑک سے اس عمارت میں منتقل ہوئے ہیں۔!“

”تیرا دماغ خراب ہو جائے گا۔!“

”اگر کلاسیکی ادب سے مدد بھیڑ نہ ہو جاتی تو یہاں سچ مجھ میرا دماغ خراب ہو جاتا.... میں تو

اب غزلیں بھی کہوں گا۔ سینے ایک شعر ہوا ہے۔

اُف یہ تیرا تیر نظر زخمی جگر جاؤں کدھر  
نہ آج سُنڈے جان من چھٹی پہ ہیں سب ڈاکٹر  
”بکواس بند....!“ ظفر گھونہ تان کر کھڑا ہو گیا۔

اتنے میں سیکریٹری آگئی.... اور ظفر بیٹھ گیا۔

”کیا آپ مشغول ہیں....؟“ اس نے ظفر سے پوچھا۔

”نہیں کہو.... کیا بات ہے....!“

”کیا آپ کہیں باہر نہ چلیں گے۔ شام بڑی خوش گوار ہے۔!“

”یقیناً....!“ جیسن بولا۔ ”آپ کو ضرور جانا چاہئے یورہائی نس....!“

”تم خاموش رہو....!“

”تنہائی چاہتا ہوں جناب عالی....! مجھے اپنی غزل مکمل کرنی ہے۔!“

”میں تمہیں....!“ ظفر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

بہر حال جیسن اپنی جگہ سے نہیں ہلاتھا۔

ظفر باہر نکلا تو ایک بڑی شاندار گاڑی برآمدے کے سامنے کھڑی نظر آئی۔

”آپ خود ڈرائیو کریں گے.... یا ڈرائیو طلب کیا جائے۔!“ لوسیل نے پوچھا۔

”پہلے یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ پولیس میری تلاش میں ہوگی۔ میں تمہیں اس

کے متعلق بتا چکا ہوں۔!“

”یہ کون سی بڑی بات ہے.... اندر چلے.... اس کا بھی انتظام ہو جائے گا۔!“

”کیا انتظام ہو جائے گا۔!“

”میک اپ....!“

”مجھے میک اپ کرنا نہیں آتا۔!“

”مجھے تو آتا ہے.... اگر کوئی آپ کو پہچان سکے تو جو سزا میرے لئے تجویز کریں گے مجھے

منظور ہوگی۔!“

ظفر تھوڑے سوچ بچار کے بعد اُس پر تیار ہو گیا تھا۔ پھر جب وہ دوبارہ کار کے قریب آیا تو

اس کے چہرے پر بڑی خوبصورت ڈاڑھی تھی کوئی فرانسیسی مصور معلوم ہوتا تھا۔

آدھے گھنٹے بعد وہ گرانڈ ہوٹل کے ڈائیننگ ہال میں نظر آئے۔

”آپ کو ایک مصور ہی کارول ادا کرنا ہے۔!“ لوسیل نے آہستہ سے کہا اور ظفر حیرت سے

اُسے دیکھنے لگا۔

”یقین کیجئے کہ یہ سب کچھ آپ کے فائدے ہی کے لئے ہے۔!“

”اچھی بات ہے.... تم مجھے پیچھے نہیں دیکھو گی۔!“

”میں یہی چاہتی ہوں.... آپ اس کی پروا نہ کیجئے کہ آپ حقیقتاً مصور نہیں ہیں۔!“

”تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ میں تھوڑا بہت پینٹ کر سکتا ہوں۔!“

”تب تو مزہ ہی آجائے گا۔!“

”مجھے پوری بات بھی تو بتاؤ۔!“

”ابھی میں آپ کو ایک ایسے آدمی سے ملاؤں گی جو آرٹسٹوں کا قدر دان ہے۔!“

”لیکن مجھے کیا کرنا ہوگا۔!“

”مشکل آسان ہوگئی۔!“

”تم معمول میں بات کر رہی ہو.... صاف صاف کہو....!“

”آپ اگر پینٹ کر سکتے ہیں تو اس سے کھل کر گفتگو ہو سکے گی۔ وہ دراصل ایک قطعی غیر معروف

آرٹسٹ کی تصاویر کی نمائش کر کے اسے دنیا کے بہترین مصوروں کی صف میں جگہ دلانا چاہتا ہے۔!“

”اس کی وجہ....!“

”وہی بہتر بتا سکے گا۔!“

”میرا دل چاہتا ہے کہ تمہاری ایک تصویر بناؤں۔!“

”میں اتنی اچھی تو نہیں ہوں۔!“

”مجھے فرانسیسی عورتیں بہت پسند ہیں۔! وہ سچ سچ عورتیں ہوتی ہیں۔ بڑے نازک احساسات

رکھتی ہیں۔ عورت بن برقرار رکھنے کو آرٹ کا درجہ دیتی ہیں۔!“

”آپ بہت کچھ جانتے ہیں فرانسیسی عورتوں کے بارے میں۔!“

”میں نے اپنی زندگی کے دو سال پیرس میں گزارے ہیں۔!“

”وہاں کے مصوروں سے بھی رابطہ رہا ہوگا۔!“



”کیوں نہیں!“

”تب تو واقعی آپ بے حد کار آمد ثابت ہوں گے! وہ صاحب آگئے!“ ظفر نے اس سمت نظر اٹھائی جدھر لو سیل دیکھ رہی تھی۔

آنے والا سفید فام ہی تھا۔ اُس نے تاریک شیشوں کی عینک لگا رکھی تھی۔ قریب آکر اس نے لو سیل کی مزاج پر سی کی اور ظفر کی طرف دیکھا۔

”آپ موسیو ظفر ہیں!“ لو سیل نے کہا۔ ”بہت اچھے آرٹسٹ ہیں اور آپ موسیو کرستوپاؤلس!“

”آپ سے مل کر خوشی ہوئی جناب!“ ظفر نے اٹھ کر اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

”میں بھی یہی کہوں گا....!“ اُس کے پتلے پتلے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

پتہ نہیں کیوں ظفر نے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی محسوس کی تھی۔ کیا چیز تھی مقابل کی شخصیت میں.... جس نے اسے کسی قدر سہا دیا تھا۔!

”موسیو ظفر کا موضوع کیا ہے....!“

لو سیل کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ ”موسیو ظفر آپ کا موضوع کیا ہے۔!“

”دنیا کا کوئی موضوع ایسا نہیں ہے جسے میں اپنا نہ سمجھتا ہوں۔“ ظفر نے مفکرانہ شان سے کہا۔

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا جناب....!“ کرستوپاؤلس نے بے حد نرم لہجے میں پوچھا۔

”میں ہر چیز کا پتا نہ ہوں.... میں نہ ہوتا تو کچھ بھی نہ ہوتا۔!“

”موسیو ظفر اچھے خاصے فلسفی بھی ہیں۔ موسیو....!“ لو سیل نے مسکرا کر کہا۔

کرستوپاؤلس کچھ نہ بولا۔ وہ دوسری طرف دیکھنے لگا تھا۔

ظفر عجیب سی الجھن محسوس کرتا رہا۔ اس شخص کا قرب اُسے انجانے اندیشوں کی طرف

دھکیلے لئے جارہا تھا۔

ایسا لگتا تھا جیسے اُسکے جسم سے برقی رویں نکل کر اُس کے وجود کو جھٹکے سے دے رہی ہوں۔

”بہت خوب....!“ کرستو تھوڑی دیر بعد مسکرا کر بولا۔ ”میں تمہارے جلوں پر غور کرنے

لگا تھا۔ کافی تعلیم یافتہ آدمی معلوم ہوتے ہو۔ فی الحال کیا مشغلہ ہے....!“

”بیکاری....!“

”مجھے حیرت ہے۔!“

”آپ کو حیرت نہ ہونی چاہئے موسیو....!“ ظفر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”آپ نے میری

باتیں سمجھنے کی کوشش کی میں آپ کا ممنون ہوں.... لوگ نہ میری باتیں سمجھتے ہیں اور نہ مجھے

بیکاری سے نجات ملتی ہے۔!“

”آپ میرے لئے پیٹنٹ کیجئے.... جتنا زیادہ کر سکیں.... میں آپ کو اونچے طبقوں میں

متعارف کراؤں گا۔ آپ کی تصاویر کی نمائش ہوگی۔!“

”میرا خیال ہے کہ پہلے آپ میری کوئی پینٹنگ دیکھ لیں۔!“

”یہ تجویز بھی معقول ہے۔!“

”کل شام تک میں کچھ نہ کچھ ضرور پیش کروں گا۔ آپ سے کہاں ملاقات ہو سکے گی۔!“

”میں کل دوپہر کو تمہیں مطلع کر دوں گا۔!“ کرستوپاؤلس نے لو سیل سے کہا۔

”بہت اچھا موسیو....!“

اس کے بعد پھر وہ کھاتے پیتے رہے تھے اور ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہی تھیں۔

ظفر اب کھل کر گفتگو کر رہا تھا.... اور انداز گفتگو میں پیرس کی اٹلکچوئل قسم کے آرٹسٹوں کی

نقائی جاری تھی۔



صفدر سوچ رہا تھا کہ اب اس ریٹا سے کس طرح پیچھا چھڑائے۔ مسلسل اُسے چڑھائے جارہی

تھی اور اس کے دونوں بھائیوں کا کہیں پتہ نہ تھا۔ آخر صفدر نے جھنجھلا کر کہا۔ ”جب تم یہاں اتنی

بوریت محسوس کر رہی ہو تو آئی کیوں تھیں۔!“

”وہاں بالکل تنہا رہ جاتی۔!“

”تو اس سے کیا ہوتا ہے۔!“

”اپنے لئے خود کچھ کمانے کی عادت نہیں ہے۔! اس معاملے میں تمہارے ملک کی عورتوں

سے متفق ہوں.... مرد کمانے کے لئے اور عورت گھر سنبھالنے کے لئے۔!“

”لیکن اب ہمارے ملک میں مرد اس کے قائل نہیں.... عورت کمانے کے لئے اور مرد

گھر سنبھالنے کے لئے۔!“

”لیکن مجھے ایسے مرد پسند نہیں جو خواہ مخواہ چوہوں کے پیچھے پڑ جائیں۔ آخر وہ بھی تو زندگی

کے مظہر ہیں اور زندہ رہنے کے لئے کھائیں گے ضرور.....!“  
 ”میرا خیال ہے کہ اب تم چوہوں کا تذکرہ ختم کر دو.....!“  
 ”کیا.....؟“ وہ تھمرا نہ انداز میں کھڑی ہو گئی۔  
 ”کیوں.....؟ کیا ہو گیا تمہیں.....!“

”حیرت کی بات ہے..... چوہے ابھی تک تمہاری زندگی رہے ہیں اور تم اُن کے ذکر سے اتنی جلدی اکتا گئے..... تم جھوٹ بولتے ہو..... یقیناً تمہاری تجربہ گاہ میں کوئی خوف ناک تجربہ ہو رہا تھا۔ دھماکے کی آواز یہاں تک آئی تھی۔ تمہاری تجربہ گاہ یہاں سے کتنی دور تھی۔!“  
 ”زیادہ سے زیادہ ڈھائی تین میل کے فاصلے پر.....! لیکن یقین کرو کہ عمارت میں آگ لگنے کے کافی دیر بعد دھماکہ ہوا تھا۔ میری گاڑی کی ٹشکی پھٹی تھی۔!“  
 ”خیر اب تم پولیس ہی کے حوالے کئے جاؤ گے۔!“

”جہنم میں جاؤ تم سب..... بلاؤ پولیس کو.....!“  
 ”واقعی بے حد چڑچڑے ہو.....!“ وہ ہنس پڑی۔ اتنے میں اس کا ایک بھائی وہاں آگیا۔  
 چند لمحے صفدر کو گھورتا رہا پھر بولا۔ ”تمہارا اسسٹنٹ باہر موجود ہے۔!“  
 ”کون سا اسسٹنٹ.....!“ صفدر مضطربانہ انداز میں کھڑا ہوتا ہوا بولا۔  
 ”گوریلے کی شکل والا.....!“

”اُوہ..... اُسے بلاؤ..... وہ تو چھٹی پر تھا..... کیسے آگیا.....!“  
 ”تو وہ سچ سچ تمہارا اسسٹنٹ ہے؟“

”ہاں وہ میرا اسسٹنٹ ہے..... لیکن میں تمہیں آگاہ کر دوں کہ اس کے سامنے اس کی بد صورتی کے متعلق کچھ نہ کہنا..... بے حد خطرناک ہو جاتا ہے۔!“  
 ”تم باہر چلو.....!“ اُس نے خشک لہجے میں کہا۔

صفدر اُس کے پیچھے بڑھا۔ لڑکی نے مسکرا کر اُسے کچھ اس قسم کا اشارہ کیا تھا جیسے کہنا چاہتی ہو کہ تم مجھ سے بھاگ کر کہیں نہیں جاسکتے۔ تھوڑی ہی دیر بعد پھر میرے چنگل میں ہو گے۔!  
 صفدر اُس کے ساتھ باہر نکلا..... سامنے عمران ریڈی میڈ میک اپ میں نظر آیا۔ اُس کی حالت تباہ تھی۔ لباس بے ترتیب تھا اور بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ پھولی ہوئی ناک اور گھنی

مونچھوں میں اس وقت وہ سچ سچ جانور ہی لگ رہا تھا۔  
 سانس پھول رہی تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے یکساں رفتار سے دوڑتا ہوا یہاں تک پہنچا ہو۔!  
 ”اُوہ..... ڈاکٹر!“ وہ صفدر کو دیکھ کر ہانپتا ہوا بولا۔ ”یہ کیا ہو گیا ڈاکٹر..... یہ کیسے ہو گیا ڈاکٹر!“  
 ”میں نہیں جانتا..... کچھ نہیں جانتا..... میری گاڑی بھی تباہ ہو گئی لیکن تم یہاں تک کیسے پہنچے۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں یہاں ہوں۔!“

دونوں کے درمیان انگریزی ہی میں گفتگو ہو رہی تھی۔  
 ”میں اپنا پرس گاؤں کی جیب میں بھول گیا تھا۔ گھر پہنچ کر یاد آیا۔ پھر واپس آنا پڑا۔ لیکن ہائے۔!“  
 ”میں پوچھ رہا ہوں تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں یہاں ہوں۔!“  
 ”وہاں..... ایک آدمی ایک درخت پر چڑھا ہوا تھا۔ اس نے بتایا کہ آپ کو ہیلی کوپٹر کے ذریعہ وہاں سے لے جایا گیا ہے۔ میں سمجھ گیا کہ آپ کہاں ہوں گے۔!“  
 ”ایک آدمی درخت پر چڑھا ہوا تھا!“ صفدر نے حیرت سے دہرایا۔ ”اُوہ تو کبھی کوئی نہیں آتا۔!“  
 ”یقین کیجئے ڈاکٹر..... میں نے ایک آدمی کو تجربہ گاہ کے قریب والے درخت پر دیکھا تھا اور اس نے مجھے اطلاع دی تھی۔!“  
 ”تب تو یقیناً تم لوگ کسی سازش کا شکار ہوئے ہو۔!“ غیر ملکی نرم لہجے میں بولا۔ ”ہم تمہاری ہر طرح مدد کریں گے۔!“

پھر اُس نے دوسرے غیر ملکی کو آواز دی اور وہ عمارت ہی کے ایک دروازے سے برآمد ہوا۔  
 ”شاید ہم چور کو پکڑ سکیں۔!“ اُس نے دوسرے سے کہا۔ ”یہ ڈاکٹر کا اسسٹنٹ ہے اور ایک نئی خبر لایا ہے۔!“

وہ چاروں ہیلی کوپٹر کی طرف چل پڑے۔  
 تھوڑی دیر بعد ایک بار پھر ہیلی کوپٹر جنگل پر پرواز کر رہا تھا۔  
 ”اُس درخت کی نشان دہی کرنی ہے تمہیں۔!“ غیر ملکی نے عمران سے کہا۔  
 ”ضرور کروں گا جناب!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”اگر یہ کوئی سازش ہے تو اپنی جان لٹا دو نگا۔!“  
 وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں سے ابھی تک دھواں اٹھ رہا تھا۔ اس سے تھوڑے فاصلے پر دوسری جگہ بھی ہلکا ہلکا سا دھواں اب بھی باقی تھا۔

”وہ.... وہ درخت.... اس طرف....!“ عمران ہاتھ اٹھا کر چیخا۔

ہیلی کاپٹر نے درختوں کے جھنڈ کے گرد ایک چکر لگایا۔ پھر ٹھیک اسی درخت کے اوپر معلق ہو گیا جس کی طرف عمران نے اشارہ کیا تھا۔

پھر سیڑھی لٹکانی لگی جس کا دوسرا سر اور درخت کے گھنے پتوں کے درمیان غائب ہو گیا۔

اب غیر ملکی نیچے اتر رہا تھا۔ بلاآخر وہ ایک مضبوط سی شاخ پکڑ کر درخت پر جا ٹھہرا۔

عمران اور صفدر خاموش بیٹھے رہے۔ ویسے صفدر نے محسوس کیا کہ عمران اس آپریشن کو بغور دیکھ جا رہا تھا جو پائلٹ نے اپنی گود میں رکھ چھوڑا تھا۔ اُس کی سرخ رنگ کی سوئی ڈائیل کے ایک نشان پر لرز رہی تھی۔ صفدر بھی اسی طرف متوجہ ہو گیا۔ دفعتاً وہ زور زور سے ہلنے لگی۔

نیچے جانے والا غیر ملکی اب پھر اوپر آ رہا تھا۔

جیسے ہی اُس نے ہیلی کوپٹر پر قدم رکھا آپریشن کی سوئی زیرِ پر آرکی۔!

اوپر آنے والے کا چہرہ خوشی کے مارے سرخ ہو رہا تھا اس نے پائلٹ کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔  
”واپس چلو....!“

اس کی دونوں جیبیں پھولی نظر آرہی تھیں.... عمران نے طویل سانس لی۔! ہیلی کوپٹر اب پھر مستقر کی طرف مڑ رہا تھا۔

”کیا معلوم کیا دوستو....!“ عمران نے اُن دونوں سے پوچھا۔

”یقیناً درخت پر کوئی تھا۔ لیکن اب یہاں اُس کی تلاش بیکار ہے۔ ہم ابھی واپس آکر دوسرا طریقہ اختیار کریں گے۔!“

مستقر پر پہنچ کر وہ پھر اسی عمارت میں واپس لائے گئے اور غیر ملکی انہیں ایک کمرے میں چھوڑ کر چلے گئے۔ جاتے جاتے کہہ گئے تھے کہ وہ اطمینان سے بیٹھیں۔ سازشیوں کا پتہ لگا کر انہیں ان کے انجام کو ضرور پہنچایا جائے گا۔

جیسے ہی وہ باہر نکلے عمران نے دروازہ بند کر کے چٹختی پڑھادی اور اپنا جیبی ٹرانس میٹر نکالا، اس کا سوئچ آن کر دیا۔

دفعتاً اس میں سے آواز آنے لگی ”ہیلو.... اے ون.... ہیلو.... اے ون.... اے ون....!“

”پھر دوسری آواز آئی۔“ اے ون.... ہو ز دیٹ....!“

”ہی ٹو.... سر....!“ پہلی آواز آئی۔ ”ہم نے دونوں حاصل کر لئے ہیں۔ ایک درخت پر رکھے ہوئے تھے۔!“

پھر تجربہ گاہ کی تباہی کی داستان شروع ہو گئی۔! بات صفدر سے عمران تک پہنچی ہی تھی کہ دوسری آواز آئی۔

”اُنہیں کسی نہ کسی طرح رات تک روکے رکھو.... رات کے کھانے میں بے ہوشی کی دوا دو اور لو سیل دے سوندے کے سپرد کر آؤ.... اُور اینڈ آل....!“

پھر کوئی آواز نہ آئی۔ عمران نے جلدی سے سوئچ آف کر کے ٹرانس میٹر کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا۔ پھر تیزی سے آگے بڑھ کر دروازے کی چٹختی بھی گرا دی۔

صفدر اسے بغور دیکھ جا رہا تھا.... دفعتاً دونوں کی نظریں ملیں اور عمران بائیں آنکھ دبا کر مسکرایا۔ ٹھیک اسی وقت کسی نے دروازے پر دستک دی۔ ساتھ ہی آواز آئی۔

”کیا میں اندر آسکتی ہوں۔!“

صفدر کے اندازے کے مطابق یہ اسی نامعلوم لڑکی رینا کی آواز تھی۔

”ضرور آؤ....!“ صفدر نے غصیلی آواز بنائی۔

وہ ہنستی ہوئی اندر آئی اور عمران کو دیکھ کر ٹھک گئی پھر بولی۔

”واقعی میرے بھائی نے سچ کہا تھا۔ میرا خیال ہے کہ گوریلے ایسے ہی ہوتے ہوں گے۔!“

”بجا ارشاد فرمایا....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔

”کیا نام ہے تمہارا....!“

”ڈیئر گوریلا....!“

”مجھے تو ریچھ اور گوریلے کا امتزاج معلوم ہوتا ہے۔!“

”یہاں بھی بجا سکتا ہوں اور شہد کے چھتے کے استعمال سے بھی بخوبی واقف ہوں۔!“

”یہ تم سے کہیں زیادہ خوش مزاج معلوم ہوتا ہے ڈاکٹر!“ اُس نے صفدر کی طرف دیکھ کر کہا۔

”ڈاکٹر فرشتہ ہے....!“ عمران بولا۔

”چو ہے تل لاؤں....!“

”بڑی خوشی ہوئی یہ معلوم کر کے کہ اب بلیاں چو ہوں کو تل کر کھانے لگی ہیں۔!“

”تم دونوں سخت نالائق معلوم ہوتے ہو! عورتوں سے بات کرنے کا سلیقہ نہیں ڈاکٹر نے مجھے بندر یا کہا تھا اور تم بلی کہہ رہے ہو۔!“

”ڈاکٹر نے غلط کہا تھا۔ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ بہر حال بلیاں مجھے پسند ہیں۔ اب کچھ کھلا دو.... ورنہ کفن و دفن کا خرچ تمہیں برداشت کرنا پڑے گا۔!“

”ٹھہرو.... میں ابھی آئی....!“

اُس کے چلے جانے کے بعد عمران اس طرح اوگھنے لگا جیسے بہت عرصہ سے کوئی اُس کی تہائی میں غل نہ ہوا ہو.... صفدر خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد رینا واپس آئی۔ وہ ایک پلیٹ میں کھانے کی کچھ چیزیں لائی تھی۔

صفدر نے عمران کا شانہ پکڑ کر جھنجھوڑا اور وہ بوکھلا کر سیدھا ہو بیٹھا۔

رینا نے پلیٹ اُسے تھماتے ہوئے کہا۔ ”فوری طور پر اس سے زیادہ کا انتظام نہیں ہو سکتا۔!“

”کافی ہے.... شکریہ....!“ عمران نے اُس سے پلیٹ لیتے ہوئے کہا۔

”اب کھانے کیلئے تمہیں مونچھیں ہٹانی پڑیں گی.... ٹھہرو میں مونچھیں ہٹاتی ہوں اور تم کھاؤ۔!“

وہ سچ جی ایسے ہی انداز میں آگے بڑھی تھی جیسے اس کی مونچھیں اوپر اٹھانے کی کوشش کرے گی۔

عمران کی پوزیشن میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہ ہوئی وہ مسلسل اُس کی آنکھوں میں دیکھے جا رہا تھا۔

دفعۃً وہ کھسیانی ہو کر پیچھے ہٹ گئی اور عمران پلیٹ کی طرف متوجہ ہو گیا۔



کیپٹن فیاض اور اُس کے ماتحتوں نے جیل کی آبادی میں خاصا اضافہ کر دیا تھا۔ منشیات کی غیر قانونی تجارت کرنے والے جتنے بھی افراد ان کے علم میں تھے اس بار ان کی گرفت سے نہیں بچ سکے تھے۔

لیکن ڈی سوزا کے مکان سے برآمد ہونے والی لاشوں کا معنہ حل نہ ہو سکا۔ ویسے پوسٹ مارٹم

کی رپورٹ کے مطابق مردوں کی موت زہر خورانی بناء پر ہوئی تھی اور لڑکی کا گلا گھونٹا گیا تھا۔

پولیس کو اس قسم کے نشانات نہیں مل سکے تھے جو مجرم کی طرف اشارہ کر سکتے۔

گرفتار کئے جانے والوں سے پوچھ گچھ جاری تھی۔ لیکن ان میں ابھی تک کوئی ایسا نہیں ملا تھا

جس سے ڈی سوزا کا تعلق ظاہر ہو سکتا۔

وہ دو آدمی بھی جو کوئی نمبر چھ سو چھیاسٹھ کے تہہ خانے میں ہاتھ لگے تھے کسی ایسے فرد کی

نشان دہی نہ کر سکے جس سے اُن تینوں لاشوں کے متعلق پوچھ گچھ کی جاسکتی۔

ڈی سوزا بظاہر نیک نام آدمی ثابت ہوا تھا۔ اُس کے فرم کے مالکان نے اس کی موت پر سخت

انفوس ظاہر کیا تھا اور حکومت سے اپیل کی تھی کہ اس کے قاتل کا جلد از جلد پتہ لگایا جائے۔

دوسرے مرد کی لاش کی شناخت ابھی تک نہیں ہو سکی تھی۔

لیکن اس سے بھی کہیں زیادہ درد سر عمران کا مسئلہ تھا۔ اس نے اس طرح اس معاملے میں

ٹانگ اڑائی تھی؟ فیاض زیادہ تر اسی ادھیڑ بن میں رہا تھا۔

اُس کی دانست میں اس کیس کو دوبارہ اکھاڑنے میں عمران ہی کا ہاتھ تھا۔ اُس نے محکمہ خارجہ

کے سیکریٹری سر سلطان کو اس پر آمادہ کیا ہو گا۔

لیکن کیوں؟ محکمہ خارجہ کو منشیات کی غیر قانونی تجارت سے کیا سروکار؟ اس کا سدباب تو

خود اُس کے یا آبکاری کے مجھے کا کام تھا۔

فیاض سوچتا رہا اور عمران پر تاؤ کھاتا رہا۔



رات کا کھانا اسی کمرے کی ایک میز پر لگایا گیا جس میں صفدر اور عمران مقیم تھے۔

رینا اس وقت نہیں آئی تھی۔ ایک دیسی ملازم نے دو پلیٹیں میز پر رکھ دی تھیں اور وہاں سے

چلا گیا تھا۔ عمران نے اپنی اور صفدر کی پلیٹ سے تھوڑی تھوڑی چیزیں لیں اور انہیں صوفے کے

نیچے ٹھونس دیا۔

اس کے بعد وہ دونوں آنکھیں بند کر کے اپنی اپنی کرسیوں پر پڑ رہے۔ اُن کی گردنیں پشت

گاہوں پر ڈھلکی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد دونوں غیر ملکی دبے پاؤں کمرے میں داخل ہوئے اور

اُن کے قریب آکر انہیں بلایا جلا یا۔

”میں گاڑی لینے جا رہا ہوں۔!“ ایک نے دوسرے سے کہا۔ ”تم برآمدے میں ٹھہرو....“

برآمدے کی روشنی گل کر کے آنے جانے والوں پر نظر رکھنا۔!“

پھر صفدر نے قدموں کی چاپ سنی اور دم سادھے پڑا رہا۔ اُن دونوں کی دانست میں یہ لوگ

گہری بے ہوشی کی حالت میں تھے۔

شام دو منٹ بعد صفدر نے عمران کی سرگوشی سنی۔ ”سچ مچ بے ہوش ہو گئے کیا... اٹھو۔!“

صفدر آنکھیں کھول کر سیدھا ہو بیٹھا.... عمران اُس کے قریب کھڑا تھا۔  
 ”وہ برآمدے میں بے ہوش پڑا ہے۔“ عمران نے اس سے کہا۔ ”اور اب اُس کی فکر کرنی ہے جو گاڑی لینے گیا ہے۔ یقینی طور پر وہ گاڑی برآمدے تک لائے گا۔!“  
 ”وہ بے ہوش کیسے ہو گیا....؟“  
 ”شائد اس دوران تم سچ بچے ہو ہوش رہے ہو....!“  
 ”آخر بات کیا ہے....؟“  
 ”کیا تمہیں علم نہیں کہ میں اٹھ کر باہر گیا تھا۔!“  
 ”نہیں....!“

”یار کہیں تم میری بھی گردن نہ کنوا دینا....“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ وہ کمرے سے نکل کر بیرونی برآمدے میں آئے.... یہاں تاریکی تھی۔  
 ”وہ دیوار کے قریب پڑا ہوا ہے۔“ عمران نے آہستہ سے کہا۔ لیکن آنکھیں پھاڑے رہنے کے باوجود بھی صفدر کو اندھیرے میں کچھ نہ دکھائی دیا۔  
 ”بہر حال اب اُسے سنبھالنا ہے۔!“ عمران اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف لے جاتا ہوا بولا۔  
 ”تم یہاں دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جاؤ....!“

صفدر نے خاموشی سے تعمیل کی۔ اب عمران بھی اُسے نہیں دکھائی دے رہا تھا۔  
 کچھ دیر بعد دور سے کسی گاڑی کی آواز آئی اور صفدر کسی قسم کے بھی حالات سے دوچار ہونے کے لئے تیار ہو گیا۔

گاڑی جس کے ہیڈ لیمپ بجھے ہوئے تھے برآمدے کے قریب آرکی۔  
 تاروں بھرے آسمان کے پیش منظر میں صفدر نے کسی کو اُس پر سے اترتے دیکھا۔  
 پھر جیسے ہی برآمدے میں داخل ہونے لگا۔ ستون کی اوٹ سے دو ہاتھ نکل کر اُس کی جانب بڑھے اور وہ لڑکھڑا کر زمین پر آ رہا۔ اُس کے حلق سے ملکی سی آواز بھی نہیں نکل سکی تھی۔  
 اُس کے بعد اُس نے عمران کی سرگوشی سنی! وہ کہہ رہا تھا۔ ”تمہارے قریب ہی جو پڑا ہوا ہے اُسے اٹھاؤ....!“

صفدر ٹٹوٹا ہوا پیچھے ہٹنے لگا۔ بالآخر اُسے دوسرا بے ہوش آدمی مل ہی گیا.... وہ اُسے پیٹھ پر

لا کر برآمدے سے نیچے اترنے لگا۔  
 یہ ایک بڑی سی وین تھی۔ عمران پچھلا دروازہ کھول کر کھڑا تھا۔  
 صفدر نے بے ہوش آدمی کو اندر ڈال دیا۔ عمران نے دروازہ بند کیا اور بڑے اطمینان سے اسٹیرنگ کے سامنے جا بیٹھا.... صفدر نے دوسری طرف کا دروازہ کھولا اور عمران کے برابر بیٹھ گیا۔  
 گاڑی تیزی سے آگے بڑھی تھی۔ پھانک سے گذر کر وہ سڑک پر آنکلی۔  
 یہاں سے شہر تقریباً بائیس میل کے فاصلے پر تھا۔ صفدر خاموش رہا۔ دراصل بھوک کی شدت اُس کا گلا گھونٹ رہی تھی۔  
 عمران بھی شائد گفتگو کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ شہر پہنچ کر اس نے گاڑی کا رخ ادارہ تحقیق کی عمارت کی طرف موڑ دیا۔

عمارت کے عقبی حصے میں ایک بڑا گیراج تھا۔ جس کی کبھی ہر ممبر کے پاس رہتی تھی۔  
 ”دروازہ کھولو....!“ عمران نے گاڑی روک کر صفدر کو ٹھوکا دیا۔ صفدر اونگھ رہا تھا۔ چونک کر بڑبڑایا۔ ”اس وقت شائد میں پتھر بھی ہضم کر جاؤں....!“  
 ”ہاں.... ہاں.... چلو معلوم ہے بھوکے ہو.... جلدی کرو۔!“  
 اس کے بعد وہ پھانک بند کر دیا گیا تھا۔



تھوڑی دیر بعد دونوں قیدی کرسیوں پر بندھے ہوئے نظر آئے! وہ ہوش میں تھے۔  
 کمرے میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔  
 ”آخر یہ کیونکر ہوا....!“ ایک نے دوسرے سے پوچھا۔  
 ”میں برآمدے کی روشنی گل کر کے وہیں ٹھہرا تھا۔ اچانک کسی نے پیچھے سے حملہ کر کے میرا منہ دبا لیا تھا۔ آواز تک نہ نکال سکا۔ پھر بے ہوشی طویل ہو گئی تھی۔!“  
 ”میں گاڑی لایا تھا اتر کر برآمدے میں جا رہا تھا کہ مجھ پر حملہ کیا گیا۔“  
 ”کیا وہ دونوں بیہوش نہیں ہوئے تھے۔!“  
 ”میرا خیال ہے کہ کسی نہ کسی طرح ہماری اسکیم سے واقف ہو گئے تھے۔“  
 ”ٹھہرو....! مجھے یاد آیا.... درخت سے اتارے جانے والے ٹرانس میٹروں میں سے ایک“

میں مجھے کوئی تبدیلی محسوس ہوئی تھی۔“

”تبدیلی....!“

”ہاں.... میرا خیال ہے کہ وہ لوگ بہت زیادہ چالاک ہیں۔ اس سے کوئی دوسرا آپریشن ایجنٹ کر کے اپنے ٹرانس میٹر پر ہماری گفتگو سنتے رہے تھے۔“

”تمہارا خیال درست ہے۔“ پشت سے آواز آئی۔ لیکن وہ اس طرح جکڑے ہوئے تھے کہ سر گھما کر بولنے والے کی طرف نہ دیکھ سکے۔

وہ خود ہی آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان کے سامنے آگیا۔

عمران اس وقت میک اپ میں نہیں تھا۔ اس نے بڑے سلیقے سے بہترین پریس کیا ہوا سوٹ پہنا ہوا تھا لیکن چہرے پر حماقت کی بجائے درشتی کے آثار تھے۔

”تم کون ہو....؟“ دونوں نے بیک وقت سوال کیا۔

”سوالات کے جواب تمہیں دینے ہیں۔“ عمران انہیں گھورتا ہوا بولا۔ ”اے دن کون ہیں۔“

”ہم نہیں جانتے.... تمہیں اس کے لئے جوابدہ ہونا پڑے گا۔ ہم یہاں کے باشندے نہیں۔ تمہاری حکومت کی درخواست پر یہاں آئے ہیں۔“

”مجھے علم ہے....!“ عمران کا لہجہ بے حد سرد تھا۔ ”یہاں اس وقت مجھ سے جواب طلب کرنے کے لئے کوئی موجود نہیں ہے۔ نہ یہاں آکر کوئی تمہاری قبریں تلاش کرے گا۔“

”تم کیا چاہتے ہو....!“

”اے دن.... کاپتہ.... اور تم دونوں کی مصروفیات کی تفصیل....!“

”بکواس بند کرو.... ہم کچھ نہیں جانتے۔!“

”اور لو سیل دے سوندے کاپتہ....!“ عمران نے ایسے انداز میں کہا جیسے ان کی آوازیں اس کے کانوں تک پہنچی ہی نہ ہو۔

وہ دونوں غصے سے سرخ ہو رہے تھے۔

”یہ کرسیاں تمہارے لئے جہنم بھی بن سکتی ہیں۔“ عمران کچھ دیر بعد بولا۔

”یقین کرو کہ تم دونوں ہمیشہ کے لئے پاگل بھی ہو سکتے ہو.... اور اسے بھی ذہن نشین کر لو کہ تمہاری مدد کے لئے یہاں تک کوئی بھی نہ پہنچ سکے گا۔“

وہ دونوں پھر کچھ نہ بولے۔

دفتر عمران دیوار پر لگے ہوئے سوئچ بورڈ کی طرف بڑھا اور ایک پش سوئچ پر انگلی رکھ دی۔

وہ دونوں جانوروں کے سے انداز میں چیخے اور عمران نے انگلی پش سوئچ پر سے ہٹالی۔

”ایسے ہی تین چار الیکٹرک شاکس کے بعد تمہاری روحیں جسموں پر سے پرواز کر جائیں گی۔“

ان دونوں کی آنکھیں ابلی پڑ رہی تھیں۔ چہروں سے ایسا لگتا تھا جیسے کچھ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی رخصت ہو گئی ہو۔

پھر عمران انہیں اسی حال میں چھوڑ کر کمرے سے چلا گیا۔



ہوٹل سے واپسی پر ظفر الملک نے گاڑی پھانک کے اندر لے جاسکی بجائے باہر ہی روک دی۔

”کیوں؟ اندر ہی لے چلے تا....!“ لو سیل بولی۔

”ٹھہرو....!“ ظفر نے کہا اور گاڑی سے اتر گیا۔ پھانک کے قریب پہنچ کر اپنے نام کی تختی اتاری اور اُسے لئے ہوئے گاڑی میں واپس آگیا۔

”یہ لو....!“ اُس نے تختی اُس کے زانو پر رکھتے ہوئے کہا۔ ”اب مجھے مستقل طور پر اسی میک اپ میں رہنا ہے۔ اس لئے میرے اصل نام کا یہاں موجود ہونا ضروری نہیں۔“

”ہاں.... یہ بات مناسب ہے....!“ لو سیل بولی۔

پھر وہ اندر آئے.... جیمسن ابھی تک جاگ رہا تھا۔ اُس کے ہاتھوں میں ایک کرم خوردہ سی ٹکب تھی اور وہ آرام کرسی پر نیم دراز تھا۔

ان کی آہٹ پر مڑا.... اور.... ظفر الملک کو دیکھ کر عجیب سے انداز میں مسکرایا۔ پھر دوبارہ ٹکب کی طرف متوجہ ہو جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ظفر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اس مکان پر دو ڈاڑھی والے نہیں رہ سکتے۔!“

”تو پھر آپ اپنا کہیں اور انتظام کر لیجئے۔! یہاں تو کلاسیک ہی کلاسیک بھرا پڑا ہے۔ میری کچھ میں نہیں آتا کہ ان فرانسیسی خاتون کو اردو کلاسیک سے کیا دلچسپی۔!“

لو سیل دے سوندے ہنس پڑی اور ظفر چونک کر اُسے گھورنے لگا کیونکہ جیمسن نے یہ بات رد میں کہی تھی۔

دفعتاً لو سیل رک رک کر اردو ہی میں بولی۔ ”میں آپ.... حضرات کی حیرت رفع کردوں دراصل میں یہاں فورٹ ولیم کالج کے دور سے پہلے کی اردو نثر پر ریسرچ کرنے آئی ہوں۔ اتفاقاً ایک ایسے آدمی سے ملاقات ہو گئی جو مجرموں کی نفیات پر تحقیق کر رہا ہے۔ اُس نے مجھے جزوقتی ملازمت کی پیش کش کی تھی میں نے اس کی پیشکش منظور کر لی۔ اُس کے آدمی ہر وقت مفرد مجرموں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ آپ دونوں حضرات بھی اسی نکتہ نظر سے یہاں لائے گئے ہیں کہ آپ پر بعض تجربات کئے جائیں۔“

”تم نے یہ بات پہلے کیوں نہیں بتائی تھی۔“ ظفر نے بہت زیادہ سنجیدگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

”جب تک مجھے اُس شخص سے ہدایت نہ ملتی جس کی میں ملازم ہوں آپ کو کیسے بتاتی۔“

”کب ملی ہدایت....؟“

”کیا آپ نے نہیں دیکھا تھا کہ رخصت ہوتے وقت موسیو کرستوپاؤلس نے مجھے الگ لے جا کر گفتگو کی تھی ان کا خیال ہے کہ اگر موجودہ حالات کے معاملے میں کسی الجھن کا شکار ہوئے تو اُن کے تجربات کامیاب نہ ہو سکیں گے۔“

”تو یہ موسیو کرستوپاؤلس....!“

”جی ہاں یہی میرے پاس ہیں۔“

”لیکن یہ مصوری وغیرہ کا پکڑ کیا ہے۔“

”تجربہ....! لیکن میں اس تجربے کی نوعیت سے واقف نہیں ہوں۔ کل سے آپ کو! سارا وقت پینٹنگ کر کے گزارنا ہو گا۔“

”جہنم میں جائے۔“ ظفر الملک نے لا پرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔ ”ہمیں تو روزگار رہنے کے لئے مکان چاہئے۔ لیکن یہ قطعی غلط ہے کہ ہم کسی قسم کے مجرم ہیں۔ صرف ملزم کہو۔“

”لیکن آپ بہر حال مفرد ہیں۔ پولیس اب بھی آپ دونوں کی تلاش میں ہے....“

کرستوپاؤلس بہت باخبر آدمی ہیں۔ اچھا اب مجھے اجازت دیجئے۔“

”لیکن میں بہت بڑے خسارے میں رہوں گا۔“ ظفر نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”میں نہیں سمجھی۔“

”یہاں اس مردود کے سامنے نہیں بتا سکتا۔“ ظفر نے جیمسن کی طرف اشارہ کیا۔

”آئیے.... تو دوسرے کمرے میں چلیں۔“

جیمسن کے کان پر جوں تک نہ رہی۔ جیسے بیٹھا تھا ویسے ہی بیٹھا رہا۔ وہ دونوں وہاں سے دوسرے کمرے میں آئے۔

یہاں ایک الماری میں قد آدم آئینہ لگا ہوا تھا۔ ظفر نے اس کے سامنے کھڑے ہو کر اپنا جائزہ لیا اور مڑ کر خالص رومانی لہجے میں بولا۔ ”آدمی کی زندگی میں غم روزگار کے علاوہ ایک اور غم بھی شامل ہے۔“

”تنہائی کا غم.... تم رات کو یہاں نہیں رہتیں۔“

”میں مجبور ہوں.... ایسا کوئی حکم مجھے نہیں ملا۔“

”پہلے تو رہتی تھیں شائد....!“

”یقیناً رہتی تھی! لیکن اب حکم ملا ہے کہ راتیں دوسری جگہ گزاروں۔“

”کرستوپاؤلس مجھ سے زیادہ خوبصورت تو نہیں ہے۔“

”موسیو ظفر.... اس قسم کا تذکرہ نہ چھیڑیے.... مجھے افسوس ہے۔“

”فرانسیسی لڑکیاں اتنی مردہ دل تو نہیں ہوتیں۔“

”میں ایک لکھنے والی لڑکی ہوں.... اور زندگی کا ایک مقصد رکھتی ہوں۔“

”بہتر ہے.... جاؤ.... با مقصد زندگی بسر کر نیوالے مجھے جانور لگتے ہیں۔ بالکل جانوروں ہی کی

طرح بندھے نکلے انداز میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ آدمی اور جانور میں کچھ فرق تو ہونا ہی چاہئے۔“

”اچھا موسیو....! شب بخیر۔“ وہ تیزی سے مڑی اور کمرے سے باہر چلی گئی۔

ظفر ٹھنڈی سانس لے کر پھر آئینے کی طرف مڑ گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد آئینے ہی میں جیمسن کی شکل دکھائی دی۔ وہ دروازے کے قریب کھڑا کہہ رہا

تھا۔ ”کیا اس آئینے میں میری ڈاڑھی کے لئے بھی جگہ نکل سکے گی۔ یورپائی نس....!“

ظفر نے نقلی ڈاڑھی چہرے سے الگ کر دی اور مڑ کر اُسے گھورنے لگا۔

”بہت اچھا ہوا....! جیمسن بولا۔“

”کیا اچھا ہوا....؟“ ظفر کا لہجہ غصیلا تھا۔

”آپ پھر لگائیں گے.... میری گئی تو گئی ہمیشہ کے لئے۔“

”بکومت.... جاؤ آرام کرو.... میں تنہائی چاہتا ہوں۔!“

”شکریہ یورہائی نس....!“

”ظفر اپنی خواب گاہ میں آیا.... بڑے غیر متوقع حالات سے دوچار ہو رہا تھا۔ شب خوابی کا لباس پہننے وقت اس نے سوچا کہ وہ اس لڑکی کی سر مہری کی بناء پر کتنا ادا اس ہو گیا ہے۔ لیکن وہ تو پیپی ہے۔ اُسے اداسیوں سے کیا سروکار....؟“

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا بستر تک آیا اور دو تین منٹ کے اندر ہی اندر خراٹے بھی لینے لگا۔ اُسے جلد نیند آتی تھی اور نیند کا کچا بھی تھا۔ آس پاس کی ہلکی سی آہٹ بھی اُسے جگا دیتی۔ وہ اکثر جیمن سے کہا کرتا تھا کہ فٹ پاتھ اُسکو محض اسلئے ناپسند ہیں کہ وہ اُن پر سو نہیں سکتا۔ اس وقت بھی وہ زیادہ دیر نہیں سویا ہو گا کہ اچانک اسکی آنکھ کھل گئی۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ اچانک اُسے یاد آیا کہ سونے سے قبل اس نے کمرے کی لائٹ آف نہیں کی تھی اور بے وجہ نیند کا سلسلہ ٹوٹ جانا بھی ممکن نہیں تھا۔

پھر.... کیا وہ خطرے میں ہے....؟

اس نے بڑی آہستگی سے بستر چھوڑ دیا۔ لیکن اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں تھی جسے اپنے تحفظ کے لئے استعمال کر سکتا۔ آہستہ آہستہ سر کٹا ہوا سوچ بورڈ کی طرف بڑھتا رہا۔ اندازے سے قریب پہنچ کر ہاتھ بڑھایا.... یہ سوچ بورڈ ہی تھا۔ اس نے سوچ آن کر دیا۔ پھر آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ عمران اس کے بستر کے قریب کھڑا نظر آیا۔

اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

ظفر الملک جہاں تھا وہیں رک گیا۔ عمران نے اپنی جیبی ڈائری نکالی اور ظفر کے قریب پہنچ کر ایک صفحے پر پنسل سے لکھنے لگا۔

”مجھے لو سیل دی سوندے نامی ایک عورت کی تلاش ہے اگر تم اس سے واقف ہو تو لکھ کر جواب دو....!“

ظفر نے اُسے پڑھ کر متحیرانہ انداز میں عمران کی طرف دیکھا اور عمران نے پنسل اُس کی طرف بڑھادی۔

”وہ رات یہاں نہیں بسر کرتی۔!“ ظفر نے لکھا۔ ”میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں جاتی ہے۔!“

”تم یہاں کیونکر پہنچے؟“ عمران نے ڈائری اس سے لے کر لکھا۔

ظفر نے بُرا سامنہ بنایا اور ڈائری لے کر لکھنے لگا۔ ”لمبی داستان ہے اتنا زیادہ لکھنا میرے بس سے باہر ہے۔!“

پھر عمران نے اُسے اس پر آمادہ کر لیا تھا کہ وہ مختصر اپنی کہانی تحریر کرنے کی کوشش کرے۔ اشارہ یہ بات بھی اس پر واضح کر دی کہ آس پاس کسی ڈکٹافون کی موجودگی کا امکان ہے اس لئے وہ گفتگو نہیں کر سکتا۔!

ظفر تیزی سے لکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کسی حد تک مطمئن ہو جانے کے بعد اُس نے ڈائری عمران کی طرف بڑھادی۔

عمران اُسے پڑھتا رہا.... پھر پنسل سنبھالی اور لکھنے لگا۔ ”کرسٹو پاؤلس کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کی کوشش کرو.... لیکن ان لوگوں کو تم پر شبہ نہ ہونے پائے۔ بہت احتیاط سے ہر قدم اٹھانا.... میں حسب ضرورت تم سے رابطہ قائم رکھوں گا۔!“

ظفر نے پڑھ کر ڈائری عمران کو واپس کر دی.... عمران نے دروازے سے نکلنے وقت اسے اشارہ کیا کہ وہ کمرے سے باہر نکلنے کی زحمت نہ کرے۔

ظفر نے طویل سانس لی اور بستر پر بیٹھ گیا۔



صفدر گاڑی کی اگلی سیٹ پر بیٹھا عمران کا منتظر تھا اور پوری طرح تیار کہ جیسے ہی وہ واپس آئے فوری طور پر گاڑی کو حرکت میں لایا جاسکے۔

عمارت میں داخل ہونے کا راستہ دونوں نے مل کر تلاش کیا تھا اور پھر عمران تو پاپ کے ہمارے روشندان تک پہنچنے کی کوشش میں لگ گیا تھا اور صفدر واپس گاڑی میں آ بیٹھا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد عمران واپس آیا.... صفدر نے ریڈیم والی گھڑی پر نظر ڈالی ساڑھے تین بجے تھے۔ اس نے طویل سانس لے کر انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی جھٹکے کے ساتھ آگے بڑھی۔

”بعض اوقات ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے کہ مجھ جیسے احق کی بھی عقل چکر کر رہ جاتی ہے۔ ہاں بھی.... جانتے ہو.... اندر کس سے ملاقات ہوئی۔!“



”لو سیل دے سو ندے کی والدہ....!“

”ظفر الملک اور جنمسن! دونوں بے خبر سو رہے تھے۔“

”نہیں....!“ صفدر کے لہجے میں حیرت تھی۔ پھر اُس نے پوچھا ”اور لو سیل....؟“

”وہ بھی یہیں رہتی ہے لیکن رات کو کہیں چلی جاتی ہے۔ صبح ہوتے ہی اُس کی گرانی شروع

ہو جاتی چاہئے۔“

”تو ظفر ان کے ہاتھ کیونکر لگا.... کیا آپ یہی چاہتے تھے۔“

”ظفر کو میں نے محض اس لئے کوٹھی نمبر چھ سو چھیاسٹھ میں بھیجا تھا کہ کیپٹن فیاض بہت

زیادہ چاق و چوبند ہو جائے۔ اُسے علم ہے کہ ظفر آج کل میری سرپرستی میں ہے۔“

”آپ نے مجھے ابھی تک نہیں بتایا کہ آپ منشیات کی تجارت کرنے والوں کے پیچھے کیوں

پڑ گئے ہیں۔“

”محض اس لئے کہ یہ لوگ دو طرح کی تجارت کر رہے ہیں۔“

”دو طرح کی تجارت سے کیا مراد ہے....!“

”ایک طرح کی تجارت ایسی ہے جسے وہ دکھا دکھا کر چھپا رہے ہیں اس کا ایک آدمی پکڑا گیا تو

دوسرے نے اُس کی جگہ لے لی اور دوسری قسم کی تجارت اُن مناروں والیاں جیسے شخصیتوں سے

متعلق ہے جن پر ہر کس و ناکس ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔“

”بات میرے پلے نہیں پڑی۔“

”مثال کے طور پر وہ دو عورتیں جو اُس رات کوٹھی نمبر چھ سو چھیاسٹھ کے قریب ہاتھ آئی

تھیں بہت زیادہ اونچی سوسائٹی میں اٹھنے بیٹھنے والی تھیں۔ اپنے انہیں مناروں سمیت جن میں

ٹرانس میٹر پوشیدہ ہوتے تھے۔ بہت بڑے بڑے سرکاری آفسروں سے ملتی تھیں۔ ان دونوں پر

عرصے سے میری نظر تھی شبہ تھا کہ ان مناروں میں ٹرانس میٹر ہو سکتے ہیں۔“

”آخر شبہ کس بناء پر تھا....!“

”آج کل جدید ترین آپریشن ہاتھ آگئے ہیں جن کے ذریعہ آس پاس ٹرانس میٹروں کی

موجودگی معلوم کی جاسکتی ہے۔ بشرطیکہ وہ اُس وقت بروئے کار ہوں.... جوڑوں کے اندر

چھپائے جانے والے ٹرانس میٹروں کو ہمہ وقت بروئے کار رہنا ہی انہیں کارآمد بنا سکتا ہے کیونکہ

بار بار انہیں چھیڑا نہیں جاسکتا۔“

”آخر آپ نے فیاض کو چھیڑنے کی ضرورت کیوں محسوس کی! نام براؤن کیس کو دوبارہ

کیوں اکٹرا دیا.... اس کا فائل تو لال فیتے کی نظر ہو چکا تھا۔“

”بہت دنوں کی بات ہے کہ یہی دونوں عورتیں ان اہم شخصیتوں کے ساتھ نظر آنے لگیں

جو بڑی ذمہ داریوں کے حامل ہیں۔ اسی چیز نے مجھے دوبارہ نام براؤن کیس کی طرف متوجہ کیا۔

میں نے اپنے طور پر چھان بین شروع کی اور اس نتیجے پر پہنچا کہ کوٹھی نمبر چھ سو چھیاسٹھ پولیس

کے قبضے میں ہونے کے باوجود بھی نام براؤن کے ساتھیوں کا ڈھ بنی ہوئی ہے۔“ لیکن خود میں

نے ذاتی طور پر مدخلت مناسب نہ سمجھی اور فیاض کے محلے کو کھڑکھڑا دیا۔ پھر تم نے نتیجہ دیکھا ہی

ہے! تین لاشیں ڈی سوزا کے مکان سے برآمد ہوئیں اور اب یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔“

عمران خاموش ہو گیا۔

صفدر نے گاڑی کی رفتار کم کر کے اُسے سڑک کے کنارے روک دیا۔

”کیوں کیا بات ہے....؟“

”میرا خیال ہے کہ تعاقب کیا جا رہا ہے۔“

”تو گاڑی روک دی تم نے....؟“

”ذرا سگریٹ بھی سلگانا چاہتا ہوں۔“

”اچھی بات ہے.... میں تو چلا....!“ عمران نے کہا اور بائیں جانب والا دروازہ کھول کر

نیچے اتر گیا۔ صفدر نے اُسے باہر پھیلے ہوئے اندھیرے میں گم ہوتے دیکھا جس گاڑی کی وجہ سے

تعاقب کا شبہ ہوتا رہا تھا وہ ابھی دور تھی۔

حقیقتاً نیند کی جھونک میں اس سے یہ حرکت سرزد ہوئی تھی۔ ورنہ ایسے کسی موقع پر چلتے ہی

رہنا زیادہ مفید ہوتا ہے۔

اُسے اس وقت اپنی غلطی کا احساس ہوا جب اس نے عمران کو گاڑی سے کودتے دیکھا۔

پھر جتنی دیر میں وہ سنبھلتا پچھلی گاڑی نے اسے آلیا۔ آگے بڑھ کر راہ میں حائل ہونے کے

لئے ترچھی ہوئی اور اس کے بریک زور سے چڑچڑائے۔

صفدر عمران کی تقلید بھی نہ کر سکا۔ کیونکہ کوئی چیز اندھیرے میں اس وقت اس کی طرف

لیکن تھی جب وہ گاڑی سے چھلانگ لگا رہا تھا۔

اور پھر وہ چیز اس کے جسم سے لپٹ گئی۔ جھٹکا لگا.... وہ گرا.... لیکن دوبارہ اٹھ کر بھاگ نہ سکا کیونکہ اس کے بازوؤں کے گرد اس چیز کی گرفت سخت ہو گئی تھی۔

وہ رسی کا پھندا تھا جس کا دوسرا سراسر اتیزی سے کھینچا جا رہا تھا۔

پھر کئی آدمی اس پر ٹوٹ پڑے تھے اور وہ خاموشی سے بے ہوش ہوتا چلا گیا تھا۔

لیکن اس بے بسی کے عالم میں بھی اُسے اپنی حماقت یاد آتی رہی تھی۔

دوبارہ ہوش آنے پر اس نے خود کو بعینہ ویسی ہی حالت میں پایا جس میں کچھ دیر پہلے وہ دونوں غیر ملکی ماہرین زراعت عمران کے ہاتھوں نظر آئے تھے۔

جسم کرسی سے جکڑا ہوا تھا اور کرسی بھی نوعیت کے اعتبار سے ویسی ہی لگ رہی تھی جیسی ایکس ٹونے اپنے ادارے کے لئے فراہم کی تھی۔

اُس کے سارے جسم میں ٹھنڈی لہر دوڑ گئی۔ کرسیاں خطرناک تھیں۔ قتل کر دیا جانا پسند کر لیتا لیکن موت کے بدلے ان کرسیوں کو قبول نہ کرتا۔ اُسے معلوم تھا کہ اس پر بیٹھنے والا چیخ چیخ کر غیر ارادی طور پر وہ سب کچھ اگل دیتا ہے جسے ہر حال میں چھپاتا چلا آیا ہو۔

اس کے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ چھوٹا رہا۔

کمرے میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا! اچانک کمرے میں اندھیرا چھا گیا.... چاروں بلب بجھ گئے تھے۔



پوری عمارت تاریک ہو گئی تھی۔ دفعتاً کسی نے بے حد غصیلی آواز میں کہا۔ ”اوہ.... یہاں کا ناقص برقی انتظام.... جب دیکھو تب روشنی غائب....!“

”لیکن جناب عالی....!“ دوسری آواز آئی۔ ”سانسے والی عمارتوں کے روشن دانوں میں روشنی نظر آرہی ہے۔!“

”تو پھر کیا ہوا....؟ سارے سرکنوں کے فیوز بیک وقت نہیں اڑ سکتے۔!“

”میں چیک کئے لیتا ہوں جناب عالی۔!“ دوسری آواز دہی دہی سی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا

جیسے بولنے والا بہت زیادہ خائف ہو۔!

”تم دیکھتے رہو.... میں جا رہا ہوں۔!“ غصیلی آواز اندھیرے میں گونجی۔ ”اُس سے سب کچھ معلوم کر کے مجھے مطلع کر دینا۔!“

”بب.... بہت بہتر جناب....!“

پھر اندھیرا خاموشی سے ہم آغوش ہو گیا تھا!

تھوڑی دیر بعد مین سوئچ بورڈ پر نارنج کی روشنی کا دائرہ دکھائی دیا۔

ایک آدمی فیوز پلکس کا جائزہ لیتا رہا پھر سر سہلانا ہوا بڑبڑایا۔ ”سارے فیوز ٹھیک ہیں.... اوہ

کہیں پول پر سے نہ گئی ہو۔!“

وہ سوئچ بورڈ کے پاس سے ہٹ آیا.... اور نارنج کی روشنی میں متعدد کمروں سے گذرتا ہوا

اُس کمرے میں آیا جہاں فون تھا۔ فون پر پاور ہاؤز کے نمبر ڈائل کئے اور انہیں پول پر سے کرنٹ

ڈس کنکٹ ہو جانے کی اطلاع دی۔ پھر بڑبڑایا۔ ”شائد اب وہ ہوش میں آگیا ہو۔!“

اب وہ وہاں سے نکل کر ایک دوسرے کمرے کے سامنے رکا....!

دروازے کا ہینڈل گھما کر دھکا دیتے ہوئے اندر داخل ہوا۔ بائیں ہاتھ میں نارنج روشن تھی۔

روشنی کا دائرہ سامنے والی کرسی پر پڑا جو خالی تھی۔ اسکے ہتھوں سے چمڑے کے تھے جھول رہے تھے۔

”خدا یا....!“ گھٹی گھٹی سی آواز اس کے حلق سے نکلی۔ سر چکرایا اور وہ دیوار سے جا ٹکا۔

ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ اس کے سارے جسم سے چھوٹ رہا تھا۔ آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں۔

ہوٹا آہستہ آہستہ ہل رہے تھے۔ ”موت.... موت.... موت....!“ کی تکرار کئے جا رہا تھا۔

دفعتاً کسی نے اس کی گردن دبوچ لی۔ لیکن ہاتھ پیر پہلے ہی بے جان ہو رہے تھے۔ گردن

چھڑالینے کے لئے جدوجہد کس طرح کرتا.... اس پر بے ہوشی طاری ہونے لگی تھی۔



صبح ہونے والی تھی لیکن صفدر کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے سو جانے کی خواہش عرصہ سے نہ

ہوئی ہو یا تو نیند کے دباؤ نے اس مصیبت میں پھنسیا تھا یا اب ذہنی تازگی کا یہ عالم تھا جیسے جنم جنم کی

نیند پوری کر کے ابھی ابھی جاگا ہو۔

وہ ایک آرام کرسی پر نیم دراز تھا اور عمران اسی کرسی کے ہتھے پر بیٹھا اس کا شانہ سہلا رہا تھا۔

”عشق حقیقی کی تین منزلیں ہیں۔!“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”پہلی منزل

معمولی جان پہچان.... دوسری منزل زیادہ جان پہچان.... تیسری منزل.... یا یہ سوچنے لگنا کہ کاش ہم ایک دوسرے کو جانتے ہی نہ ہوتے.... بہر حال ”بوریت“ بنیادی حقیقت ہے۔ اس لئے انکار کرنے والا جہنم کا کندہ بنے گا۔“

”بہتر ہے کہ آپ مجھے کھلے الفاظ میں شرمندہ کرنا شروع کر دیں۔“ صفدر نے جھپٹی ہوئی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”اے بھول جاؤ....! کسی حماقت پر پچھتانا اس سے بھی بڑی حماقت ہے۔“

”لیکن آپ مجھ تک کیسے پہنچے۔“

”اسی گاڑی کی چھت پر تھا.... اور تمہیں یہ سن کر بے حد خوشی ہو گی کہ بڑی خوش گوار نیند آئی تھی مجھے۔“

”گاڑی کی چھت پر.... آپ سو گئے تھے؟“ صفدر کے لہجے میں حیرت تھی۔

”لیکن منزل مقصود پر پہنچ کر سویا تھا۔ بس آنکھ لگ ہی گئی تھی۔ میرا خیال ہے کہ راتے بھر او نگھٹا رہا تھا۔ جیسے ہی گاڑی رکی سو گیا۔ کسی بہت بڑی گاڑی کے انجن کے شور کی بناء پر جاگا تھا اور بوکھلا کر گاڑی کے قریب والے الیکٹرک پول پر چڑھتا چلا گیا تھا۔“

”فوری طور پر اس عمارت میں داخل ہو جانے کا اس سے بہتر طریقہ کھڑے گھاٹ نہیں سوچ سکا تھا کہ پول پر سے اس عمارت کی لائن ڈسکلنٹ کر دیتا۔“

”اور اسی چیز سے آپ کی جیت بھی ہوئی۔ ورنہ میں ہوتا اور کنفیشن چیئر.... وہ مجھ سے سب کچھ اگلا لیتے۔“ صفدر طویل سانس لے کر بولا۔

”میں نے اندھیرے میں وہاں دو آوازیں سنی تھیں۔ لیکن صرف ایک ہی آدمی ہاتھ آیا۔“

”کیا تم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔“

”نہیں۔“

”دو تین منٹ اور لگیں گے انکشن دے چکا ہوں۔“

”نہیں۔“

”نہیں۔“

”نہیں۔“

اطمینان کر لیا تھا کہ آس پاس نگرانی کرنیوالے تو موجود نہیں لیکن پھر وہاں ہی ہمارا تعاقب کیا گیا۔“

”عورتوں کے پاس سے برآمد ہونے والے ٹرانس میٹروں کو مد نظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ یہ لوگ سراغ رسانی کے جدید ترین آلات سے لیس ہیں۔“ صفدر نے جیب میں سگریٹ کا پیکٹ ٹٹولتے ہوئے کہا۔

”میرا خیال ہے کہ اس روشن دان میں الیکٹرک بگ موجود تھا جس کے ذریعے میں اندر داخل ہوا تھا.... خیر....!“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔ ”تم آرام کرو۔“

یہ لوگ اس وقت سائیکو میٹشن لوارہ تحقیقات کی عمارت کے عقبی حصے کے ایک کمرے میں تھے! عمران نے دوسرے کمرے کا دروازہ کھولنے سے پہلے جیب سے سیاہ کپڑے کا ایک خول نکال کر چہرے پر منڈھ لیا جس میں آنکھوں کی جگہ دو سوراخ تھے اس طرح اس کا پورا چہرہ چھپ گیا تھا۔

دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوا.... سامنے بستر پر وہی آدمی نیم دراز تھا۔ جسے وہ دونوں اس تاریک عمارت سے پکڑ کر لائے تھے.... اُس نے اٹھنے کی کوشش کی۔

”لیئے رہو....!“ عمران غرایا۔

”مم.... میں.... بے قصور ہوں.... میں نہیں جانتا کہ وہ کرسی پر سے کیسے غائب ہو گیا۔“

”پوری عمارت تاریک پڑی تھی۔ جناب عالی میں بے قصور ہوں۔!“

عمران خاموش کھڑا رہا۔

وہ آدمی پھر گڑگڑایا۔ ”میں ہمیشہ آپ کے حکم کی تعمیل میں جان لڑاتا رہا ہوں۔ لیکن میں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ کس طرح آزاد ہو گیا۔ میں بالکل بے قصور ہوں۔!“

”کیا تم جانتے ہو کہ کس سے ہم کلام ہو۔“ عمران نے لہجے کی غراہٹ برقرار رکھی۔

”میرے پاس کے علاوہ اور کون مجھے اس طرح بے بس کر سکتا ہے جناب عالی۔!“

”تم غلط فہمی میں مبتلا ہو۔! میں اس کا پاس ہوں جسے تم نے کنفیشن چیئر پر بکڑ رکھا تھا۔!“

دفعۃً اس آدمی کا انداز بدل گیا۔! چند لمحے پیشتر چہرے پر پائے جانے والے خوفزدگی کے آثار نیکر غائب ہو گئے۔! اور اس نے بڑی پھرتی سے عمران پر پھاٹک لگا لی۔

عمران جانتا تھا کہ اس پر اس انکشاف کا کیا رد عمل ہو گا۔ لہذا پہلے ہی سے تیار تھا۔ بائیں طرف ہٹ کر جو ٹانگ ماری ہے تو وہ کئی فٹ اوپر اچھل کر دھڑام سے فرش پر گر۔

پھر اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ پشت پر ٹھوکر پڑی اور وہ منہ کے بل ڈھیر ہو گیا۔ تیسری ٹھوکر پہلی پر پڑی اور چوتھی پھر پشت پر ڈراہی سی دیر میں سارے کس بل نکل گئے۔!

اب وہ چپت پڑا بری طرح ہانپ رہا تھا۔

”تمہارا باس کون ہے....!“ عمران نے سرد لہجے میں پوچھا۔

”اے ون....!“

”اے ون کون ہے....؟“

”یہ کوئی.... بھی نہیں جانتا....!“

”وہ یہاں کیا کر رہا ہے....؟“

”اس کا علم بھی کسی کو نہیں۔!“

”عمران میں تمہارے ساتھ دوسرا آدمی کون تھا۔!“

”اے ون....!“

”اب وہ کہاں مل سکے گا۔!“

”میں نہیں جانتا۔!“

”اس کا حلیہ بتاؤ....!“

”کیا میں.... آپ کا حلیہ بتا سکتا ہوں.... جناب عالی....!“

”نقاب میں رہتا ہے۔!“

”جی ہاں.... آج تک کسی نے اس کی شکل نہیں دیکھی۔!“

”تم ایسے کتنے آدمیوں سے واقف ہو جو اس کے لئے کام کرتے ہیں۔!“

”پانچ آدمیوں سے جناب عالی....!“

”میں اُن کے نام اور پتے چاہتا ہوں۔!“ عمران جیب سے ڈائری نکالتا ہوا بولا۔

اُس نے پانچ آدمیوں کے نام اور پتے لکھوائے۔ ان میں دونوں غیر ملکی بھی شامل تھے جن کا تعلق زرعی ترقیات کے مرکز سے تھا۔ اس سے عمران نے اندازہ کر لیا کہ بقیہ تین نام اور پتے بھی غلط نہ ہوں گے۔!

”ڈکسن برادران بھی میری قید میں ہیں۔!“ عمران نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کیا تم

و ایسی عورتوں کو بھی جانتے ہو جو اپنے بالوں میں ٹرانسمیٹر چھپائے پھرتی تھیں۔!“

”نہیں.... میں کسی ایسی عورت کو نہیں جانتا۔!“

”فرانسیسی لڑکی لو سیل سوندے کہاں رہتی ہے۔!“

”یقین کیجئے کہ یہ نام میرے لئے بالکل نیا ہے۔!“

”لیکن ڈکسن برادران کے لئے تو نیا نہیں۔!“

”ضروری نہیں کہ ہم میں سے ہر ایک باس کے سارے معاملات سے واقف ہو۔!“

”کسی کر سٹوپاؤلس سے واقف ہو....!“

”نہیں جناب عالی....!“

عمران نے طویل سانس لی اور بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ تم نے سارے سوالوں کے جوابات بالکل صحیح دیئے ہیں۔!“

”خدا کی قسم اس میں ذرہ برابر بھی جھوٹ نہیں۔!“

”اس لئے تمہیں رہا کیا جاتا ہے.... اٹھو اور اپنا نام بتا کر رخصت ہو جاؤ۔!“

”میرا نام ولبر سینا کس ہے.... جناب عالی.... لیکن میں فی الحال رہائی نہیں چاہتا۔!“

”کیا مطلب....؟“

”آپ مجھے زندہ رہنے دیں گے لیکن اے ون میرے لئے سزائے موت تجویز کرے گا۔ آپکا آدمی میری نگرانی میں تھا۔ آپ اُسے نکال لائے۔ ایسی فروگزاشت اس کے نزدیک ناقابل معافی ہے۔!“

”کیا پہلے بھی کسی کو سزائے موت دے چکا ہے۔!“

”درجنوں کو جناب عالی....!“ ولبر کراہ کر اٹھتا ہوا بولا۔ ”تین سال گزرے اُس نے اٹلی میں

گیارہ آدمیوں کو خود اپنے ہاتھوں سے ہلاک کیا تھا۔!“

”اٹلی میں وہ کیا کر رہا تھا....؟“

”مجھے اس کا علم آج تک نہ ہو سکا۔!“

”یہاں تمہارے ذمے کیا کام ہے۔!“

”تصویروں کے فریم بنانا ہوں....!“

”وضاحت کر دو.... میں نہیں سمجھا۔!“

”لکڑی کے کھوکھلے فریموں میں شیشے کی ٹکلیاں رکھ کر ان کی جڑائی کرتا ہوں۔!“  
 ”ان فریموں کا کیا ہوتا ہے۔!“

”مجھے آج تک نہیں معلوم ہو سکا جناب....! میں ایک ماہر فن چینٹر ہوں ان فریموں کو اگر آپ دیکھیں تو کہہ نہ سکیں گے کہ یہ انداز سے کھوکھلے بھی ہو سکتے ہیں اور ان میں شیشے کی ٹکلیاں پوشیدہ ہوں گی۔!“

”تم سے کوئی اور لے جاتا ہو گا۔!“

”جی ہاں.... یہ کام ہار پر کے پیر دے۔! جس کاپتہ میں آپ کو لکھوا چکا ہوں۔!“

”کیا تم نے اس سے معلوم کرنے کی کوشش نہ کی ہو گی۔!“

”ہم اس کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتے۔! ہر شخص اپنی جگہ پر سمجھتا ہے کہ جو بات بھی باس کی مرضی کے خلاف ہوتی ہے اس کا علم کسی نہ کسی طرح اُسے ضرور ہو جاتا ہے۔!“

عمران تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔

”تو تم یہاں سے نہیں جانا چاہتے۔!“

”نہیں جناب عالی....!“

”اچھی بات ہے! اب تمہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ لیکن اگر تم نے ہماری لاعلمی میں یہاں سے نکل جانے کی کوشش کی تو تمہیں ہر حال میں مرنا پڑے گا۔!“

”آپ مطمئن رہئے.... جناب عالی! ایسی کوئی بات نہ ہو گی۔!“



فون کی گھنٹی ظفر کو جگانے کا باعث بنی تھی۔ ہاتھ بڑھا کر اُس نے ریسیور اٹھایا اور بھرائی ہوئی آواز میں کال کرنے والے کو متوجہ کرتے ہوئے جہاں لی۔

”وہ عمارت فوراً چھوڑ دو....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔!

”کون بول رہا ہے....؟“

”اس بحث میں نہ پڑو.... ورنہ انکے ہاتھ لگ جاؤ گے جنہیں تمہاری تلاش ہے۔ جلدی کرو۔!“

”لیکن جاؤں کہاں....؟“

”باہر گاڑی کھڑی ہے اُسے استعمال کرو....! اُسی میک اپ میں جس میں پچھلی شام تھے۔“

بارہ جمال اسٹریٹ پہنچ جاؤ۔ اب تمہیں مستقل طور پر اسی میک اپ میں رہنا ہے۔!“  
 ظفر کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔ ریسیور رکھ دے کرے سے نکلا اور جیمسن کو آوازیں دیتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

وہ اپنے سونے کا کمرہ اندر سے بند کر کے سویا تھا۔! کچھ دیر دروازہ پیشینہ پڑا پھر اس کی چند ہیائی آنکھوں والا چہرہ پُر احتجاج انداز میں دروازے کی اوٹ سے باہر نکلا۔

”یہاں سے فوراً روانہ ہو جانا ہے۔!“ ظفر نے اُس سے کہا۔

”کیا یہاں کے ہاتھ روم بیکار ہو چکے ہیں۔!“

”پولیس....!“

پھر جیمسن کو کلاسیکی ادب کا بھی خیال نہیں آیا تھا۔ اُس نے بہت جلدی میں وہاں سے بھاگ پلنے کی تیاری شروع کر دی تھی۔

جمال اسٹریٹ کی گیارہویں عمارت کے قریب پہنچ کر ظفر نے گاڑی روک دی اور جیمسن سے اترنے کو کہا۔ وہ پچھلی شام والے میک اپ میں تھا۔

پھانک کھلا ہوا ملتا تھا.... صدر دروازہ بھی مقفل نہیں تھا.... وہ اندر داخل ہوئے۔

سب سے پہلے سنگ روم میں پہنچے، جو سلیقے سے آراستہ کیا گیا تھا۔ پھر ظفر تو وہیں بیٹھ گیا تھا اور جیمسن یہ کہتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ ”اگر یہاں بھی کچھ کلاسیک ہاتھ آجائے تو کیا کہنا۔!“

ظفر کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا اب عمران سے کس طرح رابطہ قائم ہو سکے گا۔ ضروری نہیں کہ اُسے منتقلی کا علم ہو ہی جائے۔ فون کال ٹیپ کر لئے جانے کے اندیشے کی بناء پر فون پر بھی اُسے تلاش کرنے کی کوشش نہیں کر سکتا تھا۔

دفعتاً جیمسن گھبرایا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ اس پر بدحواسی کی طاری تھی۔

”لال.... لاش....!“ وہ آنکھیں پھاڑ کر ہکھلایا۔

”ہوں.... تو پھر تم نے ایس ڈی ایل شروع کر دیا ہے۔!“

”خدا کی قسم.... لو سیل دے سوندے۔!“

”کیا مطلب....؟“ ظفر اچھل کر کھڑا ہو گیا.... پھر جیمسن کا ہاتھ پکڑ کر اُسے دروازے کی طرف گھسیتا ہوا بولا۔

”کہاں....؟“

”بب.... بیڈ روم میں....!“

جیمسن اُسے اُس کمرے میں لایا جہاں لوٹیل دے سوندے کی لاش چھت سے لٹک رہی تھی۔ گلے میں رسی کا پھندا تھا اور نیچے ایک کرسی الٹی پڑی تھی۔

”یہ کیا مصیبت ہے....؟“ ظفر بڑبڑایا۔

”بھاگ نکلے۔!“

”بہت زیادہ بدحواس ہونے کی ضرورت نہیں! آخر ہمیں ایک ایسی عمارت میں کیوں بھیجا

گیا ہے جہاں ایک لاش پہلے سے موجود تھی۔!“

”آپ سوچتے ہی رہ جائیں گے.... اور....!“

دفعتاً گھنٹی کی آواز گونجی اور جیمسن جملہ پورا نہ کر سکا۔

ظفر صدر دروازے کی طرف چھپا.... اور جیمسن لاش والے کمرے کا دروازہ بند کرنے لگا تھا۔

اس کے بعد وہ بھی ظفر کے پیچھے ہی چل پڑا تھا۔

ظفر نے دروازہ کھولا.... اور بھونچکا رہ گیا۔ کیپٹن فیاض کا اسسٹنٹ انسپکٹر ماجد سامنے کھڑا

اُسے گھور رہا تھا۔ اس کے پیچھے ایک باوردی انسپکٹر اور تین کانسیبل تھے۔ قبل اس کے کہ کوئی گفتگو

ہوتی ظفر نے ماجد کو چومکتے دیکھا۔ اسے جیمسن کا خیال آیا جو میک اپ میں نہیں تھا۔

پھر وہ ماجد کو ہولسٹر سے ریوالور نکالتے بھی دیکھتا رہا۔ لیکن کیا کر سکتا تھا۔

”اگر کسی نے اپنی جگہ سے جنبش بھی کی تو فائر کر دوں گا۔!“ ماجد نے بھاری بھر کم لہجے میں کہا۔

ظفر نے مڑ کر دیکھا! ماجد کا مخاطب دراصل جیمسن ہی تھا۔

”پیچھے کھڑے ہوئے آدمی کے جھٹکری لگا دو....!“ ماجد نے باوردی انسپکٹر سے کہا۔

وہ ظفر کو ایک طرف ہٹاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ ظفر سب سے الگ ہی الگ رہنا چاہتا تھا کیونکہ

اُس کی اپنی ڈاڑھی مصنوعی تھی۔

پھر جب انسپکٹر جیمسن کے جھٹکریاں لگا رہا تھا ماجد بولا۔ ”اُس کا ایک ساتھی اور بھی ہے....“

اور آپ کون ہیں جناب....؟“

اس بار اس نے ظفر کو مخاطب کیا تھا۔

ظفر نے اُسے تنکھی نظروں سے دیکھا اور پُر وقار لہجے میں بولا اس سے پہلے آپ یہ بتائیں

گے کہ آپ نے میرے ملازم سے یہ برتاؤ کس بناء پر کیا ہے۔!“

”یہ کب سے آپ کا ملازم ہے جناب....!“

”کل شام سے....!“

”آپ اس کے بارے میں کیا جانتے ہیں۔!“

”یہی کہ یہ کل سے میرا ملازم ہے۔!“

”آپ بتائیے کہ اس کا دوسرا ساتھی کہاں ہے ورنہ آپ کو بھی ہمارے ساتھ چلنا پڑے گا۔!“

”میں اس کے دوسرے ساتھی کو نہیں جانتا۔!“

”نہ جانتے ہوں گے۔!“ ماجد اس کی آنکھوں میں گھورتا ہوا بولا۔ ”ہمیں اطلاع ملی ہے کہ

اں ایک لاش بھی ہے۔!“

”یقیناً ہے....!“

”کیا....؟“

”جس بات کا مجھے علم ہے اس کا اعتراف ضرور کروں گا۔!“ ظفر مسکرایا۔

”مجھے ابھی ابھی معلوم ہوا ہے.... پولیس کو فون کرنے جا ہی رہا تھا کہ آپ لوگ تشریف

لے آئے.... جی ہاں.... میری سیکریٹری لوٹیل دے سوندے نے پچھلی رات کسی وقت خود کشی

کی۔ چلے آپ کو دکھاؤں۔!“

وہ راہداری ہی میں تھے کہ بائیں جانب والے ایک کمرے سے فون کی گھنٹی کی آواز آئی۔ ظفر

کمرے میں داخل ہونا چاہا۔

”ٹھہریے!“ ماجد ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”نی الحال آپ کال ریسیونہ کر سکیں گے! مجھے دیکھنے دیجئے۔!“

”ضرور دیکھئے.... لیکن آپ مجھے کمرے میں داخل ہونے سے تو نہیں روک سکتے۔!“

ماجد کچھ نہ بولا۔ لیکن وہ ظفر سے پہلے کمرے میں داخل ہوا تھا۔

فون کی گھنٹی بج رہی تھی.... اُس نے ریسیور اٹھالیا۔

”ہیلو.... ہوں.... آپ کس سے ملنا چاہتے ہیں ہاں ٹھیک ہے پھر....؟“

ماجد دوسری طرف سے بولنے والے کی بات سنتا رہا لیکن نظریں ظفر پر جمی رہیں۔ ایک پل

کے لئے ظفر کو محسوس ہوا جیسے گفتگو خود اسی کے بارے میں ہو رہی ہو۔ وہ تیزی سے دروازے کی طرف مزائیکین باوردی انسپکٹر راستہ روکے کھڑا تھا۔

پھر ماجد کی طرف پلٹا تو اس کا رویہ اور اپنی طرف اٹھا ہوا پایا۔ وہ فون کار سیور کریڈل پر رکھ چکا تھا ظفر سوچ رہا تھا کہ جس نے انہیں یہاں بھیجا تھا اسی نے فون پر اب یہ اطلاع دی ہے کہ ”میک اپ میں ہے۔“

اس کا خیال درست نکلا.... دوسرے ہی لمحے میں ماجد نے باوردی انسپکٹر سے اس کی ڈاڑھ کھینچ لینے کو کہا۔

ظفر اس کے لئے تیار نہیں تھا۔ لیکن بچ نکلنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔

پھر ظفر کے ہاتھوں میں بھی ہتھکڑیاں پڑ گئیں۔ اس پر جیمسن نے بندروں کی طرح دائرہ نکال کر پسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ اس کے بعد بولا تھا۔ ”کاش مجھے بھی ہڑ ہائی نس پر نس جان عالم! طرح اپنی روح دوسرے جسم میں منتقل کر دینے کا طریقہ معلوم ہوتا۔!“

”کیا مطلب....!“ ماجد غرایا۔

”اردو کے کلاسیکی ادب کی بات کر رہا ہے۔!“ ظفر نس کر بولا۔ ”فسانہ عجائب کا ہیرو جان عالم آگیا ہے۔!“

”میں آپ کی سیکریٹری لو سیل دے سوندے کے مردہ جسم میں اپنی روح داخل کر کے زندہ بھر بچے جتنا رہتا۔!“ جیمسن نے پر فکر لہجے میں کہا۔

”خاموش رہو....!“ ماجد دہاڑا ”تمہیں مزید تین لاشوں کے لئے جوابدہ ہونا پڑے گا۔!“

”کون سی تین لاشیں۔!“ ظفر کے لہجے میں حیرت تھی۔

”ڈی سوزا.... اس کی لڑکی اور ایک نامعلوم آدمی کی لاشیں.... تم مافیا کے ایجنٹ ہو.... اس گندے بزنس کی سربراہی تم ہی کرتے رہے ہو۔ اب دیکھنا....!“

”میں کسی ڈی سوزا کو نہیں جانتا۔!“

”لے جاؤ ان دونوں کو....!“ اس نے کانشیلوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

اور وہ دونوں اونچی آواز میں امن کا ایک گیت گاتے ہوئے کانشیلوں کے ساتھ چلے گئے۔

## عمران سیریز نمبر 56

## سبزی لہو

(دوسرا حصہ)

قانونی چارہ جوئی کروں گا۔

ہر شعبہ زندگی میں ہماری قوم کا کردار یہی بن گیا ہے کہ ”دکھ سہیں بی فاختہ اور کوئے اندے کھائیں۔!“

اپنے پڑھنے والوں سے گزارش ہے کہ اگر کوئی ایسی کتاب اُن کے ہاتھ لگے جس میں کسی نقال نے ظفر الملک یا جیمسن کے بارے میں کچھ لکھا ہو تو مجھے فوراً مطلع کریں۔ میں اُن حضرات کی یہ خوش فہمی بھی دور کر دینا چاہتا ہوں کہ ان کے خلاف کوئی قانونی کارروائی نہیں کی جاسکتی۔ بات کہاں کی کہاں جا پہنچی۔ ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ میں نے کسی کو اپنی کوئی کہانی فلم بنانے کے لئے نہیں دی۔ فریدی، حمید اور عمران کے کرداروں کے لئے قطعی طور پر نئے چہرے درکار ہوں گے! بعض پڑھنے والوں نے جو نام تجویز کئے ہیں ان کے اچھے اداکار ہونے میں کوئی شبہ نہیں، لیکن وہ میرے ان کرداروں سے ذرہ برابر بھی مشابہت نہیں رکھتے۔ اب آئیے ”سبز لہو“ کی طرف یہ ”مناروں والیاں“ کے سلسلے کی کتاب ہے! میں نے کوشش کی تھی کہ جلد از جلد آپ تک پہنچ سکے! لیکن مئی اور جون کی گرمی کہہ رہی تھی ”ہینڈ ز اپ“ غالباً اکبر الہ آبادی کا شعر ہے۔

پڑ جائیں لاکھ آبلے پائے نگاہ میں

پڑھ کر جو کوئی پھونکدے اپریل مئی جون

اور پھر کراچی کا موسم پل پل بدلنے والا۔ اچھے خاصے بیٹھے لکھ رہے تھے، اچانک ہوا میں رطوبت بڑھ گئی۔ عمران دشمن پر چھلانگ لگانے ہی والا تھا کہ دفعتاً موسم کی تبدیلی نے کھوپڑی سہلائی۔ چھلانگ لگانے کا ارادہ ترک کر کے حریف سے مودبانہ بولا۔ ”بھائی صاحب کل یہیں ملے گا.... خدا حافظ....“

لوگ مشورہ دیتے ہیں گرمیوں میں مری چلے جایا کرو اور میں اُن سے بصد خلوص وعدہ کرتا ہوں کہ اگلی گرمیوں میں ضرور چلا جاؤں گا۔ لیکن جہاں گھنٹے بھر بعد ہوا بدلی، یہ فلسفہ سو جھا کہ آدمی تو دراصل اپنے ذہن میں رہتا ہے! پھر مری وری کیسی؟ سب چلتا ہے.... پھر موسم میں کوئی تبدیلی آئی اور تارک الدنیا ہو جانے کو دل چاہنے لگا! کراچی جیسے کلہاڑی شہر میں تو ایسی آب و ہوا نہ ہونی چاہئے۔ پتہ نہیں اللہ کی کیا مصلحت ہے۔“

والسلام

ایضاً

۲ جولائی ۱۹۶۹ء

## پیشترس

اس بار کتاب کے بارے میں کچھ کہنے سے پہلے مناسب سمجھتا ہوں کہ اپنے اُن بے شمار پڑھنے والوں کے بے شمار خطوط کا جواب دوں، جو ایک بے بنیاد افواہ سے متاثر ہو کر میرا اور اپنا وقت ضائع کرتے رہے ہیں۔

پتہ نہیں یہ افواہ کہاں سے پھیلی تھی کہ میں کسی صاحب کی فلم کے لئے کوئی کہانی لکھ رہا ہوں، جس میں فریدی کا رول ”فلاں“ صاحب ادا کریں گے! اب جو ان ”فلاں“ صاحب سے متعلق اظہار خیال کے سلسلے میں خطوط آنے شروع ہوئے ہیں، تو میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مجھ سے کون سا گناہ سرزد ہوا ہے، جس کی بھگتان میرے سر آ پڑی ہے! صرف یہی نہیں کہ ”فلاں“ صاحب ہی پر بات ٹل جاتی۔ دوسرے صاحبان کے لئے تجاویز بھی موصول ہوتی رہی ہیں کہ وہ فریدی کا رول بہتر طور پر کر سکیں گے۔

دوستو! کیوں بور کر رہے ہو مجھے۔ میں نے کسی سے بھی فلم کے لئے کوئی معاہدہ نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کسی صاحب نے یہ سوچا ہو کہ میرے علاوہ دوسرے بھی تو میرے کرداروں پر ناول لکھ رہے ہیں۔ میں نے اُن کا کیا بگاڑ لیا ہے کہ انہی کرداروں پر فلم بنانے والوں کے خلاف کوئی کارروائی کر سکوں گا۔ اگر ایسی کوئی بات ہے تو وہ صاحب غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

چھوٹے موٹے پیشترس کے خلاف اگر میں نے کوئی کارروائی کی بھی تو وقت کی بربادی کے علاوہ اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا! پیشترسوں سے تو عموماً معافی تلافی ہی پر بات ٹل جاتی ہے۔ لیکن فلم کا معاملہ اور ہے.... میرا اگلا ہوا نوالہ کوئی کھانا پسند کرے....! مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے.... لیکن میرے حلق کا نوالہ کوئی کھالے....! یہ کیسے ممکن ہے۔

برصغیر کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ فریدی ’حمید‘ عمران اور قائم وغیرہ میرے ہی تخلیق کردہ کردار ہیں۔ میری طویل علالت کے دوران میں بعض پیشترسوں کو موقع مل گیا کہ وہ میرے کرداروں پر ناول لکھوا کر فروخت کریں.... صحت یاب ہوا تو ایسے پیشترس کی کثیر تعداد نظر آئی، کس کس کے خلاف کارروائی کرتا۔ علالت سے قبل ایک ”ابن صفی“ کے خلاف کارروائی کی تھی اور اسی دوران میں بیمار پڑ گیا تھا۔ پھر وہ کیس بھی جہاں تہاں رہ گیا تھا۔

کہنے کا مطلب یہ کہ میں چاہوں تو ان کے خلاف اب بھی قانونی چارہ جوئی کر سکتا ہوں اور اگر انہوں نے میرے نئے کرداروں ظفر الملک اور جیمسن وغیرہ کو استعمال کیا تو ان کے خلاف



رینا اس پر اعتراض کرتی تو جھنجھلا کر اُسے بھی بُرا بھلا کہنے لگتے! وہ خاموش ہو جاتی۔ اس کے علاوہ چارہ بھی کیا تھا۔ اُن دونوں سے محبت بھی تو کرتی تھی۔

سریت پسندی اُن تینوں کی مشترکہ خصوصیت تھی۔ لہذا جب اُسے معلوم ہوا تھا کہ وہ تینوں اس ملک میں اپنے ملک کے مفاد کے لئے کچھ کام چوری چھپے بھی کریں گے تو اُسے بڑی خوشی ہوتی تھی۔ سری ادب سے بھی اُسے بہت لگاؤ تھا اسرار و سراغ کی بے شمار کہانیاں اس نے پڑھی تھیں۔ یہاں آکر اُسے معلوم ہوا تھا کہ اپنے ملک کے مفاد کے لئے جو کام چوری چھپے انجام دینا ہے اُس کے احکامات انہیں ”اے ون“ نامی شخصیت سے ملیں گے۔

اُس پر اُس نے اپنے بھائیوں جیری ڈکسن اور جری ڈکسن سے کہا تھا کہ ”یہ سب کچھ تو بہت سستی خیز ہے۔! بس مزہ ہی آجائے گا۔!“

”مگر تم تو بہت نیک ہو!“ جیری بولا۔ ”نروان حاصل کرنا چاہتی ہو۔ یہ سب کچھ کیسے کر سکوگی۔!“

”اپنے ملک کے لئے میں جان بھی دے سکتی ہوں۔!“

”ہو سکتا ہے.... کچھ گھٹیا کام بھی کرنے پڑیں۔!“

”ملک کے لئے سب کچھ گوارہ ہے۔!“

لیکن یہ حقیقت ہے کہ ابھی تک اسے کوئی گھٹیا کام نہیں کرنا پڑا تھا۔ اس کے سپرد صرف اتنی خدمت تھی کہ وہ روزانہ شام کو چھ بجے اپنے ٹرانس میٹر کا سوچ آن کر دیتی تھی۔ اگر اُسے دن کو کچھ کہنا ہوتا تو وہ چندرہ منٹ کے اندر ہی اندر اُس کی آواز سنتی اور بھائیوں کے لئے اس کا پیغام نوٹ کر لیتی۔

مگر یہ عجیب بات تھی کہ جب سے اُس کے بھائی غائب ہوئے تھے اُسے ون کی طرف سے اسے کوئی پیغام نہیں ملا تھا۔

اس وقت بھی وہ ٹرانس میٹر کا سوچ آن کئے بیٹھی تھی۔! چھ بج کر دس منٹ ہو چکے تھے اور آج پھر وہ مایوس ہی ہو جانے والی تھی کہ ٹرانس میٹر سے آواز آئی۔

”ہیلو.... آرڈی.... آرڈی....!“

”اٹ از آرڈی.... ہیلو....!“

”اور ٹو اے ون....!“ ٹرانس میٹر سے آواز آئی اور پھر سنا سنا چھا گیا۔ پھر تھوڑے وقفے سے

آواز آئی ”ہیلو.... آرڈی....!“



رینا ڈکسن اپنے بھائیوں کے لئے بے حد پریشان تھی۔ وہ تین دن سے غائب تھے۔ رینا ان کی طرف سے کبھی مطمئن نہیں رہی تھی۔ ان کی شخصیتیں متوازن نہیں تھیں۔! جس کے لئے وہ ہمیشہ اپنے باپ کو الزام دیتی رہی تھی۔

یہ لوگ ایک کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔! باپ وکیل تھا اور ہندو فلسفے کا شیدائی! اپنے گھر کو اس نے دھواں دھار بنا رکھا تھا۔ ہر طرف بخوردانوں میں خوشبوئیاں سلگتی رہتیں! فرصت کے اوقات میں گھر والوں کو اکٹھا کرنا اور ہندو فلسفے پر لیکچر شروع کر دیتا۔

بیٹوں کو زراعت کی طرف لگانے والا بھی وہی تھا۔ اس کا خیال تھا کہ دنیا میں زراعت سے زیادہ متبرک اور کوئی پیشہ نہیں....!

حقیقتاً بیٹوں کو زراعت سے ذرہ برابر بھی لگاؤ نہیں تھا۔ لیکن ان کی تربیت اس ڈھنگ سے ہوئی تھی کہ وہ باپ کا حکم نہیں ٹال سکتے تھے کم از کم اس کے سامنے تو اس کے فرمانبردار ہی بنے رہتے تھے۔! یہ اور بات ہے کہ گھر سے قدم نکالتے ہی وہ قطعی بھول جاتے ہوں کہ انہیں باپ کی نصیحت کے مطابق اُسٹرے کی دھار سے گزر کر نروان حاصل کرنا ہے۔!

انہوں نے زرعی اداروں میں تعلیم حاصل کی.... ڈگریاں لیں۔ کچھ دنوں اپنے ملک ہی کی خدمات انجام دیں اور اس کے بعد اپنی حکومت ہی کی طرف سے ترقی پذیر ممالک میں بھیجے جانے لگے تاکہ اُن کی زرعی اسکیموں کو پایہ تکمیل پہنچانے میں معاونت کریں۔

رینا کو یقین تھا کہ وہ جو کچھ بھی نظر آتے ہیں حقیقتاً وہ نہیں ہیں۔! وہ مقامی آدمیوں کے ساتھ انہیں اخلاق سے پیش آتے دیکھتی اور وہ جب چلے جاتے تو ان کا مضحکہ اڑاتے اور انہیں گالیوں دیتے۔!

”ہیلو.... چیف....!“

”جرمی اور جی سے کہہ دو کہ آج ٹھیک بارہ بجے....!“

”وہ تین دن سے لاپتہ ہیں چیف....!“

”لاپتہ ہیں....؟“

”لاپتہ ہیں چیف اور میں بہت پریشان ہوں۔!“

”کوئی خاص بات تھی....!“

”آپ نے جن دو آدمیوں کو کہیں پہنچانے کے لئے کہا تھا میری ذانت میں وہی میرے

بھائیوں کے غائب ہو جانے کا سبب بنے ہیں۔!“

”تم اس رات کہاں تھیں....؟“

”میں سر شام ہی سو گئی تھی۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔!“

”اچھا.... جرمی کا کیمرو تلاش کرو۔ اگر اس میں کوئی رول موجود ہو تو اُسے فی الفور ڈیولپ کر ڈالو!“

”جرمی کا کیمرو....؟ وہ اس کے کمرے میں موجود ہے۔!“ رینا نے پُر تحیر لہجے میں کہا۔ ”میں

آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔!“

”جرمی ہر اُس اجنبی کی تصویر لینے کا عادی ہے جو کسی طرح بھی اس کے قریب آیا ہو۔!“

”اوہ....!“

”مجھے یقین ہے کہ اس نے ان دونوں کی تصاویر بھی لی ہوں گی۔!“

”اوہ.... تو میرا خیال صحیح تھا کہ وہی دونوں اُن کے غائب ہو جانے کا سبب بنے ہیں۔!“

”جلدی کرو.... میں تمہارے پیغام کا منتظر ہوں گا.... اور....!“ رینا نے سوچ آف کر دیا۔

جرمی کا کیمرو لوڈ تھا۔ وہ اُسے ڈارک روم میں لائی اور اُسے رول نکال کر ڈیولپ کرنے لگی۔

اس رول میں صرف تین تصویریں نظر آئیں.... بقیہ فریم ایکسپوز ہی نہیں کئے گئے تھے۔

رول کو خشک کر کے اس نے جلدی جلدی تصویروں کے پوزیٹو پر منس بھی نکالے۔

ان میں سے ایک تصویر ڈاکٹر کی تھی اور ایک اُس کے گوریلا نما اسٹنٹ کی۔ تیسری تصویر

کسی ایسے آدمی کی تھی جو اس کے لئے قطعی اجنبی تھا۔

قریباً آدھے گھنٹے بعد اس نے پھر ٹرانس میٹر کا سوچ آف کیا اور بولی۔ ”ہیلو اے ون.... اے

ون.... اٹ از آرڈی....!“

”ہیلو....!“ ٹرانس میٹر سے آواز آئی۔ ”آرڈی.... کیا رہا....؟“

”آپ کا خیال درست تھا.... رول میں دونوں کی تصویریں موجود تھیں۔ میں نے دونوں

کے پرنٹ نکال لئے ہیں۔!“

”شباباش.... تم بہت ذہین اور پھر تیلی لڑکی ہو! اب ان تصویروں کو لفافے میں رکھ کر اس پر

کر اس بناؤ اور فارم کے پھانک والے لیٹر بکس میں ڈال دو....!“

”بہت بہتر چیف....!“

”دونوں کی ایک ایک کاپی اپنے لئے بھی پرنٹ کرو.... اپنے پاس رکھو.... اگر تم ہی اُن

دونوں کو تلاش کر سکیں.... تو خود کو ایک بہت بڑے انعام کی مستحق سمجھو....!“

”میرا سب سے بڑا انعام یہ ہو گا کہ مجھے میرے بھائی مل جائیں۔!“

”اچھا.... اور اینڈ آل....!“

ٹرانس میٹر خاموش ہو گیا۔ اور وہ اے ون کی ہدایات کو عملی جامہ پہنانے کی تیاری کرنے لگی۔

اندھیرا پھیل چکا تھا.... قمری مینیج کی آخری تاریخیں تھیں۔ اُس نے نارنج اٹھائی اور عمارت

سے نکل کر فارم کے پھانک کی طرف چل پڑی۔

سردی آج بھی مزاج پوچھ رہی تھی۔ جھینگروں کی جھانکیں جھانکیں سے گونجتی رہنے والی فضا

بالکل خاموش تھی۔

فارم کا پھانک رہائشی عمارت سے قریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر تھا وہ نارنج کی روشنی میں

راستہ طے کرتی رہی۔ پھانک کے قریب پہنچ کر اُس نے کسی شیر خوار بچے کے رونے کی آواز سنی

اور نارنج کا دائرہ اس طرف ریگ گیا۔ پھانک کے باہر ایک کار کھڑی نظر آئی۔

جیسے ہی روشنی کا دائرہ اس پر پڑا ایک عورت پچھلی نشست کا دروازہ کھول کر نیچے اتری۔ یہ بھی

رینا ہی کی طرح سفید فام تھی۔ لیکن اس کے چہرے پر تھکن کے آثار دور سے بھی دیکھے جاسکتے تھے۔

قریب آکر اس نے انگریزی میں کہا۔ ”مجھے بڑی خوشی ہے کہ تم میری زبان سمجھ سکو گی۔!“

”میں کیا مدد کر سکتی ہوں۔!“

”میرے بچے کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ سفر جاری نہیں رکھ سکتی کیا کہیں پناہ مل سکے گی۔!“

”یقیناً ایک منٹ ٹھہرو....!“ رینا نے کہا اور لیٹر بکس کی طرف مڑ گئی۔! لفافہ اُس میں ڈکڑ کر پھر اجنبی عورت کی طرف پلٹ آئی۔

کار میں بچہ ابھی تک روئے جا رہا تھا۔

”کیا تم تنہا ہو....؟“ رینا نے پوچھا۔

”نہیں میرا شوہر بھی ساتھ ہے۔ وہ تو کہہ رہا ہے کہ تھوڑی دیر بعد ہم شہر پہنچ جائیں گے۔ لیکن میرے لئے یہ ناقابل برداشت ہے تم محسوس کر رہی ہو گی۔ اس آواز میں کرب ہے۔ میرا خیال ہے کہ اُسے نمونیا ہو گیا ہے۔!“

”گاڑی اندر لے چلو.... تمہارا خیال درست ہے.... فی الحال سفر ملتوی کر دینا چاہئے۔!“

”سوال یہ ہے کہ نمونیا ہوا کیوں....؟“ گاڑی کے اندر سے مردانہ آواز آئی۔

”تم خاموش رہو....!“ عورت مڑ کر چیخیں۔

”چلو.... بیکار بات نہ بڑھاؤ....!“ رینا نے اُسے گاڑی کی طرف لے جاتے ہوئے کہا۔

پچھلی نشست پر بچہ پڑا رہا تھا۔ عورت نے اُسے گود میں اٹھالیا اور رینا اس کے برابر جا بیٹھی

مرد نے انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی پھانک کی طرف موڑتا ہوا بڑا ہوا۔ ”کاش میں نے شاد

کی ہوتی۔!“

”اب تم اپنی زبان بند رکھو گے یا نہیں....!“ عورت پھر گرجی۔

”ہاں بس سیدھے ہی چلو....!“ رینا نے مرد کو ہدایت دی۔

بچہ برابر روئے جا رہا تھا۔ رینا پہلے سے بھی کچھ زیادہ دل گرفتگی محسوس کر رہی تھی۔!

وہ انہیں اپنی رہائش گاہ پر لائی۔

عورت سفید قام تھی لیکن اس کا شوہر کوئی مقامی آدمی تھا۔ خوش شکل ضرور تھا لیکن

یہ یوقف سا لگتا تھا۔ رینا نے انہیں بتایا کہ اس وقت طبی امداد تو ممکن نہیں لیکن اس کے پاس ما

کی ایک ایسی دوا موجود ہے جس سے بچے کو آرام ملے گا۔!

”مالش کی دوا سے کیا ہو گا۔!“ مرد نے برا سامنہ بنایا۔

”تم پھر بولے۔!“ عورت غرائی۔

مرد نے ایسا منہ بنایا جیسے کسی سخت گیر ماں سے سابقہ ہو۔ رینا کو یہ چیز کچھ عجیب سی لگی۔

ایک گھنٹے بعد بچہ سو گیا تھا۔ انہوں نے رات کا کھانا کھلایا اور ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر کافی پینے لگے۔

عورت نے رینا کو بتایا کہ اس کی ماں انگریز تھی اور باپ برما کا باشندہ تھا۔

”تو یہ تمہارے شوہر بھی برما میں ہیں۔!“ رینا نے پوچھا۔

”نہیں محترمہ میں یہیں کا باشندہ ہوں۔!“ شوہر بول پڑا۔

”تم سے سوال نہیں کیا گیا تھا۔ تم کافی ختم کر کے سونے جاؤ گے۔!“ بیوی پھر غرائی۔

”بالکل.... بالکل....!“ شوہر سر ہلا کر بولا۔ ”مجھے تو نمونیا بھی نہیں ہوتا۔!“

”غیر ضروری باتیں نہیں۔!“

شوہر پہلے سے بھی کچھ زیادہ سہا ہوا نظر آنے لگا۔ پھر کافی ختم کر کے وہ سچ اٹھ گیا تھا۔

”دیکھو....!“ بیوی ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”میں نے بیدار روم میں کتابوں کی شلف دیکھی تھی۔ خبر

راہی جاتا.... کوئی کتاب نہ نکال لینا۔!“

”میں سو جاؤں گا۔!“ وہ مردہ سی آواز میں بولا اور چپ چاپ چلا گیا۔

”بے چارہ عبدل....!“ اس کی بیوی نے ٹھنڈی سانس لی۔

رینا خاموش تھی۔ مہمان عورت اس کی طرف مڑ کر بولی۔ ”میں عبدل کے لئے بڑی دیکھی

ہتی ہوں۔ وہ ایک خطرناک مرض میں مبتلا ہے۔!“

”کیسا مرض....؟“

”بائیں ٹانگ بالکل بے جان ہو جاتی ہے۔ کئی کئی دن بستر سے جنبش بھی نہیں کر سکتا۔!“

”کوئی اعصابی مرض۔!“

”ڈاکٹروں کا یہی خیال ہے۔!“

رینا سوچنے لگی کہ اب اس مہمان عورت کو آرام کرنا چاہئے۔ لہذا اس نے گفتگو کو آگے

بڑھنے سے روک دیا۔ رات کے گیارہ بجے تھے اور وہ اپنی خواب گاہ میں ٹہل رہی تھی۔

بھائیوں کے بارے میں سوچنا شروع کیا تو مہمانوں کی سدھ بھی نہ رہی۔ آخر وہ کہاں گئے۔

اگر ڈاکٹر اور اس کا خوف ناک چہرے والا اسٹنٹ ہی غائب ہو جانے کے ذمہ دار ہیں تو اس

وقت کے مقصد کیا ہے....؟ اگر چیف ان دونوں کی زندگیوں کا خواہاں تھا تو پھر ان دونوں نے اس

کے بھائیوں کو کیوں چھوڑا ہو گا۔

الہجھن بڑھ گئی۔ ٹھیک اسی وقت اس نے کچھ غیر معمولی قسم کی آوازیں بھی سنیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے عمارت ہی میں کچھ لوگ ادھر سے ادھر دوڑتے پھر رہے ہوں۔ وہ خواب گاہ کا دروازہ کھول کر کھڑی ہو گئی۔ وہ طبعاً ڈرپوک لڑکی نہیں تھی۔

پھر جلد ہی اُس نے اندازہ کر لیا کہ وہ آوازیں مہمانوں کے کمرے سے آرہی تھیں۔ وہاں روشتہ ان میں روشنی بھی نظر آئی۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اُس نے سوچا اور تیزی سے آگے بڑھی اور دروازے کے قفل کے سوراخ سے اندر جھانکنے لگی۔

وہاں اچھا خاصا ہنگامہ برپا تھا۔ مہمان عورت اپنے شوہر کے پیچھے اس طرح جھپٹتی پھر رہی تھی جیسے ہاتھ آگیا تو گرا کر مارے گی اور وہ ڈری ڈری سی آوازیں نکالتا ہوا اس کی گرفت سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”کک.... کیا کر رہی ہو.... ہم ایک غیر جگہ پر ہیں۔ تمہیں شرم آنی چاہئے۔ ارے میزبان کی نیند تو حرام نہ کرو۔!“

”میں آج تمہیں جان سے مار دوں گی۔!“

”یہاں نہیں.... گھر پہنچ کر.... خدا کے لئے اب.... ختم بھی کرو۔!“

”اگر تم اپنی زندگی چاہتے ہو تو.... رک....!“

”تم کیا کرو گی....؟“

”صرف دو تھپڑ لگاؤں گی۔!“

”نہیں.... ایک....!“ وہ ہانپتا ہوا بولا۔

آخر تھک ہار کر وہ رک گئی۔ شوہر بستر کی دوسری طرف کھڑا تھا۔ دونوں ہی بڑی طرح ہانپ رہے تھے عورت اُسے گھورے جا رہی تھی....!

آخر شوہر اپنی سانسوں پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہوا بے بسی سے بولا۔ ”اس سے تو یہی بچا ہے کہ تم مجھے زہر دے دو.... یا گولی مار دو....!“

”نہیں میں تمہیں سسکا سسکا کر ماروں گی۔!“

”آخر مجھ سے شادی کیوں کی تھی.... اگر یہی کرنا تھا۔!“ وہ روہانسا ہو کر بولا۔

”مجھے یہ قوف مرد پسند ہیں.... لیکن تم بہت زیادہ یہ قوف ثابت ہوئے ہو۔!“

”تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔!“

”بے بی کو نمونیا کیوں ہوا....؟“ وہ غرائی۔

”بھلا میں کیونکر بتا سکتا ہوں....!“ وہ بے بسی سے بولا۔

”اگر تم نہیں بتا سکتے تو اس کے باپ بھی نہیں ہو۔!“

”اے کا باپ بن کر مجھے خوشی محسوس نہیں ہوتی.... کم بخت کو چھینک بھی آجائے تو میری ہی شامت!“

”خبردار! اگر اس کے لئے کوئی نازیبا لفظ زبان سے نکلا۔!“

”مجھے تو اس کا رونا بھی ایسا ہی لگتا ہے جیسے مجھے.... صرف مجھے گالیاں دے رہا ہو۔!“

”میں تمہاری زبان کھینچ لوں گی۔!“

”اگر تم اپنی زبان کی جنبشوں میں دس فیصد بھی کمی کر سکو تو میں اپنی زبان ہمیشہ کے لئے

بند کر لینے کو تیار ہوں۔!“

”مث اب....!“

”تم جانتی ہو کہ جس رات میرے ساتھ ایسا برتاؤ ہوتا ہے دوسری صبح کو میں مفلوج ہو جاتا ہوں۔!“

”تم جہنم میں جاؤ.... مجھے کیا۔!“

”روشی....!“

”میرا نام نہ لو.... میں عنقریب تم سے چھٹکارا حاصل کر لوں گی۔!“

”اس حال کو پہنچا دینے کے بعد....!“ شوہر دردناک لہجے میں بولا۔ وہ مزید کچھ کہنے کی بجائے دھم سے بستر پر بیٹھ گئی۔

شوہر بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر رینا کو عجیب سے آثار نظر آئے۔

”اچھا بتی بھجھاؤ....!“ عورت تھوڑی دیر بعد غصیلی آواز میں بولی۔ ”مجھے نیند آرہی ہے۔!“

لیکن تم جاگتے رہو گے۔!“

رینا نے دیکھا کہ وہ چپ چاپ سوچ بورڈ کی طرف بڑھا اور پھر کمرے میں اندھیرا چھا گیا۔

رینا اپنے ذہن پر ایک ناگوار سا تاثر لے کر وہاں سے ہٹ گئی۔ کچھ دیر بعد اُسے بھی نیند آگئی۔

دوسری صبح آنکھ کھلی تو دھوپ پھیلی نظر آئی۔ دیر تک جاگتے رہنے کی بناء پر آج شائد زندگی

میں پہلی بار وہ اتنی دیر سے اٹھی تھی۔

”پھر بھی یہ بڑی عجیب بات ہے۔!“

”وہ دراصل بے بی کی وجہ سے بہت پریشان تھی۔ اسکے لئے طبی امداد بہر حال ضروری تھی۔!“

”لیکن آپ کی دیکھ بھال بھی تو ضروری ہے۔!“

”مجھے افسوس ہے کہ مجھ پر ناوقت دورہ پڑا۔ آپ لوگوں کے لئے در دوسر بن جاؤں گا۔!“

”ایسی کوئی بات نہیں.... تم نے ابھی ناشتہ نہ کیا ہو گا۔ ٹھہر دین بھجواتی ہوں۔!“

ناشتے کے بعد وہ پھر اس کے پاس آ بیٹھی تھی۔

کافی دیر تک سوچتی رہی کہ پچھلی رات والے واقعات کا ذکر کس طرح شروع کرے۔ دراصل ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ پچھلی رات ان کی لاعلمی میں وہ سب کچھ دیکھتی اور سنتی رہی تھی۔ پھر دفعتاً خود اسی نے اُس کی مشکل آسان کر دی۔ کراہ کر بولا۔

”میں جانتا ہوں آپ کیا سوچ رہی ہیں.... روشنی نے پچھلی رات خاصہ شور مچایا تھا۔!“

”ہاں ہاں....!“ وہ جلدی سے بولی۔ ”مجھے خود حیرت تھی۔ تمہاری بیوی صورت سے تیز

مزاج معلوم ہوتی ہے۔!“

”بس مجھ سے غلطی یہ ہوئی کہ اس کے سونے سے پہلے خود سو گیا تھا....!“

”اس سے کیا ہوتا ہے.... نیند پر تو کسی کا بس نہیں چلتا۔!“

”آپ سمجھی نہیں محترمہ....!“

”تو سمجھاؤ نا....!“ وہ خوش دلی سے مسکرائی۔

”اُسے خراٹوں سے نفرت ہے۔ میں سوتے میں خراٹے لیتا ہوں۔!“

”بس اتنی سی بات....!“

”وہ مجھے بہت چاہتی تھی۔ لیکن یہ شادی سے پہلے کی بات ہے۔ جب اس نے میرے خراٹے

نہیں سنے تھے۔!“

”بہترے لوگ خراٹے لیتے ہیں یہ تو کوئی ایسی بات نہیں۔!“

”اس کا دماغ بہت ہی اسپیشل قسم کا ہے جو ذرا ذرا سی بات پر اُلٹ جاتا ہے۔! جمالیات کا میڈیا

ہو گیا ہے اس کو....!“

رینا کچھ نہ بولی.... وہ بھی خاموش ہو کر چھت کو تکیے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ٹھنڈی سانس

مہمانوں کا خیال آتے ہی اس نے ایک لخت بستر چھوڑ دیا۔ دوڑ کر کچن میں پہنچی.... وہاں باورچی موجود تھا۔ ناشتہ بھی تیار تھا۔ لیکن باہر مہمانوں کی گاڑی نہ دکھائی دی۔

اُس نے سوچا ممکن ہے وہ صبح ہی صبح روانہ ہو گئے ہوں۔ اُس نے باورچی سے اُنکے متعلق پوچھا۔

”میم صاحب ناشتہ کر کے چلی گئیں۔!“ اس نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے۔!“

”لیکن میم صاحب.... ان کا صاحب نہیں گیا۔!“

”کیا مطلب....؟“

”میم صاحب نے بتایا تھا کہ صاحب بیمار ہو گئے ہیں اس لئے وہ یہیں رہیں گے۔!“

رینا کو پچھلی رات کا واقعہ یاد آ گیا۔ وہ تیزی سے اس کمرے کی طرف جھٹی، جہاں مہمان سوئے

ہوئے تھے۔!

کمرے کا دروازہ کھلا ہوا ملا.... سامنے ہی بستر پر مہمان غورت کا شوہر آنکھیں بند کئے ہوئے

پڑا کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ اُس کی آہٹ پر چونکا اور سر گھما کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔

”صبح بخیر جناب....!“ رینا نرم لہجے میں بولی۔

”صبح بخیر خاتون....!“

”مجھے افسوس ہے کہ میں دیر سے اٹھی.... لیکن....!“

”جی ہاں.... وہ چلی گئیں.... اور میں بسترے سے جنبش بھی نہیں کر سکتا۔!“

”کیوں....؟“

”مجھ پر اعصابی دورہ پڑا ہے۔ بائیں ٹانگ بیکار ہو گئی ہے۔!“

”یہ کیونکر ہوا....؟“

”اکثر ایسا ہوتا ہے۔!“

”میں تمہارے لئے کیا کر سکتی ہوں۔!“ وہ نہ فکر لہجے میں بولی۔ ”یہاں تو طبی مدد بھی ممکن نہیں۔!“

”آپ فکر نہ کیجئے.... خود بخود ٹھیک ہو جاتا ہوں۔!“

”مجھے حیرت ہے کہ آپ کی بیوی آپ کو اس حال میں چھوڑ گئیں۔!“

”وہ کر بھی کیا سکتی.... میری وجہ سے بہت پریشان رہتی ہے۔!“

لے کر بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ اب وہ مجھ سے کبھی نہ ملے گی۔! پہلے بھی کئی بار طلاق کی درخواستیں دے چکی ہے۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس قسم کے جھگڑوں کی صورت میں ہمیشہ مجھ پر نرہ ایک ہو جاتا ہے لیکن پھر بھی۔!“

اس کی آواز بھرا گئی اور وہ بات پوری کئے بغیر خاموش ہو گیا۔  
رینا بچ مچ اس کے لئے مغموم ہو گئی تھی۔

”تم فکر نہ کرو۔۔۔۔!“ وہ کچھ دیر بعد بولی۔ ”یہاں تمہاری دیکھ بھال اچھی طرح ہو گی۔!“  
”میں شرمندہ ہوں محترمہ۔۔۔۔!“ اُس کے لہجے میں رودینے کا سا انداز تھا۔!  
”نہیں بالکل فکر نہ کرو۔!“ رینا نے اس کا بازو تھپک کر کہا۔

ایسی معصومیت اُس نے آج تک کسی مرد کی آنکھوں میں نہیں دیکھی تھی۔ وہ یقیناً ایک سید سادہ اور کسی قدر بیوقوف آدمی تھا۔ خدو خال دلکش تھے اور رنگت اسکی اپنی ہی طرح سپید تھی۔  
”میں تمہارا نام بھول گئی۔!“ اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

”عبدالمنان۔۔۔۔!“

اس شام جب رینا کے چیف کی آواز ٹرانس میٹر پر سنائی دی تھی تو اُس نے اس کو ایک معاملہ سمجھ کر اس کا تذکرہ اُس سے نہیں کیا تھا۔!



ظفر الملک اور جیمسن۔۔۔۔ فیاض کے محکمے کی حوالات میں تھے۔ حوالات میں ضرور تھے لیکن اوپر سے حکم آیا تھا کہ اُن دونوں کے معاملے کو شہرت نہ دی جائے۔ پریس رپورٹروں کو ان نام تک معلوم نہ ہونے پائیں۔!

لوئیل دے سوندے ایک غیر ملکی معلمہ تھی۔ یہاں اسکالر شپ پر آئی تھی۔ اس لئے اس کے ملک کا سفارت خانہ بھی پوری توجہ سے اس معاملے میں دلچسپی لے رہا تھا۔

بہر حال ظفر الملک اور جیمسن حوالات میں ضرور تھے لیکن اس کے سلسلے میں اُن کے نہیں لئے گئے تھے وہ ابھی تک خود کشی ہی کے کیس کی حیثیت رکھتا تھا۔

ظفر الملک کے بارے میں فیاض کے لئے ایسی کوئی ہدایت نہیں تھی کہ اس سے کسی قسم پوچھ گچھ بھی نہ کی جائے۔ لہذا اس وقت فیاض اس کے سر پر سوار تھا۔ ظفر الملک نے اُسے

پتہ بتا دیا تھا۔ لیکن اس کہانی میں عمران کے وجود کو یکسر نظر انداز کر گیا تھا۔

”کر سٹوپاؤلس تم سے پینٹنگ کیوں کر انا چاہتا تھا۔!“ فیاض نے سوال کیا۔

”اس سے دوسری ملاقات کی نوبت ہی نہیں آئی کہ تفصیلی گفتگو ہو سکتی۔!“ ظفر الملک نے

اب دیا۔

”کیوں جناب۔۔۔۔؟“ جیمسن نے اپنی ڈاڑھی سہلاتے ہوئے فیاض کو مخاطب کیا اور جملہ پورا نے کی بجائے کچھ سوچنے لگا۔

”کیا مطلب۔۔۔۔؟“ فیاض غرا کر اس کی طرف مڑا۔

”کچھ نہیں۔۔۔۔!“ جیمسن نے خشک لہجے میں کہا۔ ”ضروری نہیں کہ آپ کو بھی کلاسیکی ادب سے لگاؤ ہو۔!“

”جو اس مت کرو۔۔۔۔!“ فیاض اُسے جھڑک کر ظفر سے بولا۔ ”کر سٹوپاؤلس کی قومیت کے بارے میں کیا اندازہ لگایا تھا۔!“

”نام سے تو یونانی معلوم ہوتا ہے۔!“

”یہودی بھی ہو سکتا ہے۔!“ جیمسن بولا۔

”جہالت کی باتیں نہ کرو۔۔۔۔ کیا یونان میں یہودی نہیں رہتے۔!“

”یہودی کہاں نہیں ہیں۔!“ جیمسن نے ٹھنڈی سانس لی۔ ”لیکن انہیں پہچان لینا آسان کام نہیں ہے۔!“

”غیر ضروری باتیں مت کرو۔۔۔۔!“ فیاض پیر پنچ کر دھاڑا۔

”بات میں بات نکلتی ہے جناب۔۔۔ میں گفتگو کا رخ کلاسیکی ادب کی طرف موڑ دینا چاہتا ہوں۔!“

”کہیں تمہاری گردن نہ موڑ دی جائے۔!“

”میری دانست میں گردن مروڑنا بولتے ہیں۔!“

”جیمسن زبان بند کرو۔۔۔۔!“ ظفر نے تیز لہجے میں کہا اور جیمسن لا پرواہی سے شانوں کو جنبش دے کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

”سوال یہ ہے کہ تم دونوں اس رات بھاگے کیوں تھے؟“ فیاض تھوڑی دیر بعد بولا۔

”اُس تہہ خانے میں کوئی باتھ روم نہیں تھا۔!“ جیمسن نے مڑ کر جھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔

س نے اپنی بی لونیڈ کو کس کرنا چاہا.... اُس نے ریفیوز کر دیا۔ شاعر بولا۔ اچھی بات ہے میں رجاؤں گا۔ دفن کر دیا جاؤں گا خاک میں مل جاؤں گا اور اسی خاک سے پیالہ بنایا جائے گا۔ پھر تم سی پیالے میں پانی پیو گی۔ اس طرح میں خاک میں مل کر تمہیں کس کر لوں گا۔“

”جیسن.... اگر یہ سچ ہے تو اردو شاعری بڑی خوف ناک چیز معلوم ہوتی ہے.... تم مجھے رڈ سور تھ کا کوئی سوئیٹ سناؤ۔“

”خاک ڈالے وڈ سور تھ پر.... میر تقی میر کا ایک شعر سنئے

اگر یوں ہی اے میر روتا رہے گا

تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہے گا“

”جیسن.... یہ تو بڑا دردناک شعر ہے۔“ ظفر بولا۔ ”اردو شاعری میرے لئے عجوبہ بن کر رہ گئی ہے۔ آخر شاعر اس طرح دہائیں مار مار کر کیوں رو رہا تھا کہ ہمسائے کی فینڈ خطرے میں پڑ گئی تھی۔“

”میرے لئے بھی عجیب ہے، یور ہائی نس.... میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اردو شاعری کا عاشق قیاموں سے بھی زیادہ بے بس ہوتا ہے۔ اس لئے رقیبوں کا وجود بھی برداشت کر لیتا ہے۔“

”سوال یہ ہے کہ ایسے کو چاہتا ہی کیوں ہے جس کے پہلے سے کئی چاہنے والے موجود ہوں۔“

”یہ روایت ہے اردو شاعری کی.... لہذا آپ اس پر اعتراض نہیں کر سکتے۔“

”اعتراض تو میں اس پر بھی نہیں کر سکتا کہ تم مجھے مسلسل بور کئے جا رہے ہو۔“

”میں چاہتا ہوں کہ آپ میں بھی ادبی ٹیٹ پیدا کر دوں۔“

”نو ٹائم فور نان سنس....!“

”اے نان سنس نہ کہنے یور ہائی نس.... یہ ہمارے کلچر کا ایک حصہ ہے۔“

”ایگر یکلچر کا حصہ ہو گا۔ تو غلط سمجھا ہے۔ کوئی کسان فصل تباہ ہو جانے پر دہائیں مار مار کر رویا ہو گا۔“

”نہیں باس....! محبوبہ کی جدائی پر شاعر رویا تھا....!“

”میر اداغ خراب نہ کر.... بہت دنوں کے بعد سکون نصیب ہوا ہے۔ میں سونا چاہتا ہوں۔“

”دن میں سوئیں گے آپ....؟“ جیسن نے حیرت سے سوال کیا۔

”ظفر الملک نے چبوترے پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔“

”ارے.... ارے....!“ جیسن کے لہجے میں احتجاج تھا۔

”تم پھر بولے۔!“ ظفر اُسے گھورتا ہوا بولا۔

”اچھی بات ہے یور ہائی نس تو پھر انہیں بتائیے کہ کیوں بھاگے تھے یا کلاسیکل اسٹائل میں؟

پر کیوں قرار کیا تھا۔!“

دفن فیاض کا موڈ بہت زیادہ خراب ہو گیا اور وہ اٹھتا ہوا غرایا۔ ”تمہاری کہانی پر کسی کو؟

یقین نہیں آ سکتا۔ لو سیل کی موت کے ذمے دار قرار دیئے جانے کے منتظر ہو۔“

اور پھر وہ وہاں سے چلا گیا۔

جیسن جھکیوں کے سے انداز میں مسکرا کر اُسے جاتے دیکھتا رہا تھا۔

”دل چاہتا ہے تمہارے ہونٹ سی دوں۔!“ ظفر بولا۔

”یہ معاملہ خطرناک صورت اختیار کرتا جا رہا ہے یور ہائی نس....!“

”اس سے بھی زیادہ خطرناک معاملات سے لوگ دوچار ہوتے ہوں گے۔“ ظفر نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

”اگر آپ کے انکل نامداد تک یہ بات پہنچ گئی۔!“

”خود کو بہت زیادہ چچا محسوس کرنے لگیں گے۔“ ظفر نے جماہی لے کر کہا۔ ”اور ہم نے معاش سے بھی چھٹکارا پایا.... الحمد للہ۔“

”کیا میں آپ کو ایک کلاسیکل شعر سنا سکتا ہوں۔“

”فی الحال مجھے کوئی اعتراض نہیں.... کیونکہ ابھی میں نے اونگھنا بھی شروع نہیں کیا ہے سنئے۔“

پس مُردن بنائے جائیں گے ساغر میری گل کے

لب جاں بخش کے بو سے ملیں گے خاک میں مل کے“

”میری سمجھ میں نہیں آیا۔!“

”سمجھ میں تو میری بھی نہیں آیا....!“ جیسن نے بے بسی سے کہا۔

”ہری اپ ورنہ بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔!“

”کیا....؟“

”تو پھر تو نے شعر کیوں سنایا.... مطلب بتانا پڑے گا۔!“

”اچھا ٹھہریے.... میں کوشش کرتا ہوں.... میرا خیال ہے کہ شاعر ٹی بی کامریفر

”کیوں دماغ خراب کر رہا ہے!“ ظفر آنکھیں کھول کر دباڑا۔

”ابھی ابھی ایک انسپریشن ہوا ہے!“ جیمسن ڈاڑھی کھجاتا ہوا بولا۔ ”ہم یہاں سے نکل کر پیکار نہ رہیں گے۔ ہو سکتا ہے لمبا بزنس ہو جائے!“

”ہوں....!“ ظفر اٹھ بیٹھا۔

”مرزا غالب....!“

”کیا مطلب....؟“

”مرزا جی کی صد سالہ یاد منائی جانے والی ہے۔!“

”تو ہمیں کیا....!“

”لوگ دھڑا دھڑا غالب قلم، غالب ڈائری، غالب حقہ، غالب اگلا دن ایجاد کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہ سب بکواس ہے۔ جس چیز کی بناء پر اسد اللہ خان صاحب غالب کہلائے تھے اُسے سب نے یکسر فراموش کر دیا ہے۔!“

”وہ کیا چیز تھی....؟“

”ازار بند....!“

”کیا بکواس ہے....!“

”یقین کیجئے یورہائی نس.... اگر انہیں پا جائے کی بجائے تہہ استعمال کرنے پر مجبور کر دیا جاتا تو ان کے اشعار ہم تک ہرگز نہ پہنچ سکتے۔!“

”کیوں....؟“

”رات کو پیتے تھے اور نشے کی حالت میں شعر کہتے تھے۔ جتنے شعر کہتے اتنی ہی گریں ازار بند میں ڈال دیتے اور دوسری صبح ایک ایک گرہ کھولتے جاتے اور شعر یاد کر کر کے لکھتے جاتے۔!“

”دیٹ از اپسر ڈ....!“

”یقین کیجئے یورہائی نس....!“

”جنہم میں جائے.... آخر اتنی بکواس کیوں کر رہے ہو....!“

”میں یہاں سے نکلنے کے بعد غالب ازار بند کا بزنس شروع کر دوں گا۔ آمدنی کے تین حصے ہوں گے۔ ایک حصہ نادار شریعوں کے لئے، دوسرا حصہ غالب کے نام پر ایصال ثواب کے لئے

رئیسرا حصہ بطور حق المحنت ہم دونوں کے کام آئے گا۔!“

”یہ شریعوں کا حصہ کیوں نکالو گے۔!“

”کیوں مرزا صاحب شراب پی کر شعر کہتے تھے۔!“

”تو آخر موجودہ حالات پر گفتگو کیوں نہیں کرتا۔!“

”کیا ضرورت ہے.... یہ حالات ہم نے تو نہیں پیدا کئے۔!“ جیمسن نے کہا اور ہونٹوں پر نگلی رکھ کر اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے واش بیسن کی طرف دیکھا۔

ظفر الملک استفہامیہ انداز میں اس کو تنکے جا رہا تھا۔

جیمسن نے قریب آکر سرگوشی کی۔ ”یہ لوگ بہت چالاک معلوم ہوتے ہیں۔ اس واش بیسن

میں ڈکٹافون پوشیدہ ہے۔ ہماری گفتگو کہیں اور سنی جا رہی ہوگی۔!“

ظفر نے براسامہ بنا کر واش بیسن کی طرف دیکھا۔



رینا کو اپنا بیچ مہمان کی فکر کھائے جا رہی تھی۔ پتہ نہیں وہ اس کے ذہن کے کس گوشے کو کرید بیٹھا تھا۔ ایک عجیب سی ہمدردی اور ایک عجیب سا لگاؤ اس سے محسوس کرنے لگی تھی۔!

اس وقت ناشتے کے بعد وہ اسے نوکروں کی مدد سے بیرونی برآمدے میں لائی اور دونوں سردیوں کی دھوپ سے لطف اندوز ہونے لگے۔

دفعتاً ایک پولیس کا نشیبل برآمدے کے سامنے آکا۔

اس نے رینا کو بڑے ادب سے سلام کیا تھا اور پھر اُس کے مہمان کو دیکھنے لگا تھا۔

”کیا باٹ....!“ رینا نے ٹوٹی پھوٹی اردو شروع کی۔

”یہاں.... کوئی عبد المنان ہے.... میم صاحب....!“ اس نے پوچھا۔

”ہاں.... میں ہوں....!“ مہمان اٹھنے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔

”اوہ.... تم آرام سے بیٹھے رہو....!“ وہ جلدی سے اٹھتی ہوئی بولی اور اس کے شانے پکڑ کر

اسے پھر آرام کرسی کی پشت گاہ سے نکال دیا۔

”عبد المنان صاحب کا سمن ہے، میم صاحب....!“

عبد المنان کے چہرے پر ہوا یاں اڑنے لگیں۔



”اؤھر لاؤ....!“ رینا نے ہاتھ بڑھا کر کاشیبل سے سمن لے لیا۔

”اؤہ....!“ وہ اس پر نظر ڈالتے ہی چونک پڑی۔

”کیا بات ہے....؟“ عبد المنان نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

”تمہاری بیوی نے شادی کی تیئیس کے لئے عدالتی چارہ جوئی کی ہے۔ تمہیں اٹھائیس جنوری کو

عدالت میں حاضر ہونا ہے۔!“

”نہیں....!“ عبد المنان نے سسکی لی اور دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا۔

”اؤہ.... کیا ہوا تمہیں... چلو دستخط کرو اس پر.... میں سب دیکھ لوں گی۔!“ رینا نے کہا اور اس کے

چہرے سے ہاتھ ہٹاتی ہوئی بولی۔ ”ایسے حالات میں تمہیں بھی اس کی پروا نہ ہونی چاہئے۔!“

عبد المنان نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے سمن کی وصولیابی کی.... اور دستخط کئے۔

سپاہی کے چلے جانے کے بعد رینا نے کہا۔ ”واقعی بڑی سنگ دل عورت ہے۔!“

وہ کچھ نہ بولا.... آنکھیں بند کئے آرام کرسی پر پڑا ہوا تھا!

”تم قطعی فکر نہ کرو.... میں ہر طرح تمہاری مدد کروں گی۔!“

”میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا....!“ وہ گھٹی گھٹی سی آواز میں بولا۔

”مرد بنو.... تم کیسے آدمی ہو....!“

”دل کے ہاتھوں....!“

”سب بکو اس ہے.... عزت نفس سے زیادہ اور کوئی چیز اہم نہیں۔!“

”میں نے سب کچھ اس پر قربان کر دیا تھا۔!“

”تم نے آخر اپنی ہی قوم کی کسی لڑکی سے شادی کیوں نہیں کی تھی۔ یہ دو غلی سلیس خراب

ہوتی ہیں۔!“

”ہر نسل اور ہر قوم کی عورت.... صرف عورت ہوتی ہے۔ لیکن مجھے یہ نہ کہنا چاہئے۔ تم تو

بہت مہربان خاتون ہو۔ مجھے آج تک کوئی ایسی رحم دل لڑکی نہیں ملی جیسی تم ہو۔ میں نے اپنی قوم

کی کسی لڑکی سے اس لئے شادی نہیں کی تھی کہ اُسے صرف غصہ نہیں آتا بلکہ وہ بیک وقت غم و

غصہ میں مبتلا ہوتی ہے۔ لڑتی بھی جاتی ہے اور روتی بھی جاتی ہے اور جب کسی بات کا جواب نہیں

سوچتا تو دونوں ہاتھوں سے سر بھی پیٹنے لگتی ہے۔!“

”خوب!“ رینا ہنس پڑی۔ ”لیکن تمہاری اینگلو بر میز بیوی تو تمہارا سر پیٹنے پر آمادہ نظر آتی تھی۔!“

”تم کیا جانو....؟“ عبد المنان چونک کر بولا۔

”اس رات میں نے قفل کے سوراخ سے جھانک کر سب کچھ دیکھا تھا۔!“ عبد المنان کا چہرہ

شرم سے سرخ ہو گیا۔

”میں تمہارا مذاق نہیں اڑانا چاہتی....!“ رینا نے سنجیدگی سے کہا۔

”کوئی بات نہیں....!“ عبد المنان رو ہانسا ہو گیا تھا۔

رینا کچھ نہ بولی۔ وہ اس کی آنکھوں میں گہرے غم کی جھلکیاں دیکھ رہی تھی۔

”کوئی بات نہیں....!“ عبد المنان رو ہانسا ہو گیا تھا۔

رینا کچھ نہ بولی۔ وہ اس کی آنکھوں میں گہرے غم کی جھلکیاں دیکھ رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد عبد المنان ہی بولا۔ ”وہ خود میری طرف آئی تھی۔ مہینوں میرا تعاقب کیا تھا۔

مجھ سے کہتی تھی تم میرے خوابوں کے شہزادے ہو میں جس قسم کے مرد کے خواب دیکھتی رہی

ہوں وہ صرف تم ہی ہو سکتے ہو مجھے اپنی منزل مل گئی اور پھر شادی کے بعد تم تو خزانے لیتے ہو۔

چلتے ہو تو کوہلے بہت بیہودہ انداز میں ہلتے ہیں۔ خزانوں پر میرا بس اسی طرح چل سکا کہ اس کے

سو جانے سے پہلے کبھی نہ سویا۔ لیکن رفتار کا بے ڈھنگا پن میرے بس سے باہر تھا۔ پھر بھی میں نے

کوشش کی اور یہ روگ لگا بیٹھا۔!“

وہ خاموش ہو کہ اپنی سن ہو جانے والی ٹانگ کی طرف دیکھنے لگا۔

”میں نہیں سمجھی....!“ رینا اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

”میں نے ایک کمرے میں چاروں طرف بڑے بڑے آئینے لگوائے تھے اور اس طرح چلنے کی

مشق کرتا تھا کہ میرے کوہلوں کے ہلنے کا انداز بدل جائے۔ گھنٹوں گزر جاتے اور میں تھکتا رہتا۔

آخر ایک دن اچانک گر کر بہوش ہو گیا۔ پھر ہوش میں آیا تو یہ ٹانگ بالکل بے جان ہو چکی تھی۔!“

”اؤہ تو یہ اس طرح ہوا تھا.... واقعی تم بہت معصوم ہو۔!“

”روشنی میری زندگی میں پہلی عورت تھی۔!“

”نام مت لو اُس بے ہودہ عورت کا....!“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کیا ہوگا۔!“

”تم عدالت میں جاؤ گے.... اور اسے طلاق دے دو گے۔!“

”نہیں....!“ اس نے پھر دونوں ہاتھوں سے منہ چھپالیا۔

رینا کو نہ جانے کیوں اس کے رویے پر غصہ آگیا اور اس نے کہا۔ ”اچھی بات تو جاؤ جہنم میں۔!“

اور پھر وہ برآمدے سے اٹھ کر اندر آگئی تھی۔

اُسے کچھ دیر بعد شہر جانا تھا.... پچھلی شام ٹرانس میز پر اس کے چیف اے دن نے اُسے ایک

آدمی کے پاس پہنچنے کی ہدایت کی تھی۔ وہ آدمی اُسے اپنے بھائیوں کی تلاش میں مدد دینے والا تھا۔

شہر کی طرف روانہ ہونے سے پہلے وہ ایک بار پھر عبدالمنان کے پاس آئی اور اس سے اس کی

بیوی کا پتہ پوچھا۔

”کیا تم اس سے ملو گی....؟“

”ہاں....!“

”دیکھو شاید مان جائے۔!“ وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”میں تم سے اس کا پتہ مانگ رہی ہوں۔ فضول باتوں میں وقت نہ ضائع کرو۔!“

اس نے کانڈ کے ایک ٹکڑے پر پتہ لکھ کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”اس سے کہہ دینا کہ

مجھے اسکا ہر ستم گوارہ ہے لیکن اس طرح میری تذلیل نہ کرے۔ عدالت سے درخواست واپس لے لے۔!“

رینا کی جھنجھلاہٹ بڑھ گئی تھی لیکن وہ خاموش ہی رہی اور پتہ اس سے لے کر گاڑی میں آ بیٹھی۔

خود ہی ڈرائیو کرتی تھی اور کبھی کبھی شہر بھی جایا کرتی تھی۔ لیکن آج کے سفر میں فرق تھا۔

چیف کی طرف سے بہت زیادہ محتاط رہنے کی ہدایت ملی تھی۔ خصوصیت سے اُسے اس بات پر

دھیان رکھنا تھا کہ کہیں اُس کا تعاقب تو نہیں کیا جاتا۔!

اُسے شہر میں کسی مسٹر کرستو پاؤلس سے ملنا تھا۔ آج پہلی بار وہ اپنے چیف کے لئے کوئی کام

کرنے باہر نکلی تھی۔ ورنہ اس کے فرائض اس سے آگے کبھی نہیں بڑھے تھے کہ چیف سے کوئی

پیغام سن کر اپنے بھائیوں تک پہنچا دے۔

شہر پہنچ کر کرستو پاؤلس کو تلاش کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ کیونکہ وہ ایک

مشہور شاہراہ پر واقع عمارت میں رہتا تھا۔

وہ کچھ عجیب سا آدمی ثابت ہوا.... تھا تو کسی مغربی ملک کا باشندہ لیکن اتنے عظیم الشان

ڈرائنگ روم میں اس کی شخصیت تحمل میں ناٹ کا پیونگ لگ رہی تھی۔ جسم پر خانہ بدوشوں جیسا

اوٹ پٹانگ لباس تھا اور آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک۔

”مس ڈکسن....! مجھے تمہارے بھائیوں کی تلاش میں مدد دینی ہے۔!“ اس نے اس سے

مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

اس کا ہاتھ رینا کو ایسا لگا تھا جیسے اس میں برقی رو نکل کر اس کے سارے جسم کو جھنجھوڑ گئی ہو۔

”جی ہاں.... مسٹر پاؤلس.... پلیز.... میں ان کے لئے بیحد پریشان ہوں۔!“ وہ ہلکائی۔

”تم یہاں کب سے ہو مس ڈکسن....؟“

رینا نے اسے مدت قیام بتائی اور اس نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ تم نے اس عرصے میں کچھ

مقامی دوست بھی بنائے ہوں گے۔!“

”ایسا تو نہیں ہوا....!“

”ہونا چاہئے تھا.... خیر....!“ اس نے کہا اور شاید کسی سوچ میں گم ہو گیا۔

”لیکن ٹھہریے!“ رینا تھوڑی دیر بعد بولی۔ ”اس بے چارے کو بھی دوست ہی سمجھنا چاہئے۔!“

”کس بیچارے کا ذکر کر رہی ہو۔!“ کرستو پاؤلس چونک کر بولا۔

رینا نے مناسب سمجھا کہ اُسے عبدالمنان کی کہانی سنا دے۔!

کرستو پاؤلس بڑے سکون سے سنتا رہا۔ آنکھوں پر سیاہ شیشوں کی عینک ہونے کی بناء پر جذباتی

تغیر کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔

رینا کے خاموش ہونے پر بولا۔ ”لاؤ دیکھوں اس کی بیوی کا پتہ....!“

رینا نے اپنی نوٹ بک پر اس سے نکال اُس کی طرف بڑھا دی۔

”نیلیم ہیلس....!“ کرستو پاؤلس نوٹ بک کے صفحے پر نظر پڑتے ہی چونک پڑا۔ چند لمحوں

خاموش رہا پھر بولا۔ ”یہ تو شہر کی مشہور عمارتوں میں سے ہے۔ ٹھہرو.... میں دیکھتا ہوں۔!“

وہ اٹھ کر ایک الماری کے قریب پہنچا۔ الماری کی بناوٹ سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کے خانے

حروف تہجی کے اعتبار سے استعمال کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ خانوں پر اسے سے زید تک سارے حروف

بالتربیب لکھے ہوئے تھے۔ اُس نے ”این“ کے خانے کی دراز کھولی.... اس میں انڈکس کارڈ رکھے

نظر آئے۔ وہ ان کارڈوں کو التالتا پلٹتا رہا۔ پھر ایک کارڈ نکال کر اُس پر نظر جمائے ہوئے بڑبڑایا۔

”یہاں کے حکام کو بھی تمہارے بھائیوں سے متعلق تشویش ہے۔ پولیس کی اسپیشل برانچ کے آفیسر ان کی تلاش میں ہیں۔!“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔!“

”لہذا جب اپنی سمجھ میں کچھ نہ آئے تو دوسروں کے مشورے قبول کرنے میں ہچکچاہٹ نہ ہونی چاہئے۔!“

”میں آپ کے پاس کیوں بھیجی گئی ہوں۔!“

”فی الحال محض جان پہچان پیدا کرنے کے لئے۔!“

پھر کرسٹوپاؤلس نے خود ہی آدھے گھنٹے بعد اُسے رخصت کر دیا تھا اور اب اس کی گاڑی نیلم پلس کی طرف جا رہی تھی۔!

اس کے ذہن میں خوف کی وہ لرزشیں اب بھی موجود تھیں جن کا تعلق کرسٹوپاؤلس کی شخصیت سے تھا ریٹا اس سے خاصی مرعوب ہوئی تھی وہ کوشش کرنے لگی کہ اپنے ذہن سے ان تاثرات کو جھٹک دے۔ اس خوف زدگی سے قطع نظر کر کے بھی ایک عجیب سا احساس اس کے شعور پر مسلط ہو تا جا رہا تھا۔ جب تک وہ اپنے اس قومی کام کے لئے گھر سے باہر نہیں نکلی تھی اس سے متعلق بڑے خوش گوار تصورات رکھتی تھی۔ لیکن آج کرسٹوپاؤلس سے گفتگو کرنے کے بعد سے اس قومی جوش میں کسی قدر اضمحلال پیدا ہو گیا تھا۔ وہ اپنی ذہنی کیفیت کو کوئی واضح نام نہ دے سکی۔

نیلم پلس کے پھانک پر پہرہ دینے والے مسلح سنتری نے الرٹ ہو کر اُسے گاڑی روکے گا اشارہ کیا۔

گاڑی رکنے پر وہ قریب آیا اور نہایت شستہ انگریزی میں اُس سے اس طرف آنے کا سبب دریافت کرنے لگا۔

”میں پرنس کی بیوی سے ملنا چاہتی ہوں۔!“ ریٹا نے کہا۔

”کیا انہیں علم ہے کہ آپ تشریف لائیں گی۔!“

”نہیں۔!“

”تو پھر مجھے افسوس ہے کہ آپ نہ مل سکیں گی۔!“

”یہ بے حد ضروری ہے۔۔۔۔۔ مجھے پرنس نے بھیجا ہے۔!“

”نیلم پلس۔۔۔۔۔ پرنس عبدالمنان کی ملکیت۔۔۔۔۔ پرنس عبدالمنان سابق والئی ریاست۔۔۔۔۔ اُوہ۔۔۔۔۔ تو یہ عبدالمنان۔۔۔۔۔!“

وہ ریٹا کی طرف مڑا۔۔۔۔۔ وہ اُس کی بڑبڑاہٹ واضح طور پر سن چکی تھی۔

”تو تم اس کی بیوی سے ملنے کا ارادہ رکھتی ہو!“ اُس نے ریٹا سے پوچھا۔

”خیال تو یہی تھا۔۔۔۔۔ اب جیسا آپ کہیں۔!“

”تم اُس سے ضرور ملو۔۔۔۔۔ اور کوشش کرو کہ اُن دونوں میں علیحدگی ہو جائے۔!“

”بڑی عجیب بات ہے۔!“

”کیوں۔۔۔۔۔؟“

”آپ کو اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔!“

”چیف کی اسکیم کے مطابق ہو سکتی ہے۔! ہمیں کچھ مقامی ذی حیثیت لوگوں سے میل جول پیدا کرنا تھا۔ چلو ابتداً تم ہی سے ہو جائے۔!“

”لل۔۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔۔ میرے بھائی۔!“

”مس ڈکسن۔۔۔۔۔!“ کرسٹوپاؤلس بے حد نرم لہجے میں بولا۔ ”مجھے حکم ملا ہے کہ تمہارے

بھائیوں کو تلاش کروں۔۔۔۔۔ یہ میرا کام ہے اور تم یقین کرو کہ وہ زندہ ہیں۔!“

”یہ کون لوگ ہو سکتے ہیں جنہوں نے اُن پر ہاتھ ڈالا۔۔۔۔۔!“

”کسی دوسرے ملک کے ایجنٹ دونوں کا مفاد ایک ہی ہو سکتا ہے۔!“

”کیا یہ ممکن نہیں کہ یہیں کی پولیس۔۔۔۔۔!“

”نہیں۔۔۔۔۔! مس ڈکسن۔۔۔۔۔!“ کرسٹوپاؤلس ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”یہاں کی پولیس بھی اگر

ہماری طرف متوجہ ہوئی ہے تو اس میں انہیں لوگوں کا ہاتھ ہے۔! وہ چاہتے ہیں کہ ہم پر دو

اطراف سے حملہ ہو۔۔۔۔۔ اور ہم روشنی میں آجائیں۔ تمہارے بھائیوں کو بھی وہی لوگ لے گئے

ہیں۔ ان سے پوچھ گچھ کر کے چیف تک پہنچانا چاہتے ہیں۔

”لیکن چیف کو تو کوئی بھی نہیں جانتا۔ وہ دونوں تشدد کا شکار ہوتے رہیں گے۔!“

”یہ نہ بھولو کہ ہم اپنے ملک کی ایک خدمت انجام دے رہے ہیں۔!“

ریٹا نے طویل سانس لی اور دوسری طرف دیکھنے لگی۔ کرسٹوپاؤلس تھوڑی دیر بعد بولا۔

”آپ کہیں سے بھی تشریف لائی ہوں محترمہ... مادام اپائنٹمنٹ کے بغیر کسی سے بھی نہیں ملتیں۔“

”میں فوری طور پر اپائنٹمنٹ چاہتی ہوں۔ اس کے لئے مجھے کیا کرنا پڑے گا۔!“

سنتری کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔ ”اچھا ٹھہریئے.... میں فون پر سیکریٹری سے گفتگو کرتا ہوں۔ کیا نام بتاؤں آپ کا محترمہ۔!“

”رینا ڈکسن....! تم انہیں بتاؤ کہ میں پرنس کا ایک پیغام لائی ہوں۔!“

سنتری چھانک سے ملحقہ کیمین میں داخل ہوا۔

دفستار رینا نے سوچا کہ اپائنٹمنٹ نہ ملے تو بہتر ہے۔ وہ ان لوگوں کے اُس ترک و احتشام کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

اب اُسے پرنس عبدالمنان پر سچ بچ غصہ آنے لگا تھا۔ اس پائے کا آدمی اور اتنی گھٹیا قسم کی ازدواجی زندگی بسر کر رہا ہے۔ اپنے ملک کے اتنے دولت مند آدمی تک تازندگی اس کی رسائی نہ ہو سکتی اور یہ عبدالمنان کتنی بے بسی سے اس کے رحم و کرم پر خود اُس کی چھت کے نیچے ایزیاں رگڑ رہا تھا۔ بے چارہ عبدالمنان غصے کے باوجود اُسے اس پر ترس آیا۔

اتنے میں سنتری بھی آگیا.... اور پر تاسف لہجے میں بولا۔ ”مجھے افسوس ہے محترمہ.... مادام اپنی خواب گاہ میں ہیں.... ان کے آرام میں خلل نہیں ڈالا جاسکتا۔“

”خیر.... پھر سہی....!“ رینا نے مضطربانہ انداز میں کہا اور انجن اشارت کر دیا۔

کچھ دیر بعد وہ اپنے ٹھکانے کی طرف واپس جاتے وقت سوچ رہی تھی کہ عبدالمنان کا چھکارا اُس عورت سے ہونا ہی چاہئے۔ کرسٹوپاؤلس چیف ہی کا نمائندہ تو تھا۔ اس کی بھی یہی خواہش ہے کہ اُن دونوں میں علیحدگی ہو جائے۔!

پتہ نہیں یہ عبدالمنان کس قسم کا آدمی ہے۔ اگر سچ بچ وہ اپنی بیوی کو اتنا ہی چاہتا ہے تو پھر قدیم عشقیہ داستانوں پر یقین نہ کر لینے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔!

کرسٹوپاؤلس نے اُسے تین مختلف فون نمبر دیئے تھے کہ وہ جب چاہے اُسے ان نمبروں پر تلاش کر سکتی ہے۔ رینا نے سوچا کیوں نہ شہر ہی کے کسی ٹیلی فون بوتھ سے اس کو بھی مطلع کر دے کہ پرنس کی بیوی سے اُس کی ملاقات نہیں ہو سکی۔

ایک جگہ گاڑی روک کر وہ اتری.... سامنے ہی ایک ڈرگ اسٹور تھا۔ اُس کے فون پر کرسٹو

پاؤلس کے دیئے گئے نمبر ڈائل کرنے شروع کئے۔ وہ دوسرے نمبر پر مل گیا۔

رینا نے اُسے بتایا کہ وہ مادام روشی سے نہیں مل سکی۔

”تم اُسے سنبھالے رکھو جو تمہارے قبضے میں ہے۔!“ دوسری طرف سے آہلے آہی۔ ”بقیہ معاملات میں خود دیکھو گے۔ اس کی دلجوئی کرو۔!“

”اچھا....!“ رینا نے طویل سانس لی اور ریسور رکھ دیا۔

گھر پہنچی تو ملازم نے بتایا کہ دیر سے ایک آدمی مہمان کے کمرے میں ہے اور کبھی کبھی دونوں جوش میں آکر اونچی آوازوں میں گفتگو کرنے لگتے ہیں۔

کمرے کا دروازہ اندر سے بولٹ کر دیا گیا تھا۔

ان دونوں کی آوازیں باہر بھی سنائی دے رہی تھیں۔ لیکن موضوع گفتگو رینا کی سمجھ میں نہ آسکا۔

اس نے دروازے پر دستک دی اور اندر فوری طور پر خاموشی چھا گئی پھر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ دروازہ کھلا۔

”میں معافی چاہتا ہوں محترمہ....!“ دروازہ کھولنے والے نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔ ”آپ غالباً پرنس کے میزبان ہیں۔!“

پھر وہ ایک طرف ہٹ گیا اور رینا اندر داخل ہوئی۔

سامنے آرام کرسی پر پرنس نظر آیا۔ اُس کے چہرے پر شدید غصے کے آثار تھے۔

”مادام روشی سے ملاقات نہیں ہو سکی۔!“ رینا نے پرنس سے کہا۔

اتنے میں دوسرا آدمی آگے بڑھ کر بولا۔ ”میں مادام روشی کا وکیل ہوں وہ اس سلسلے میں کسی سے بھی کوئی بات نہیں کرنا چاہتیں۔!“

”تو تم یہاں کیا کر رہے ہو....!“ رینا کے لہجے میں جھلجھلاہٹ تھی۔

”میں پرنس سے گفتگو کر رہا تھا۔!“

”کسی قسم کی گفتگو نہیں ہو سکتی۔!“

”میں نہیں سمجھا محترمہ....!“ وکیل کے لہجے میں حیرت تھی۔

”پرنس کے وکیل کی عدم موجودگی میں کسی قسم کی گفتگو نہیں ہو سکتی۔!“

”لیکن پرنس کو اس پر کوئی اعتراض نہیں محترمہ....!“

”مجھ کو اعتراض ہے.... یہ میرے مہمان ہیں.... تم فوراً یہاں سے چلے جاؤ....“ پرنس نے سمن لے لیا ہے۔ اب عدالت ہی میں سارے معاملات طے ہوں گے۔“

”لیکن پرنس.... کہہ رہے تھے!“

”پرنس کچھ بھی نہیں کہہ رہے تھے.... پرنس بیمار ہیں۔ اس قسم کی باتیں ان کے اعصاب پر برا اثر ڈال سکتی ہیں۔“

وکیل نے پرنس کی طرف دیکھا۔

”میں کچھ نہیں جانتا۔“ پرنس بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”لیکن ابھی تو آپ....!“

”بس....!“ رینا ہاتھ اٹھا کر چیخی۔ ”باہر چلو.... اس کمرے میں کوئی بات نہیں ہو سکتی۔“

”آپ میری توین کر رہی ہیں محترمہ....!“

”تم جاتے ہو یا نوکروں کو آواز دوں۔“ رینا بالکل ہی آپے سے باہر ہو گئی۔

”میں جا رہا ہوں.... میں جا رہا ہوں....!“ وہ دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”لیکن شاید آپ کو بھی عدالت میں حاضر ہونا پڑے۔“

رینا سختی سے ہونٹ بھینچے اُسے گھورتی رہی۔ وہ باہر چلا گیا۔ اسکے بعد وہ بھی کمرے سے نکلی تھی۔

اُس کو شدت سے غصہ آیا۔ بُری طرح ہانپ رہی تھی۔ وکیل وہاں سے رخصت ہو چکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ پھر پرنس کے کمرے میں آئی۔

پرنس کی آنکھیں بند تھیں وہ آرام کرسی پر پڑا ہوا تھا۔

”مجھے افسوس ہے۔!“ رینا بولی۔ ”میری عدم موجودگی میں تمہیں پریشانی ہوئی۔“

پرنس نے چونک کر آنکھیں کھول دی تھیں اور اُسے رحم طلب نظروں سے دیکھے جا رہا تھا۔

گہرے غم کی پرچھائیں اس کے چہرے پر لرز رہی تھیں۔

”تم بالکل فکر نہ کرو.... آخری سانسوں تک میں تمہارے لئے لڑوں گی۔“

رینا آگے بڑھتی ہوئی بولی اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ دو مونے مونے قطرے پرنس کی آنکھوں سے ڈھلک گئے۔

یک بیک رینا کو پھر غصہ آگیا اور وہ پیر شیخ کر بولی۔ ”چہ نہیں تم کیسے آدمی ہو۔!“

”مجھے آج تک کوئی بھی نہیں سمجھ پایا۔“ پرنس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور کرسی سے اٹھ گیا۔

”ارے....!“ رینا متحیرانہ انداز میں پیچھے ہٹی۔

”یہی تو میری بد نصیبی ہے۔!“ وہ اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”چلو بیرونی برآمدے میں جیں.... میں بہت کچھ کہنا چاہتا ہوں۔!“

”چچ.... چلو....!“ وہ اُسے گھورتی ہوئی ہٹکائی۔

اس کا اس طرح اچانک اپنے پیروں پر چل پڑنا معجزہ ہی ہو سکتا تھا۔ کیونکہ آج صبح دو نوکروں پر آمدے وہ بیرونی برآمدے میں لایا گیا تھا۔ نوکر بھی اُسے بڑی حیرت سے دیکھتے رہے۔

برآمدے میں پہنچ کر وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ رینا خاموش کھڑی رہی۔

”تم بھی بیٹھ جاؤ....!“ پرنس ہاتھ ہلا کر بولا۔ ”میں تمہیں بتاؤں کہ یہ سب کیوں ہو۔!“

رینا بیٹھ گئی۔

”اس ناہنجار کی ایک بات پر مجھے اس شدت سے غصہ آیا کہ میں اس پر جھپٹ پڑا۔ یقیناً.... اس وقت مجھے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے میں کبھی کسی تکلیف میں مبتلا نہ رہا ہوں اور پھر اُسے

دفع مل گیا.... بلیک میلر.... کتنا....!“

”کس بات کا موقع مل گیا....؟“

”وہ کہنے لگا کہ میں اچانک اپنا چہرہ جانے کی ایکنگ کر تا ہوں۔ اب تو مادام روشی کا کیس اور لی مضبوط ہو گیا۔“

”لیکن وہ آیا کیوں تھا....؟“

”یہ میری بد نصیبی کی ایک لمبی داستان ہے۔!“

”اب اگر تم نے اپنے لئے لفظ بد نصیبی استعمال کیا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہو گا۔“

وہ کچھ نہ بولا۔

رینا نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”میں تمہارا محل دیکھ آئی ہوں۔ اتنے دولت مند ہونے کے باوجود تم بے باہمت نہیں ہو۔ مجھے افسوس ہے۔!“

”وہ.... وہ عورت میری کمزوری ہے۔!“

”گو اس ہے.... تم نے فرض کر لیا ہے.... وہم میں مبتلا ہو صرف وہی عورت تم جیسے مرد

کی کمزور ہو سکتی ہے۔ جو تمہیں شدت سے چاہتی ہو۔“

”پتہ نہیں....! میری سمجھ میں نہیں آتا۔!“

”وہ کیوں آیا تھا....؟“

”روشی کا پیغام لایا تھا.... کہہ رہا تھا کہ وہ عدالت سے اپنی درخواست واپس لے سکتی ہے بشرطیکہ میں اپنا ایک کارخانہ اس کے بھائی کے نام منتقل کر دوں۔!“

”ہوں....!“ رینا اُسے گھورتی ہوئی غرائی۔ ”اب تک اس قسم کے کتنے سودے ہو چکے ہیں۔!“

”نہیں نہیں.... اسے سودے بازی نہ سمجھو....!“ وہ دردناک لہجے میں بولا۔

”تم میرے سوالات کا صرف جواب دو پر نس....!“

”میں تو یہ سمجھتا تھا کہ میرے پاس جو کچھ ہے اسی کا ہے۔ بہر حال میں اُسے بہت کچھ دے چکا ہوں۔“

”تو پھر تم اس بات پر تیار ہو گئے تھے۔!“

”میری دشواریوں کو سمجھنے کی کوشش کرو اچھی لڑکی....!“

رینا کسی سوچ میں پڑ گئی۔ پھر اُسے بغور دیکھتی ہوئی بولی۔ ”تمہیں اتنا غصہ کس بات پر آیا تھا

کہ تم بے ساختہ اس پر جھپٹ پڑے تھے۔!“

”وہ دوسری بات تھی۔!“ پر نس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور نظریں نیچی کر لیں۔

”تم مجھے سب کچھ بتاؤ۔!“

”اُس نے مجھے دھمکی دی تھی۔!“

”کس قسم کی دھمکی....؟“

”اس نے کہا تھا کہ اس نے روشی کے لئے بہت سی خدمات انجام دی ہیں اور وہ صحیح معنوں

میں اُس کا معیار ہے۔ ہو سکتا ہے تجھ سے گلو خلاصی کے بعد وہ اسی سے شادی کرے۔!“

”آہا....!“ رینا ہر پلے لہجے میں بولی۔ ”تو یہ جوش رقابت تھا جس نے تمہیں اپنے پیروں

کھڑا کر دیا۔!“

”جو بھی سمجھو....!“ وہ مردہ سی آواز میں بولا۔

”ادھر! میری طرف دیکھو تم وہی کرو گے جو میں کہوں گی۔ اس کیس کو عدالت میں جانے

دو۔ ہاں کیا تم نیلم پبلش بھی اُس کے نام منتقل کر چکے ہو۔!“

”نہیں ایسا تو نہیں ہوا....!“

”اندازاً.... وہ اب تک تم سے کتنا وصول کر چکی ہو گی۔!“

”دس لاکھ کیش اور دو کارخانے۔!“

”خدا کی پناہ.... اس کا یہ مطلب ہوا کہ تم قریب قریب کنگال ہو چکے ہو۔!“

”کنگال....!“ وہ احمقانہ انداز میں ہنس کر بولا۔ ”نہیں تو.... بھلا اتنے میں کوئی کنگال کیونکر

نے لگا۔!“

”میا تمہارا ایسا کوئی دوست نہیں تھا جو تمہیں اُس کے چنگل میں نہ پھنسنے دیتا۔!“

”پتہ نہیں تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔ بھلا اس میں پھنسنے پھنسانے کی کیا بات ہے۔ میں نے اُسے

اپنا اس سے شادی کی۔ پھر اس کے مطالبات پورے کرنا رہا۔ کون ہے اس دنیا میں جسے دولت کی

ایش نہ ہو۔ کون نہیں چاہتا کہ اس کے اعزہ بہتر طور پر زندگی بسر نہ کریں۔ وہ چاہتی ہے کہ اس

ذات سے اُس کے اعزہ کو فائدہ پہنچے۔ کتنی عمدہ اسپرٹ ہے اُس کے دل میں انسانیت کا درد ہے۔

بل کارخانہ اس نے اپنے ایک لنگڑے خالو کو دلوادیا اور ایک کارخانہ اپنے بوڑھے باپ کو۔!“

رینا اُسے اسی طرح دیکھے جا رہی تھی جیسے وہ کوئی عجوبہ ہو کم از کم اس دنیا کی مخلوق تو ہرگز نہ ہو۔

”تم بے بات کرنا ہی فضول ہے۔!“ وہ طویل سانس لے کر بولی۔ ”لیکن یقین کرو کہ ایک دن

تمہیں بالکل کنگال کر دے گی۔!“

”ارے ایسا نہیں.... ایسا بھی کیا....!“

”اچھا تو سنو.... تم سچ بچ بالکل احمق ہو.... اسی قابل ہو کہ لوگ تمہاری کھال اتار دیں۔

ہر طرف دیکھو.... عورت کو صرف عورت ہی پہچان سکتی ہے۔ مرد نہیں.... تم اُسے

نہایت کی آنکھ سے دیکھتے ہو۔ عقل کی کسوٹی پر نہیں پرکھ سکتے۔!“

”ہاں یہ بات تو ہے....!“ وہ بھولے پن سے بولا۔ ”میں سوچتا ہوں مجھے عقل استعمال کرنے

کی ضرورت ہے۔ وہ خود ہی بہت بڑی دانش مند ہے۔!“

”واقعی دانش مند ہے۔!“ وہ زہر خند کے ساتھ بولی۔ ”اپنے بچے کے ساتھ ہی ساتھ تم جیسے

بائیکا بوجھ بھی کاندھوں پر اٹھائے ہوئے ہے۔!“

”میں کیا کروں! میری باتیں کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آتیں۔ صرف وہی سمجھ سکتی ہے۔!“

”اچھا عبدالمنان اب تم خاموش رہو۔“

”وہ بھی آخر کار یہی کہنے لگتی ہے.... میں کیا کروں....؟“

اتنے میں وکیل کی گاڑی پھر آتی دکھائی دی۔ برآمدے کے قریب ہی آرکی تھی۔

”ایک بات تو رہ گئی پرنس....!“ وہ گاڑی سے اترتا ہوا بلند آواز میں بولا۔

”مجھے بھی ایک بات کہنی تھی۔“ رینا نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ ”اچھا ہوا تم واپس آگے۔!“

وہ برآمدے کے قریب پہنچ چکا تھا لیکن رینا کی طرف متوجہ نہ ہوا۔

”پرنس....! میں یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں نے مادام روشی کو اپنی طرف متوجہ

کرنے کی کوشش نہیں کی.... وہ خود ہی۔!“

”شٹ اپ....!“ پرنس دباڑتا ہوا اٹھ گیا۔

”وکیل کو جملہ پورا کرنے دو....!“ رینا نے اُس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر آرام کرسی پر دھکا

ہوئے کہا۔ ”ہاں وکیل تم کیا کہنا چاہتے ہو۔!“

”یہ مادام روشی ہی کی پیش کش ہے کہ وہ پرنس سے چھٹکارا پانے کے بعد مجھ سے شادی کریں گی۔“

پرنس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے کان بند کر لئے۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

رینا ہنس پڑی اور وہ قہر آلود نظروں سے اُسے گھورنے لگا۔

”بس اب میں چلا....!“ وکیل واپسی کے لئے مڑتا ہوا بولا۔

”ٹھہرو....!“ رینا نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”روشی سے کہہ دینا کہ میں اور پرنس پرانے دوسرے

ہیں۔ کئی سال ہوئے ہماری ملاقات فلورنس میں ہوئی تھی۔ میں پرنس کو پسند کرتی ہوں لہذا۔

روشی سے چھڑا دینے میں اپنا سارا زور صرف کروں گی اور پھر ہم دونوں شادی کر لیں گے۔!“

”یہ بات ہے....!“

”بالکل....!“

”رینا نے پرنس کے چہرے پر بے بسی کے آثار دیکھے! ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے شکاریوں-

درمیان کھڑا ہوا کوئی چوپایہ تن بہ تقدیر ہو گیا ہو۔!“

وکیل نے ایک بار غور سے رینا کو دیکھا اور چپ چاپ گاڑی میں جا بیٹھا اور پھر جب اس

گاڑی واپسی کے لئے مڑ رہی تھی پرنس کر کہا۔ ”تم نہیں سمجھ سکتیں کہ کیا کر گذری ہو۔!“

”تم اب کسی معاملے میں قطعی نہیں بولو گے.... سمجھے.... میں ان دو غلی عورتوں سے پنپنا

خوب جانتی ہوں۔!“

”دو غلی....!“ پرنس نے خوف زدہ لہجے میں دہرایا۔

”ہاں دو غلی.... اگر وہ صرف انگریز یا خالص بریٹیز ہوتی تو اس سے ایسی حرکت سرزد نہ ہوتی۔!“

پرنس تھوک نکل کر منہ چلانے لگا۔

”میں سچ مچ تمہیں چاہنے لگی ہوں۔!“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔

”بس یہی نہ کہو....!“ پرنس زور دینے والے انداز میں بولا۔

”کیوں....؟“

”مجھے اس قسم کے الفاظ زہر لگنے لگے ہیں۔ وہ بھی ابتدا میں اسی قسم کی باتیں کیا کرتی تھی۔!“

”اُدھر دیکھو....! میری طرف.... کیا وہ مجھ سے زیادہ حسین ہے۔!“

”نہیں....!“

”تو پھر....؟“

”میری سمجھ میں نہیں آتا....!“

”کیا سمجھ میں نہیں آتا....!“

”میں کچھ دیر کے لئے تنہائی چاہتا ہوں۔!“

”تنہائی.... تعجب ہے کہ تمہیں آج تک تنہائی کا احساس نہیں ہوا۔ تم اس وقت بھی تنہا ہو۔

میری موجودگی میں۔!“

وہ سر اٹھائے ہوئے نظروں کی طرح اُسے دیکھتا رہا۔ پھر رینا وہاں سے چلی گئی تھی۔



صفدر کنفیئشن چیمبر سے چھٹکارا پانے کے بعد سے میک اپ میں رہنے لگا۔ اپنی پچھلی رہائش گاہ  
ناالحال چھوڑ کر گرینڈ ہوٹل میں دو کمروں کی جگہ حاصل کر لی تھی اور عمران کے قیدیوں کی دیکھ  
عال اسی کے ذمے تھی۔

جبری اور جبری صرف لو سیل دے سوندے کی نشاندہی کر سکتے تھے۔ دلبر سینا کس نے جن پانچ  
ذمیوں کے لئے پتے لکھوائے تھے ان میں جبری اور جبری بھی شامل تھے لیکن جبری اور جبری نے

دلبر سینا کس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔

بقیہ تین آدمیوں کے پتے صفدر کے پاس موجود تھے۔ اُس نے اُن کے متعلق چھان بین کی تھی اور اب ایکس نوکواس کی رپورٹ دینے جا رہا تھا۔

ہوٹل کا فون استعمال کرنے کے بجائے اس نے کسی پبلک ٹیلی فون بوتھ کو ترجیح دی۔

نمبر ڈائیل کئے! لیکن دوسری طرف سے جواب نہ ملا۔ گھنٹی بجنے کی آواز آتی رہی۔ اس نے ریسپوررکھ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔

پچھلی گرفتاریوں کے بعد سے انہیں ایکس ٹو سے ہدایت ملی تھی کہ وہ ساری رپورٹیں براہ راست ایکسٹو ہی کو دیا کریں۔ اگر فون پر رابطہ قائم نہ ہو سکے تو پھر جولیانا فٹنر واٹر کو وہی رپورٹیں دے دی جائیں۔

صفدر نے جولیانا کے نمبر ڈائیل کئے۔

”ہیلو....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”صفدر.... رپورٹ ہے....!“

”وقت نہ ضائع کرو.... سائیکو مینشن پہنچ جاؤ.... احکامات بدل چکے ہیں۔ اب وہ ہماری اعلیٰ ذہنی تربیت کرنا چاہتا ہے!“

”میں نہیں سمجھا....!“

”یہاں آئے بغیر نہیں سمجھ سکو گے۔ اگر کوئی رپورٹ ہے تو سب موجود ملیں گے۔!“

صفدر نے سلسلہ منقطع کر کے بوتھ سے باہر آ گیا۔

اس کی گاڑی تو تباہ ہی ہو چکی تھی.... فوری طور پر کسی دوسری گاڑی کا انتظام نہیں ہو سکا تھا۔ سائیکو مینشن کی سرکاری گاڑیاں بہت ہی خاص حالات میں استعمال کی جاتی تھیں اس لئے آج کل ٹیکسیوں ہی کے سہارے بھاگ دوڑ والی زندگی گذر رہی تھی۔

وہ فٹ پاتھ پر کھڑا ہو کر کسی خالی ٹیکسی کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد ٹیکسی مل گئی۔

”سیدھے چلو....!“ وہ پچھلی سیٹ کا دروازہ بند کرتا ہوا بولا۔

ٹیکسی چل پڑی لیکن ٹھیک اسی وقت ایک دوسری گاڑی نے بھی صفدر کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی۔ وہ داہنی جانب والی گلی کے سرے پر کھڑی تھی۔ ٹیکسی کے حرکت میں آتے ہی وہ

بھی سڑک پر آگئی تھی۔ صفدر نے اپنی پوزیشن میں تبدیلی کی اور عقب نما آئینے میں دیکھنے لگا۔ گاڑی ٹیکسی کے پیچھے آ رہی تھی۔

”اگلے چوراہے پر بائیں جانب موڑ لینا۔!“ صفدر نے ڈرائیور سے کہا۔

پچھلی گاڑی اب بھی سائے کی طرح ساتھ لگی نظر آئی۔

جلد ہی صفدر کو یقین ہو گیا کہ تعاقب کیا جا رہا ہے اس لئے اس نے سائیکو مینشن جانے کا ارادہ لٹوی کرتے ہوئے ڈرائیور سے کہا۔ ”اب اگلے موڑ سے مجھے ٹپ ٹاپ ٹائٹ کلب پہنچا دو۔!“

کلب کی کمپاؤنڈ میں پہنچ کر ٹیکسی رک گئی۔ صفدر نہایت اطمینان سے نیچے اترا اور ڈرائیور کو کرایہ ادا کرنے لگا۔

دوسری گاڑی کمپاؤنڈ میں داخل نہیں ہوئی تھی.... لیکن اُسے ڈرائیور کرنے والا پھانک پر دکھائی دیا.... صفدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

ڈائینگ ہال میں داخل ہو کر اپنے لئے ایسی جگہ منتخب کی جہاں سے صدر دروازے پر نظر رکھ سکتا۔ تعاقب کرنے والی گاڑی کالماک بھی کچھ دیر بعد ڈائینگ ہال میں نظر آیا۔

اُس نے چاروں طرف نظر دوڑائی اور پھر ایک میز کی طرف بڑھ گیا۔ صفدر کا اندازہ تھا کہ اس نے بھی اپنے لئے ایسی ہی میز منتخب کی ہے جہاں سے اُس پر بخوبی نظر رکھ سکے گا۔

اس نے ویٹر کو اشارے سے بلا کر کافی طلب کی اور جیب میں سگریٹ کا پیکٹ نٹولنے لگا۔

مشرق بعید کے کسی ملک کا باشندہ معلوم ہوتا تھا چہرے سے سخت گیرمی عیاں تھی۔

وہ صفدر کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ لیکن صفدر کو تو ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اُسے ہزار آنکھوں سے گھورے جا رہا ہو۔

اس نے سوچا کہ اس تعاقب کا مطلب تو یہی ہو سکتا ہے کہ میک اپ میں ہونے کے باوجود بھی وہ پہچانا جا چکا ہے۔ لیکن کس طرح؟ پھر اچانک اسے احساس ہوا.... وہ ان تینوں آدمیوں کے متعلق چھان بین کرتے وقت اُن کی توجہ کامرکز بنا ہو گا۔ ویسے اُس نے اس میں خاصی احتیاط برتی تھی۔ اسے دن خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے اور کسی خاص نظام کے تحت اس نے اپنا جال پورے شہر میں بچھا رکھا ہے۔

تعاقب کرنے والا ویٹر کو اپنا آرڈر نوٹ کرا رہا تھا۔ اس کے بعد صفدر نے اُسے کاؤنٹر کی



طرف جاتے دیکھا۔ سگریٹ سلگا کر وہ کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گیا۔ تعاقب کرنے والا اب کاؤنٹر کے فون پر کسی سے گفتگو کر رہا تھا۔

دفعتاً صفدر کو خیال آیا کہ کہیں اب اسے گھیرنے کی کوشش تو نہیں کی جا رہی ہے۔

اتنے میں ویٹر اس کے لئے کافی لایا.... اور اس کے لوازمات میز پر رکھے لگا۔

تعاقب کرنیوالے نے زیادہ دیر تک فون پر گفتگو نہیں کی تھی۔ وہ بھی اپنی میز پر واپس آگیا۔

صفدر اطمینان سے کافی پی رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ کافی ختم کر کے وہ بھی کاؤنٹر ہی کا فون استعمال کرے گا اور اس وقت تک باہر نہیں نکلے گا جب تک اس کے ساتھی وہاں نہ پہنچ جائیں۔

تعاقب کرنے والا آہستہ آہستہ کچھ کھا رہا تھا.... صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ محض وقت گزاری ہی کے لئے ہو سکتا ہے۔

پندرہ بیس منٹ گزر گئے.... اور اس دوران میں صفدر نے اپنے ساتھیوں کو مطلع کرنا بھی ملتوی کر دیا۔ ضروری نہیں تھا کہ وہ اس کی مرضی کے مطابق ہی کام کرتے۔ اُن سے اندازے کی غلطی بھی ہو سکتی تھی۔

مزید پندرہ منٹ گزر گئے.... تعاقب کرنیوالا اب کرسی کی پشت گاہ سے ٹک کر سگار پی رہا تھا۔ صفدر نے سوچا کچھ نہ کچھ کرنا ہی چاہئے وہ یقینی طور پر اپنے کچھ دوسرے ساتھیوں کو طلب کر کے ان کا منتظر ہے۔

ویٹر کو اشارے سے بلا کر کافی لانے کو کہا اور ختم ہوتے ہوئے سگریٹ سے دوسرا سگریٹ سلگانے لگا۔

صفدر آج زندگی میں پہلی بار نہ جانے کیوں اپنی قوت فیصلہ کھو بیٹھا تھا۔ کبھی سوچتا کہ ساتھیوں کو اس چویشن سے مطلع کر دینا چاہئے اور کبھی سوچتا کہیں یہ محض اتفاق ہی نہ ہو۔!

وقت تیزی سے گزر رہا تھا.... دس منٹ مزید.... اسی حیض بیض کی نذر ہو گئے۔

تعاقب کرنے والے کا انداز ایسا ہی تھا جیسے اب یہیں ڈیرہ ڈال دینے کا ارادہ ہو۔

دفعتاً صفدر اپنی جگہ سے اٹھا اور کاؤنٹر کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ کاؤنٹر کلرک نے سر اٹھا کر دیکھا۔

”فون....!“

اس نے دوسرے سرے پر رکھے ہوئے فون کی طرف اشارہ کیا اور پھر رجسٹر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

صفدر جھک کر نمبر ڈائل کر ہی رہا تھا کہ بائیں پہلو میں کوئی سخت سی چیز چھبی.... وہ چونک کر مڑا۔ تعاقب کرنے والا اس سے لگا کھڑا مسکرا رہا تھا۔

اور پھر وہ صفدر کے تیور بدلنے سے پہلے ہی آہستہ سے بولا۔ ”جدوجہد کا نتیجہ میرے کوٹ کی

جیب سے نکل کر تمہارے دل میں پیوست ہو سکتا ہے۔! لہذا خاموشی سے باہر نکل چلو....!“

”میں لٹریچر کا طالب علم نہیں ہوں....!“ صفدر خوش دلی سے ہنس کر بولا۔ ”تمہاری بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔“

پہلو میں چھپنے والی چیز کا دباؤ بڑھ گیا.... وہ کسی ریوالور کی نال ہی ہو سکتی تھی۔ جو حریف کے کوٹ کی جیب میں موجود تھا۔

صفدر ٹیلی فون چھوڑ کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اب ریوالور کی نال کمر سے جا لگی تھی۔

وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ کاؤنٹر کلرک نے اُن پر اچھتی سی نظر ڈالی تھی اور پھر رجسٹر پر جھک پڑا تھا۔

وہ اسی طرح باہر آئے.... اجنبی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔ ”تم ہی ڈرائیو کرو گے۔!“

صفدر کمپاؤنڈ کے باہر اس کی گاڑی کے قریب کھڑا سوچ رہا تھا کہ اب کچھ کر گزرنا چاہئے.... لیکن حریف پوری طرح ہوشیار تھا اور ایسے مواقع پر استعمال کئے جانے والے ریوالوروں میں سائیلنسر ضرور لگا ہوتا ہے۔

طوعاً و کرہاً اس نے اگلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ پھر اندر بیٹھ بھی گیا لیکن اس دوران میں ریوالور کے دباؤ میں کمی نہیں ہوئی تھی۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ حریف ایک پل کے لئے بھی غافل نہیں ہوا۔ اس کے ساتھ ہی خود بھی گاڑی میں داخل ہوا تھا۔ بائیں ہاتھ سے وہ صفدر کو اکیشن کی دیتا ہوا بولا۔ ”زیادہ چالاک بننے کی کوشش نہ کرنا۔!“

صفدر احقانہ انداز میں ہنس کر بولا۔ ”بالکل ایسی ہی ایک چویشن میں نے کسی انگریزی فلم میں دیکھی تھی۔ غالباً تمہاری جیب میں سائیلنسر لگا ہوا ریوالور ہے لیکن آخر اس کا مطلب کیا ہے۔!“

وہ ہونقوں کے سے انداز میں سنجیدہ نظر آنے لگا۔

”چلو....!“ حریف آنکھیں نکال کر غرایا۔

”اس کا گیسٹر سسٹم تو سمجھا دو پہلے....! اس میک کی گاڑی میں نے پہلے کبھی نہیں چلائی۔!“

”پہلا نیچے، دوسرا اوپر، تیسرا ادا کر نیچے اور چوتھا.... چلو بس....!“

صفر نے انگنیشن میں کبھی لگائی.... انجن اشارت کیا.... گاڑی چل پڑی.... ریوالور کا دباؤ بائیں پہلو پر بدستور موجود تھا۔

”بس سیدھے چلو....!“

صفر سوچ رہا تھا بڑے پھنسے.... یقیناً اُن تینوں کے متعلق چھان بین کرنے کے دوران ہی میں وہ ان لوگوں کی نظروں میں آگیا ہوگا۔

ولبر سناکس کے بیان کے مطابق اُس کا چیف خطرناک آدمی تھا۔ ویسے وہ ایسے لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑتا تھا جن کے ذریعے اس کی نشان دہی ہو سکے۔ ڈی سوزا اس کی لڑکی اور ایک انجینیئر غالباً اسی لئے اپنے انجام کو پہنچے تھے۔! الویل بھی شاید اسی پیش بینی کا شکار ہوئی تھی لیکن یہ تین آدمی اب بھی زندہ تھے جن کی نشان دہی ولبر سناکس نے کی تھی۔!

ہو سکتا ہے یہ تینوں اسی لئے اپنی جگہوں سے نہ ہٹائے گئے ہوں کہ چیف کو ولبر سناکس کے زندہ ہونے کا ثبوت مل سکے۔ کیونکہ اُن کی نشان دہی فی الحال وہی کر سکتا تھا اور وہ خود ان کی قید میں تھا۔ واقعات کا یہ موڑ خطرناک تھا۔! صفر ایک بار عمران کی وجہ سے کنفیوژن چیر کی لڑائیوں سے بچ گیا تھا لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ آج بھی کوئی انہونی ہو سکے اور عمران....؟ اس کا تو کہیں پتہ نہ تھا۔ کاش اُس سے یہ حماقت سرزد نہ ہوئی ہوتی۔ اسی وقت جو لیا کو فون پر حالات سے آگاہ کر دیتا جب تعاقب کرنے والا کھانے میں مشغول تھا۔

”اب کیا ہو سکتا ہے۔!“

اُس نے عقب نما آئینے پر نظر ڈالی پیچھے کئی گاڑیاں تھیں۔ دفعتاً اُسے ایکس ٹو کا خیال آیا.... وہ تو کبھی غافل نہیں رہتا۔ ہو سکتا ہے پچھلی گاڑیوں میں کسی ایک میں خود موجود ہو۔

اس نے طویل سانس لی۔!

”اب بائیں جانب موڑ لو....!“ حریف بولا۔

صفر خاموشی سے اس کے احکامات کی تعمیل کرتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ساحل کی طرف جا رہے تھے! سڑک سنان تھی لیکن پیچھے ایک گاڑی ابھی تک عقب نما آئینے میں دکھائی دے رہی تھی۔! صفر نے سوچا یقیناً وہ ایکس ٹو ہی ہو سکتا ہے یا پھر

اس نے اپنے کسی ماتحت ہی کو بروقت مطلع کر دیا ہو۔

پھر خیال آیا کہ تعاقب کر نیوالے نے بھی تو فون پر کسی سے گفتگو کی تھی۔ لیکن اگر اُس نے اپنے کچھ ساتھیوں کو وہاں بلایا تھا تو پھر تنہا ہی اتنا بڑا خطرہ کیوں مول لے بیٹھا۔ کسی بھری ہڈی جگہ سے کسی کو اس طرح نکال لانا آسان کام تو نہیں ہو سکتا ہے۔ اُس نے صرف تعاقب کی اطلاع کسی کو دی ہو۔

کچھ بھی ہو.... اب اُسے آخری جدوجہد کے لئے تیار ہو جانا چاہئے ورنہ اگر انہوں نے اس کو اذیت رساں برقی کرسی پر بٹھا کر سب کچھ اگلا لیا تو اُس کے بعد بھی اُسے موت ہی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ شاید اسے خود کشی کرنی پڑے۔ کسی ایسے حادثے کے بعد وہ اپنے ساتھیوں کو منہ دکھانے کے قابل کہاں رہتا۔

دفعتاً اس نے گاڑی بائیں جانب والی ڈھلان کی طرف موڑ دی۔ دونوں اگلے پہنچے کچے میں اترے ہی تھے کہ اس نے بڑی پھرتی سے ایکسپلیٹر چھوڑ کر بریک پر پیر رکھ دیا۔ ساتھ ہی بایاں ہاتھ ریوالور کی نال پر پڑا تھا۔

یہ سب کچھ آن واحد میں ہوا تھا۔ ریوالور کی پوزیشن میں تبدیلی ہوتے ہی صفر وحشیانہ انداز میں اپنے حریف پر پل پڑا۔ اس کا ریوالور جیب سے باہر آگیا تھا لیکن شاید لاکڈ ہونے کی وجہ سے وہ اسے استعمال نہیں کر سکتا تھا۔

صفر نے اُسے قابل استعمال بنانے کی مہلت ہی نہ دی۔ اس کا پیر بریک ہی پر جما ہوا تھا اور وہ اپنے حریف کو پیسے ڈال رہا تھا لیکن اس سے قطعی بے خبر رہا کہ پیچھے آنے والی گاڑی کب رکی تھی اور کب اس پر سے ایک آدمی اتر اٹھا اور ایک وزنی اوزار سنبھالے ہوئے آہستہ آہستہ اُن دونوں کی طرف بڑھتا آ رہا تھا۔

پھر اسکی لاعلمی ہی میں اُس کے سر پر قیامت ٹوٹی وہ وزنی اوزار بڑی قوت سے استعمال کیا گیا تھا۔ اس کا ذہن خود فراموشی کی تاریک دلدل میں ڈوبتا چلا گیا۔



وہ دونوں بے خبر سو رہے تھے۔! کسی نے انہیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ گہرے اندھیرے میں آنکھیں کھلیں اور دونوں ایک دوسرے کو پکارنے لگے۔

”شور مت کرو....!“ ہلکی سی غراہٹ اندھیرے میں گونجی۔

وہ فوری طور پر ساکت ہو گئے۔ کٹہرے کے باہر گلیارے میں انہیں روشنی نہ دکھائی دی حالانکہ وہاں رات بھر روشنی رہتی تھی۔

عجیب سا سناٹا تھا جو ماحول پر طاری تھا۔ سنتریوں کے وزنی بوٹوں کی کھٹ پٹ بھی نہیں سنائی دیتی تھی۔

”چپ چاپ باہر نکل چلو....!“ سناٹے میں تیز قسم کی سرگوشی ابھری۔

دونوں پہلے ہی کٹہرے کے قریب آکھڑے ہوئے تھے۔ کسی نے انہیں دھکیل کر کٹہرے سے باہر کر دیا۔ پھر زینوں کی طرف چلنے کے لئے کہا گیا۔

کھلی چھت پر پہنچنے کے بعد ہی وہ اس آدمی کو دیکھ سکے تھے۔ سر تا پایاہ پوش تاروں کی چھاؤں میں وہ ایک تاریک سایہ لگ رہا تھا۔

”کیا تم دونوں رسی کے سہارے نیچے اتر سکو گے....؟“ اس نے پوچھا۔ اُس کی آواز بھی عجیب تھی۔ پھنسی پھنسی.... اس آواز میں ہلکی سی غراہٹ بھی شامل تھی۔

”سر کس میں کام کرنے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا....!“ جیمسن نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”مجھے یقین ہے کہ اس کے باوجود بھی تم دونوں رسی کے سہارے ہی نیچے جاؤ گے۔“

”آپ کون ہیں جناب....؟“ ظفر الملک نے سوال کیا۔

”یہ سب کچھ تمہیں نیچے پہنچ کر معلوم ہو گا۔!“

”اگر کچھ معلوم کرنے کے قابل ہی نہ رہ گئے تو....؟“ جیمسن بول پڑا۔

”تم خاموش رہو....!“ ظفر اس کے شانے پر ہاتھ مار کر بولا۔

”تم میں سے ظفر الملک کون ہے....؟“ سیاہ پوش کا لہجہ بے حد خشک تھا۔

”میں ہوں جناب....!“

”یہ لفافہ احتیاط سے رکھو.... نیچے گاڑی موجود ہے۔ وہ تمہیں کس محفوظ مقام پر پہنچائے گی۔ وہاں تم اس لفافے میں پائی جانے والی تحریر کے مطابق عمل کرنا....!“

حوالات کی عقبی دیوار کے قریب ہی انہیں ایک سیاہ رنگ کی دین کھڑی دکھائی دی تھی۔

نیچے پہنچ کر جیمسن آہستہ سے بڑبڑایا۔ ”کلاسیکی ادب میں کند کا ذکر بھی جاہ جالمتا ہے۔ لیکن

افسوس چرخ کج رفتار سے ہمیں چھت کے نیچے نہ دیکھا گیا۔!“

گاڑی سے ایک آدمی اتر کر اُن کی طرف بڑھا.... یہاں بھی اندھیرا ہی تھا وہ اُس کی شکل نہ دیکھ سکے۔

”گاڑی میں بیٹھ جاؤ.... جلدی کرو....!“ آنے والا قریب پہنچ کر بولا۔

آواز کچھ جانی پہچانی سی محسوس ہوئی تھی۔ وہ گاڑی کے پچھلے حصے میں جا بیٹھے.... دروازہ بند

کر دیا گیا۔

ابھی تک سردی مزاج پوچھ رہی تھی۔ گاڑی کا دروازہ بند ہو جانے پر کسی قدر حرارت کا

احساس ہوا۔

گاڑی حرکت میں آچکی تھی۔ اندر اندھیرا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی شکل نہیں دیکھ سکتے تھے۔

”وہ آدمی کون تھا....؟ یورپائی نس....!“ جیمسن نے پوچھا۔

”میں نہیں جانتا....!“

”دیکھئے اب شامت کہاں لے جائے۔!“

”تم عورتوں کے سے انداز میں کیوں گفتگو کرنے لگے ہو۔!“

”اسے چھوڑیئے جناب والا.... میں بہت سنجیدگی سے اس مسئلے پر غور کر رہا ہوں۔!“

”کس مسئلے پر....؟“

”اگر آپ نے اس سر پرہرے آدمی کا ساتھ نہ چھوڑا۔“

”خاموش....!“ ظفر نے آہستہ سے کہا۔ ”اگر تم نے کسی کا نام لیا تو گلا گھونٹ دوں گا۔!“

”میں کسی پردہ نشین خاتون کا نام نہیں لینے جا رہا تھا کہ آپ اس طرح برا فروختہ ہو گئے۔!“

”برا فروختہ کیا....؟“

”مطلب یہ کہ آپ سے باہر ہو گئے۔ خیر اسے بھی چھوڑیئے.. اس بات پر ایک شعر یاد آ گیا۔!“

داور حشر مرا نامہ اعمال نہ دیکھ

اس میں کچھ پردہ نشینوں کے بھی نام آتے ہیں۔!“

ظفر کچھ نہ بولا.... تھوڑی دیر بعد گاڑی رکی۔ لیکن اُن سے اترنے کو نہ کہا گیا۔

”اب کیا ہوا....؟“ جیمسن بڑبڑایا۔

”خاموش بیٹھے رہو....!“

”مقصود یہ تھا کہ اس آدمی کو تلاش کیا جائے۔“

”تو پھر کو پر کو یہاں بلاؤ.... اُسے ہدایت کرو کہ تصویر سمیت آئے۔“

”کیا یہ میک اپ میں نہیں تھا....؟“

”یقیناً تھا....!“

”تو پھر....؟“

”بیکار بحثوں میں نہ پڑو.... کو پر کو بلاؤ....!“

چند لمحے خاموشی رہی پھر صفدر نے فون پر نمبر ڈائل کرنے کی آواز سنی۔ پھر کہا گیا۔

”شاید کو پر موجود نہیں۔“

”کہاں ہو گا....؟“

”شاید گرینڈ میں....!“

”اُسے یہاں موجود ہونا چاہئے۔ اگر ایسی کوئی بات ہے۔“

”اوہ.... تو کیا اب مجھے گرینڈ جانا پڑے گا۔“

”یقیناً....!“

”اچھی بات ہے....!“

”تم جانتے ہو کہ یہ کتنا ضروری ہے.... اگر ایسی کوئی بات ہے تو چیف کو اس سے فوری طور پر

آگاہ ہونا چاہئے اور ہم میں صرف کو پر ہی ایسا ہے جو بروقت چیف سے رابطہ قائم کر سکتا ہے۔“

”ٹھیک ہے.... مجھے دھیان نہیں تھا....!“

پھر صفدر نے قدموں کی چاپ سنی.... سر کی تکلیف بدستور موجود تھی۔ لیکن شاید اب وہ

آنکھیں کھول سکتا تھا۔

آنکھوں میں خفیف سادہ کر کے اس نے آواز کی جانب دیدے گھمائے۔

یہ تو وہی آدمی تھا.... جو اُسے ٹپ ٹاپ سے یہاں تک لایا تھا۔ اُس کی مٹھیاں بھنپنے لگیں۔

وہ آدمی اس کمرے میں تنہا تھا.... اور اب یہ سوچنے کا موقع قطعی نہیں تھا کہ یہاں کے

مختلف حصوں میں اور کتنے آدمی موجود ہوں گے۔!

دفتر اس نے اپنے حلق سے عجیب سی آواز نکالی اور وہ آدمی چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

دفتر گاڑی کا انجن پھر جاگا اور وہ حرکت میں آگئی۔ لیکن اس بار زیادہ دور نہیں چلی تھی۔

جھٹکے کے ساتھ کارر کی اور عقبی دروازہ کھلتے ہی دونوں روشنی میں نہا گئے۔

یہ ایک بہت بڑا ہال تھا.... جس میں تیز روشنی والے بلب جگمگا رہے تھے۔

”کیا یہ کسی فلم اسٹوڈیو کا کوئی فلور ہے۔!“ جیمسن نے ظفر سے پوچھا۔

”بکو مت.... نیچے اترو....!“

”اوہ....!“ جیمسن نے سامنے کھڑے ہوئے آدمی کو حیرت سے دیکھا۔

”ہیلو کیپٹن خاور....!“ ظفر اُس کی طرف مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔

”تمہارا ملازم یہیں رہے گا....!“ کیپٹن خاور بولا۔ ”اور تمہیں اُن ہدایات پر عمل کرنا ہے جو

تمہارے پاس موجود ہیں۔!“

”اوہ....!“ ظفر کو لفافہ یاد آیا۔

لفافے سے برآمد ہونے والے پرچے کی تحریر کے مطابق اُسے اب عمران کے میک اپ میں

اسی کے فلیٹ میں رہائش اختیار کرنی تھی۔

”لیکن جیمسن....!“ ظفر نے استفہامیہ نظروں سے خاور کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

وہ یہیں رہے گا ہمارے ساتھ.... تم اُس کی فکر نہ کرو۔!“

”کیا یہاں اردو کا کلاسیکی لٹریچر فراہم ہو سکے گا جناب....!“ جیمسن بول پڑا۔

”جو کچھ بھی چاہو گے مہیا کر دیا جائے گا۔!“

”مناسب ہے....!“

ظفر اُسے گھور کر رہ گیا۔



صفدر اب پوری طرح ہوش میں تھا۔ لیکن سر کی تکلیف کی وجہ سے آنکھیں نہیں کھل رہی تھیں۔

وہ اُن لوگوں کی گفتگو صاف سن رہا تھا۔ اس وقت اُس کے قریب دو آدمی موجود تھے۔!

”یہ وہی ہے.... یقین کرو....!“ ایک کہہ رہا تھا۔

”جب تک کوئی واضح ثبوت نہ ہو کیسے سمجھ لوں۔!“ دوسری آواز آئی۔

”میں نے کو پر کے پاس تصویر دیکھی تھی جو اُسے چیف کی طرف سے موصول ہوئی ہے۔“

صنذر نے اسی قسم کی کچھ اور آوازیں بھی نکالیں اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے بستر کے قریب آکھڑا ہوا۔

پھر قریب سے دیکھنے کے لئے اُس کے چہرے پر جھکا ہی تھا کہ صنذر نے بڑی پھرتی سے اس کی گردن دیوچی۔ کچھ دیر پہلے محسوس کی جانے والی نقاہت حیرت انگیز طور پر زائل ہو چکی تھی اور وہ خود کو پہلے سے بھی توانا محسوس کرنے لگا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ جان لے لینے یاد دے دینے کا وحشیانہ جذبہ رہا ہو جس نے اُسے فی الفور اتنی توانائی بخش دی تھی۔

وہ اُس کا گلا گھونٹتا ہی چلا گیا۔ ویسے حریف بھی جان بچانے ہی کے لئے جدوجہد کر رہا تھا۔ لہذا دفاعی حرکتیں شدید تھیں۔

وہ صنذر کے اوپر ہی گرا تھا اور اُسے پیس ڈالنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور صرف کئے دے رہا تھا۔ لیکن اس کی گردن پر صنذر کی گرفت بھی مضبوط سے مضبوط تر ہوتی جا رہی تھی۔

دفعتاً اس نے محسوس کیا کہ اب حریف ایک بوجھ کی طرح اس پر بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ وہ اسے پرے جھٹک کر اٹھ بیٹھا۔ وہ فرش پر جا پڑا تھا۔ اُس نے بڑی تیزی سے اس کی جیبوں کی تلاشی لی۔ گاڑی کی کئی اور ایک پرس کے علاوہ اور کچھ نہ برآمد ہوا۔

پرس اس نے وہیں ڈال دیا اور میز پر سے اُس کی فیلٹ ہیٹ اٹھائی اور اسے سر پر بھاتا ہوا کمرے سے باہر نکلا۔ سر پر بندھی ہوئی پٹی ہیٹ کے نیچے چھپ گئی تھی۔

راہداری میں اسٹینڈ پر ایک اور کوٹ نظر آیا۔ صنذر نے اسے بھی کھینچا اور جلدی سے پہن لیا۔ اب وہ تیزی سے راہداری کے سرے کی طرف بڑھا جا رہا تھا۔

نکاسی کے دروازے کی تلاش تھی۔ اس کے علاوہ اور کسی طرف دھیان دینا نہیں چاہتا تھا۔ باورچی خانے کے قریب سے گزرتے وقت اس نے محسوس کیا کہ وہاں کوئی موجود ہے۔

صدر دروازے پر پہنچ کر اس نے نہایت اطمینان سے ہینڈل گھمایا۔ دروازہ مقفل نہیں تھا۔ باہر کمپاؤنڈ میں وہی کار کھڑی دکھائی دی۔ جس پر یہاں تک لایا گیا تھا۔ ایک بار پھر اُسے کھلی فضا میں سانس لینے کا موقع ملا اور اب اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے زیادہ دیر تک اسٹیرنگ نہ کر سکے گا۔ پورا جسم کانپ رہا تھا۔ اور سر کی تکلیف پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی تھی۔

وہ جلد از جلد اس گاڑی سے بھی پیچھا چھڑانا چاہتا تھا۔

اندھیرا پھیل گیا تھا۔ سڑکوں کے پول روشن ہو چکے تھے اور سڑکوں پر ٹریفک کا اژدھام تھا۔ اس نے ایک جگہ گاڑی روکی اور نیچے اتر کر ایک گلی میں مڑ گیا۔ کئی اکٹیشن ہی میں چھوڑ آیا تھا اور چلے وقت گاڑی کے نمبرز ذہن نشین کرنا نہیں بھولا تھا۔

دوسری سڑک پر پہنچ کر اس نے ایک ٹیکسی رکوائی اور ڈرائیور کو اپنے رہائشی مکان کا پتہ بتایا۔ ہوٹل واپس جانا اب کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا۔ کیونکہ اول تو چہرے سے میک اپ ہی اتر چکا تھا، دوم یہ کہ اُن لوگوں کو اس ٹھکانے کا علم تھا۔

بہر حال اس وقت اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ اپنی اصل قیام گاہ ہی کا رخ کرتا۔ زخمی حالت میں کسی تیسرے ٹھکانے کی تلاش عقل مندانہ فعل نہ ہوتا۔

ٹیکسی کچھ دیر بعد اُس کے مکان کے سامنے رکی اور اب اُسے احساس ہوا کہ نہ اُس کی جیبوں میں پیسے موجود ہیں اور نہ مکان کے قفل کی کئی.... وہ تو ہوٹل میں ہی رہ گئی تھی اور پرس ان لوگوں میں سے کسی نے غائب کر دیا تھا۔

حریف کا پرس بھی وہ وہیں پھینک آیا تھا۔ اب کیا کرے؟ دفعتاً اس نے ٹیکسی ڈرائیور سے کہا۔ ”اوہو.... یہاں تو قفل پڑا ہوا ہے شاید وہ لوگ موجود نہیں.... اچھا واپس چلو....!“

”مکہر صاحب....؟“

”تم چلو.... میں بتاؤں گا....!“

گاڑی پھر چل پڑی۔ تھوڑی دور پر ایک ڈرگ اسٹور تھا اُس نے وہاں دوبارہ رکنے کو کہا۔ گاڑی سے اتر کر ڈرگ اسٹور میں آیا۔ یہاں کے سیلز مین اسے پہچانتے تھے اُس نے اُن سے فون مانگا اور پہلے ہی معذرت کر لی کہ وہ کال کے پیسے ابھی نہ دے سکے گا۔ وہ سب اخلافات پس پڑے تھے۔ جیسے وہ مذاق کر رہا ہو۔

بہر حال اس نے فون پر جولیا کے نمبرز ڈائل کئے اور دوسری طرف سے جولیا کی آواز آئی۔ ”اوہ تم....؟ کہاں غائب ہو گئے تھے۔!“ اس نے پوچھا۔

منفصل گفتگو کا موقع نہیں... تم فوری طور پر کنکشن کے بس اسٹاپ پر پہنچو.... میرے لئے کچھ رقم بھی لیتی آتا.... جس ٹیکسی پر سفر کر رہا ہوں اسکا کرایہ ادا کرنے کیلئے جیب میں پیسے نہیں ہیں۔!“

”سنجیدہ ہو....؟“

”جلدی کرو!“ اس نے زیسیور رکھ دیا اور سیل مینوں کا شکریہ ادا کر کے ٹیکسی میں آ بیٹھا۔  
 ”کنگسٹن کے بس اسٹاپ پر چلو....!“ صفدر نے ڈرائیور سے کہا۔  
 اس کا اندازہ تھا کہ جولیا اس کے پہنچنے سے پہلے ہی وہاں پہنچ جائے گی۔ کیونکہ کنگسٹن کا بس اسٹاپ سائیکو مینشن سے زیادہ دور نہیں تھا۔  
 جولیا کی گاڑی اُسے دور ہی سے نظر آ گئی۔ اُس کے پیچھے پارک کرنے کی جگہ بھی موجود تھی۔  
 اس نے ٹیکسی وہیں روکوائی اور نیچے اتر کر میٹر دیکھنے لگا۔ جولیا اپنی گاڑی سے اتر کر اس کے قریب آ گئی تھی۔ اس نے کچھ نوٹ اس کے ہاتھ میں دے دیئے۔  
 صفدر نے ٹیکسی کا کرایہ ادا کیا اور پھر جولیا کے ساتھ اس کی گاڑی میں آ بیٹھا۔  
 ”کدھر....؟“ جولیا نے پوچھا۔  
 ”میں زخمی ہوں.... اور اب میرے جسم میں سکت نہیں رہی۔ مجھے سائیکو مینشن میں لے چلو.... میں نے مناسب نہیں سمجھا تھا کہ ٹیکسی وہاں لے جا کر کسی سے کرایہ دلاؤں۔!“  
 ”اوہو.... اچھا....!“ جولیا نے انجن اشارت کرتے ہوئے کہا۔



پرنس عبدالمنان رینا کے لئے اچھا خاصا کھلوٹا بن کر رہ گیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی ہے۔  
 اب وہ روشنی کا ذکر بھی چھیڑتی تو صاف اڑا جاتا۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے اُسے بھول ہی جانا چاہتا ہو۔  
 ادھر چیف اے ون ہر روز رینا کو یقین دلانے کی کوشش کرتا رہتا کہ اس کے بھائی زندہ ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ وہ کہاں ہیں لیکن کسی مصلحت کی بناء پر فی الحال ان لوگوں کو نہیں چھیڑنا چاہا۔  
 جو ان کے اغواء کے ذمہ دار ہیں۔  
 پرنس عبدالمنان میں بھی وہ بہت شدت سے دلچسپی لے رہا تھا۔  
 آج ہی اُس نے اُس کے متعلق رینا کو کچھ ہدایات بھی دی تھیں اور رینا سوچ میں پڑ گئی تھی کہ عبدالمنان تو قطعی طور پر اس کا ذاتی مسئلہ تھا۔ پھر چیف بھی کیوں اس میں دلچسپی لینے لگا ہے۔ اُس نے اس کو اپنے کادر کن کر سٹو پاؤلس کے پاس اس لئے بھیجا گیا تھا کہ وہ اس کے بھائیوں کی تلاش میں مدد دے گا۔ لیکن عبدالمنان کی کہانی سنتے ہی وہ بھی اس ملاقات کے اصل مقصد سے رد گردا۔

ہو گیا تھا۔ آخر وہ لوگ عبدالمنان کو کس مقصد کے حصول کے لئے ہموار کرنا چاہتے تھے۔  
 یہ مسئلہ اس کے لئے ایک نئی الجھن بن گیا تھا۔ لیکن وہ اس کا ذکر عبدالمنان سے نہ کر سکی۔  
 وہ تو بس اُسے مختلف قسم کی تفریحات میں الجھائے رہا کرتی تھی۔  
 اس وقت بھی وہ اسے بتا رہی تھی کہ بیس بال کیسے کھیلا جاتا ہے۔ وہ خاموش ہوئی تو عبدالمنان اپنے قومی کھیل گلی ڈنڈے کے متعلق اُسے بتانے لگا۔  
 ”دراصل....!“ وہ محققانہ شان سے بولا۔ ”دنیا کے ہر کھیل کی موجد ہماری ہی قوم ہے۔ تم لوگوں نے ان میں کئی پھنڈے لگائے اور ہڑپ کر گئے مثال کے طور پر گلی ڈنڈے کو تم لوگوں نے کئی قدر تصرف کے ساتھ کرکٹ یا بیس بال کی شکل میں اپنالیا....!“  
 ”یہ غلط ہے.... تم نے اپنی گلی ڈنڈے میں کسی گیند کا ذکر نہیں کیا....!“  
 ”گلی کو گول کر کے گیند بنالیا تو لوگوں نے....!“  
 ”گلی کیسی ہوتی ہے....؟“  
 ”تم اس طرح نہیں سمجھ سکو گی....!“ عبدالمنان نے کہا اور گلی ڈنڈا بنانے کی فکر میں پڑ گیا۔  
 رینا کے ایک ملازم نے سامان فراہم کر دیا۔  
 رینا گلی کی شکل دیکھ کر بہت ہنسی اور بولی۔ ”اُسے کس طرح کھیلتے ہوں گے۔!“  
 ”چلو میدان میں....!“  
 ”یہاں نہیں....!“  
 ”کیوں نہیں....!“  
 ”تم نے دیکھا نہیں.... ملازم کس طرح ہنس رہے تھے تمہیں گلی ڈنڈا بناتے دیکھ کر۔!“  
 ”خوش ہو رہے تھے ہم لوگ قومی چیزیں دیکھ کر خوشی سے پاگل ہو جاتے ہیں۔!“  
 ”پھر بھی یہاں نہیں.... کہیں اور چلیں.... تم جب سے یہاں آئے ہو باہر نہیں نکلے۔!“  
 ”یہاں سے بیس میل کے فاصلے پر میری شکار گاہ ہے.... وہیں چلتے ہیں۔!“  
 ”شکار گاہ....؟“  
 ”ہاں ہاں.... تمہیں حیرت کیوں ہے اُس رات ہم وہیں سے آرہے تھے۔!“  
 ”کیا اس پر بھی روشنی کا قبضہ ہے۔!“

”میری زندگی میں کسی چیز پر بھی کسی کا قبضہ نہیں۔!“  
 ”اچھا تو چلو.... لیکن ہم شام سے پہلے واپس آجائیں گے۔!“  
 ”اب تو نہیں جائیں گے....!“ دفعۃً عبدالمنان کا موڈ بگڑ گیا۔  
 ”کیوں کیا ہوا....؟“

”تم نے یہ کیوں کہا کہ نوکر مذاق اڑائیں گے۔!“  
 ”ارے وہ ایسے ہی انداز میں ہنس رہے تھے۔!“

”مجھے ایسے لوگ ناپسند ہیں جو دوسروں کی رائے سے متاثر ہو کر کوئی کام نہ کر سکیں۔!“  
 ”اچھا.... چلو باہر.... ویسے شکار گاہ بڑی خوبصورت جگہ ہوگی۔!“  
 ”وہ پھر کبھی دکھا دوں گا.... لیکن گلی ڈنڈا ہمیں ہوگا۔!“

”چلو بھی.... میرے خیال میں تو یہ یقیناً کوئی مضحکہ خیز کھیل ہوگا۔ اسی لئے وہ لوگ نہ رہے تھے۔!“

”پرواہ نہیں.... میں اکیلے کھیلوں گا میری قومی رگ پھڑک اٹھی ہے۔!“  
 عبدالمنان نے گلی ڈنڈا سنبھالا اور باہر نکل گیا۔

رینا نے شانوں کو جنبش دے کر برابر سامنے بنایا اور وہ بھی چل پڑی۔ پرنس کے بارے میں اُس نے یہ رائے قائم کی تھی وہ بہت ہی اعلیٰ قسم کا سکی ہے۔!

باہر نکل کر اُس نے دیکھا کہ وہ زمین پر اکڑوں بیٹھا ہوا مٹی کھود رہا ہے۔

”یہ کیا کر رہے ہو....؟“ وہ قریب پہنچ کر بولی۔

”بل بنارہا تھا....!“ وہ اٹھتا ہوا بولا۔

”پھر بل پر گلی رکھ کر ڈنڈا سنبھالا اور اس سے پیچھے ہٹتے چلے جانے کو کہا۔

”بس وہیں رک جاؤ.... اب میں گلی اچھالوں گا.... اگر تم کبچ کر سکیں تو سمجھو میں آؤ

ہو گیا۔ ورنہ پھر تمہیں ڈنڈے پر نشانہ لگانا پڑے گا۔ بس چلو تیار....!“

اُس نے گلی اچھالی.... لیکن رینا کبچ نہ کر سکی۔ اس نے ڈنڈا بل سے ایک ڈنڈے کے فاصلے

رکھ دیا۔ اور چیخ کر بولا۔ ”اب گلی اس طرح پھینکو کہ ڈنڈے سے آگے.... میں آؤٹ ہو جاؤں گا۔

اس نے گلی پھینکی لیکن وہ ڈنڈے سے نہ لگی۔

پرنس بچوں کے سے انداز میں قلعاری مار کر ہنسا اور کھیل شروع کر دیا۔

گلی پہ نہ نہیں کہاں سے کہاں پہنچی.... ساتھ ہی وہ رینا سے دوڑنے کو کہتا جا رہا تھا۔ تین شاٹ لگانے کے بعد اُس نے کہا۔ ”میں ڈنڈا رکھنے جا رہا ہوں۔ اب تمہیں یہاں سے نشانہ لگانا پڑے گا۔ ر آؤٹ کر دیا تو پھر تم کھیلو گی۔!“

”ڈنڈا کہاں رکھو گے۔!“

”وہیں بل کے قریب!“

”میرے فرشتے بھی اتنی دور نہ پھینک سکیں گے۔!“ رینا طویل سانس لے کر بولی۔ اتنے میں سے اپنی رہائشی عمارت کے قریب سبز رنگ کی ایک گاڑی دکھائی دی۔

”اوہ.... یہ کمبخت کہاں سے آ رہا....!“ وہ بڑبڑائی۔

”کون ہے....؟“

”میرے بھائیوں کا ایک دوست.... آٹو موبائیل انجینئر ہے۔ اکثر ادھر سے گذرنا رہتا ہے در کرے گا۔“

”تم کھیلو.... جہنم میں جائے وہ....!“

”نہیں یہ بُری بات ہے۔! ہمیں فی الحال واپس چلنا چاہئے۔ شام کو کھیلیں گے۔!“

”جھاڑو پھیر واس پر.... میرے قومی جوش پر پانی نہ پھیرو۔!“

”چلو....!“ وہ اس کا بازو پکڑ کر کھینچتی ہوئی بولی۔

پرنس مردہ چال سے اس کے ساتھ چلنے لگا اور وہ بولی۔

”اس کھیل میں بہت زیادہ دوڑنا پڑتا ہے۔ میرے بس سے باہر ہے کوئی آسان سا قومی کھیل بتاؤ۔!“

”گولیاں کھیلو گی....؟“ پرنس نے پوچھا۔

”یہ کیا ہوتا ہے....!“

”تم لوگوں نے اس کھیل کو انٹار ج کر کے بلیر ڈنڈا لیا ہے۔!“

”دوڑنا نہیں پڑتا اس میں....!“

”نہیں بیٹھ کر کھیلتے ہیں۔!“

”تب تو ٹھیک ہے.... یہی کھیلیں گے۔!“

گاڑی سے ایک آدمی اتر اترھا اور وہیں رک اُن کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

”دیکھو پرنس....! یہ آدمی اکثر نشے میں بھی ہوتا ہے۔ لہذا اس کی باتوں کا برا نہ ماننا۔“

”اگر اس نے میرے جذبات کو نہیں پہنچائی تو میں قطعی برا نہ مانوں گا۔ اگر کسی ہنس کھ

آدمی کو نشہ ہو جائے تو مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔“

”لیکن تم کیوں نہیں پیتے....!“

”اس کا تعلق میرے مذہب ہی جذبات سے ہے۔“

”ہاں میں نے سنا ہے.... کٹر مسلمان شراب نہیں پیتے....!“

”خیر میں کٹر تو نہیں ہوں.... کٹر ہوتا تو تمہارے ساتھ گلی ڈنڈا نہ کھیل رہا ہوتا.... ک

مسلمان غیر عورت کے سائے سے بھی بدکتا ہے۔“

”اچھا بس اب خاموش رہو....!“

وہ گاڑی کے قریب پہنچ چکے تھے۔ نوادر دینا ہی کی طرح سفید فام تھا۔

وہ لہک کر ان کی طرف بڑھا۔

”ہیلو.... ریٹا....!“

”ہیلو.... ٹام....!“

”نوادر نے سوالیہ نظروں سے پرنس کی طرف دیکھا۔“

”یہ میرے دوست پرنس عبدالمنان ہیں اور یہ ولیم ٹومپسن میرے بھائیوں کے دوست ہیں۔“

”تمہارا نہیں....؟“ اُس نے لگاوٹ کے انداز میں سوال کیا۔

”چلو اندر چلو....!“

”جیری اور جرمی کہاں ہیں....؟“ اس نے پرنس سے مصافحہ کرتے ہوئے پوچھا۔

”وہ اس وقت موجود نہیں ہیں....!“ ریٹا نے کہا۔ یہ چیف ہی کی ہدایت تھی کہ اُن دونو

کے اچانک غائب ہو جانے کو شہرت نہ دی جائے۔

نوادر بیچ بچ کسی قدر نشے میں تھا۔ وہ نشست کے کمرے میں آئے۔

ریٹا محسوس کر رہی تھی کہ وہ پرنس کو کینہ تو ز نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ وہ اُن لوگوں میں سے تھ

یہ سمجھتے ہیں کہ سفید فام اقوام کو خدا نے دست خاص سے بنایا ہے اور وہ اس کی ارفع ترین تخلیق ہیں۔

”میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم جیسی اچھے نمیش کی لڑکی کسی مقامی آدمی کو دوست بنائے

گی۔“ اس نے بالآخر کہا۔

ریٹا نے پرنس کی طرف دیکھا.... وہ ہنس پڑی.... پھر بولی۔

”پرنس بہت شائستہ آدمی ہیں۔“

”جی نہیں....!“ پرنس ناک بھونچھا کر بولا۔ ”میں بھی دوسرے مقامیوں کی طرح بہت

گھٹیا آدمی ہوں۔ بلکہ سرے سے آدمی ہی نہیں ہوں۔“

”اوہ.... تم برا مان گئے پرنس.... ہنسی کی بات تھی۔“ ریٹا بولی۔

”پرنس....!“ نوادر حماقت آمیز لہجے میں بولا۔ ”اس پر تو میں نے دھیان ہی نہیں دیا تھا کہ

پرنس ہیں۔ ہاؤ ڈیو ڈو یور ہائی نس....!“

”فائن....!“ پرنس کا لہجہ بھی اچھا نہیں تھا۔

”تم کیا پیو گے ٹام....!“ ریٹا جلدی سے بول پڑی۔

”جو بھی مل جائے.... میں بہت پیاسا ہوں۔“

وہ وہاں سے اٹھ کر ڈائیننگ روم میں آئی اور ریفریجریٹر سے بیئر کی ایک بوتل نکال کر ملازم کو دی۔

خود ڈرائنگ روم میں واپس آئی تو ان دونوں کے درمیان تیز کلامی کا آغاز ہو چکا تھا۔

وہ ولیم ٹامپسن کے چھپھورے پن سے بخوبی واقف تھی۔

”کیا بات ہے بھی....! تم لوگ چیخ رہے ہو۔“ اس نے زبردستی ہنس کر کہا۔

”یہ بے وقوف آدمی مجھے سمجھانے کی کوشش کر رہا ہے کہ میں شراب نہ پیا کروں۔“ ٹام

غریب۔ ”تم جانتی ہو کہ اسی بات پر فادر جو شوا سے میری لڑائی ہو گئی تھی۔“

”لڑائی کا انجام کیا ہوا تھا....!“ پرنس نے پوچھا۔ پھر ہنس کر بولا۔ ”مجھے یقین ہے کہ فادر

جو شوا نے تمہاری پٹائی کر دی ہوگی۔“

”بکو اس بند کرو....!“ ٹام منھیاں بھینچ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

”ارے ارے یہ کیا حماقت ہے بیٹھ جاؤ....!“ ریٹا بوکھلا کر آگے بڑھتی ہوئی بولی۔

”کوئی خاص بات نہیں ہے۔“ پرنس نے ہنس کر کہا۔ ”شائد مجھے اب فادر جو شوا کی جگہ

سنجھانی پڑی گی۔“



”میں کہتی ہوں نام بیٹھ جاؤ.... اور پرنس تم خاموش رہو!“

”میں بالکل خاموش ہوں....!“ پرنس نے کہا اور لا پرواہی سے دوسری طرف دیکھنے لگا۔

نام ہانپتا ہوا بیٹھ گیا۔ اتنے میں ملازم نے بیئر کی ٹرے میز پر رکھ دی۔

پرنس اپنی کرسی وہاں سے کافی فاصلے پر لے گیا۔

”تم دیکھ رہی ہو....!“ نام غرا کر رینا کی طرف مڑا۔

”اونہ ختم کرو.... تم بیو.... اُسے ہٹ جانے دو....!“

”یہ میری توہین ہے.... میں اسے مزا پکھاؤں گا!“

رینا نے بوتل کھولی اور گلاس میں انڈیلنے لگی.... پھر وہ بے تکلیکواس کرتا اور بیئر پیتا رہا۔

اس دوران میں ایک بار بھی اس نے اپنے دوستوں کے بارے میں کچھ نہ پوچھا۔

پرنس اس ماحول سے قطعی بیگانہ نظر آ رہا تھا۔

دفعتاً نام نے رینا سے کہا۔ ”آج موسم برا خوش گوار ہے۔ میرے ساتھ کہیں چلو!“

”مجھے افسوس ہے کہ میں فی الحال کہیں نہ جاسکوں گی!“

”یہ کیا بات ہوئی!“

”سچ سچ.... مجھے کچھ ضروری کام انجام دینے ہیں!“

”کام پھر کر لینا.... آج تو چلو....!“ وہ آگے جھک کر اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

اس انداز میں رینا کو اتنا گھٹیا پن محسوس ہوا کہ وہ جھنجھلا گئی۔

”نہیں....! میں نہیں جاسکتی!“ اس بار اس کا لہجہ سخت تھا۔

”تم اس گدھے کو یہاں چھوڑ کر میرے ساتھ نہیں جانا چاہتیں!“ نام پرنس کی طرف ہاتھ

اٹھا کر بولا۔

”بہت ہو گیا!“ پرنس اچھل کر کھڑا ہو گیا اور بہت ہی نرم لہجے میں بولا۔ ”اب یہ تمہاری

توہین کر رہا ہے اسے میں برداشت نہیں کر سکتا!“

”تم کیا بگاڑ لو گے میرا....!“ نام بھی اٹھتا ہوا بولا۔

”تمہیں اٹھاؤں گا اور گاڑی میں رکھ آؤں گا!“ پرنس نے نرمی سے جواب دیا۔ اس کے لہجے

میں جھلپٹ یا غصے کا شائبہ بھی نہیں تھا۔

”نام تم واقعی حد سے بڑھ رہے ہو!“ رینا غصیلے لہجے میں بولی۔ ”ہمارے درمیان کبھی اتنی

بے تکلفی نہیں رہی۔ تمہارے اس لہجے کو جبری اور جرمی بھی برداشت نہ کر سکتے!“

”کوئی شریف آدمی نہیں برداشت کر سکتا محترمہ....!“ پرنس نے آہستہ سے کہا۔

”میں تمہیں جان سے مار دوں گا!“ نام گھونٹہ تان کر پرنس پر جھپٹ پڑا۔

پرنس نے بڑی پھرتی سے اس کا وار خالی دے کر اس کی گردن پر ہاتھ مارا۔ لیکن اُسے منہ کے

بل فرش پر نہ گرنے دیا۔ وہ گری رہا تھا کہ بجلی کی سی سرعت سے اُسے اپنے دونوں ہاتھوں سے

سنبھال کر سر سے اونچا اٹھالیا۔

رینا بے حس و حرکت کھڑی دیکھتی رہی۔ یہ سب کچھ اتنی جلدی میں ہوا تھا کہ وہ دخل

اندازی بھی نہیں کر سکی تھی۔

پرنس اس کو اسی طرح اٹھائے ہوئے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

رینا کی زبان کنگ ہو گئی تھی۔ وہ بھی غیر ارادی طور پر اس کے پیچھے چل رہی تھی۔

نام اس کے ہاتھوں میں بالکل بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے بیہوش ہو گیا ہو۔

وہ اس کو اسی طرح اٹھائے ہوئے باہر نکل آیا اور گاڑی کے قریب پہنچ کر رینا کی طرف مڑے

بغیر بولا۔ ”ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول دو....!“

رینا نے بے چون و چرا تعمیل کی اور پھر وہ اسے دروازے سے ٹھونسنے کی کوشش کرنے لگا۔

نام سچ سچ بے ہوش ہی لگ رہا تھا۔ اُسے سیٹ پر اسٹیرنگ کے سامنے بٹھادینے کے بعد پرنس

نے ایسے ہی اطمینان سے دروازہ بند کیا تھا جیسے کسی معزز مہمان کو رخصت کر رہا ہو۔

رینا نے مڑ کر دیکھا.... تینوں ملازم برآمدے میں کھڑے حیرت سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

”اب یہ ہوش میں آکر یہاں سے رخصت ہو جائے گا تو پھر گلی ڈنڈا جمائیں گے!“ پرنس نے

احقانہ انداز میں ہنس کر کہا۔

”اے.... کک.... کیا ہو گیا ہے....!“ رینا ہکلائی۔

”میرا خیال ہے بیہوش ہو گیا ہے۔ ابھی ٹھیک ہو جائے گا۔“ پرنس نے لا پرواہی سے کہا اور

ہاتھ کھڑکی سے اندر لے جا کر نام کی گدی سہلانے لگا۔ اس کا سر پشت گاہ سے نکا ہوا تھا اور

آنکھیں بند تھیں۔

طرح گھگھار ہاتھ جیسے وہ اُس کے ہاتھ پیر توڑ دینے کا ارادہ رکھتی ہو۔  
 ڈرائیگ روم میں پہنچ کر وہ کرسی میں گر گئی۔  
 پرنس خاموش کھڑا اُسے پُر تشویش نظروں سے دیکھتا رہا۔  
 ”اب کیا سوچ رہے ہو۔۔۔!“ رینا بالآخر بولی۔  
 ”کیا تمہاری طبیعت خراب ہے۔!“ پرنس نے سوال کیا۔  
 ”میں سوچ رہی ہوں کہ نام بہت کینہ توڑ آدمی ہے۔!“  
 ”تو اس میں میرا کیا قصور۔۔۔!“  
 ”تمہیں بہت ہوشیار رہنا پڑے گا۔! وہ میرے ملک کے ایک ایسے خطے کا باشندہ ہے جہاں کے لوگ معاف کرنا تو جانتے ہی نہیں۔ درندگی میں ان کا جواب روئے زمین پر نہ مل سکے گا۔!“  
 ”اس واقعہ کو بیس منٹ سے زیادہ گزر چکے! لہذا اب میں اس کے متعلق کسی قسم کی بھی گفتگو پسند نہیں کروں گا۔ گلی ڈنڈے کی بات کر دو۔۔۔!“  
 ”مجھے یقین نہیں آتا کہ تم وہی آدمی ہو۔ اس بد مزاج عورت کے ڈر پوک شوہر۔!“  
 ”رینا پلیز۔۔۔!“ وہ احتجاجاً ہاتھ اٹھا کر بولا اور خود بھی سامنے والی کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔  
 اس کے چہرے پر دفعتاً مدنی سی چھا گئی تھی۔ کچھ دیر پہلے ستاروں کی طرح دسکنے والی آنکھیں حیرت انگیز طور پر دھندلا گئی تھیں۔!  
 رینا اُسے بغور دیکھتی رہی۔ پھر تیزی سے اٹھتی ہوئی بولی۔ ”ارے یہ کیا ہو گیا تمہیں۔!“  
 ”کچھ نہیں۔۔۔!“ اس نے پھنسی پھنسی سی آواز میں کہا اور خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔  
 ”واقعی تم حیرت انگیز ہو۔!“  
 وہ کچھ نہ بولا۔ بے بسی سے اُس کی طرف دیکھتا رہا۔  
 ”تمہارا جیسا بے جگر آدمی کسی عورت سے اس حد تک متاثر ہو یہ کسی طرح بھی درست نہیں۔ کیوں اپنی زندگی برباد کر رہے ہو۔!“  
 ”میں نے تم سے درخواست کی تھی کہ اس کا نام مت لیا کرو۔!“ وہ مضحل سی آواز میں بولا۔  
 ”نام لینے سے کیا ہوتا ہے۔!“  
 ”میرے ذہن کو جھٹکا سا لگتا ہے اور طاقت جواب دینے لگتی ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ ایسا

”آخر یہ کیونکر ہوا۔۔۔!“ رینا آگے بڑھ کر بولی۔  
 ”مجھے خود نہیں معلوم!“ پرنس نے لاپرواہی سے کہا۔ ”ہو سکتا ہے میرا ہاتھ زور سے پڑ گیا ہو۔!“  
 ”اس کو یہاں سے چلا جانا چاہئے۔!“ رینا نے مضطربانہ انداز میں کہا اور مڑ کر نوکروں کی طرف دیکھنے لگی۔  
 ”فکر نہ کرو جلد ہی ہوش میں آئے گا۔!“  
 ”لیکن اگر ہوش آنے پر پھر جھگڑا شروع کر دیا تو۔۔۔؟“  
 ”تو پھر اس بار گاڑی سمیت اٹھا کر سڑک تک پہنچانا پڑے گا۔!“  
 ”مجھے حیرت ہے تم آخر ہو کیا چیز۔۔۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔!“  
 ”کبھی کبھی میں بالکل ہی پاگل ہو جاتا ہوں۔!“  
 ”لیکن۔۔۔!“ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ کیونکہ نام کے جسم میں جنبش ہوئی تھی۔  
 پرنس کھڑکی کے پاس سے ہٹ کر گاڑی کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔  
 نام نے آنکھیں کھولیں۔۔۔ تھوڑی دیر تک خلاء میں گھورتا رہا۔ پھر ڈیش بورڈ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ رینا خاموش کھڑی رہی۔  
 اس نے رینا کی طرف دیکھے بغیر انجن اسٹارٹ کیا اور گاڑی جھینکے کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔  
 رینا نے پرنس کی طرف دیکھا جو احمقانہ انداز میں دور ہوتی ہوئی گاڑی کو گھورے جا رہا تھا۔ پھر وہ چونکا اور رینا سے بولا۔ ”چلو اب تم کو گلی ڈنڈے کا دوسرا طریقہ سکھاؤں۔ یہ کھیل کئی طرح کھیا جاتا ہے۔ اب جو طریقہ بتاؤں گا اس میں گلی کے آگے دوڑنا پڑتا ہے۔۔۔ اگر کوئی بھی شات تم نے کچھ کر لیا تو میں آؤٹ۔۔۔!“  
 ”خدا کے لئے خاموش رہو۔۔۔ ورنہ شاید اب میں بیہوش ہو کر گر جاؤں۔!“  
 ”کیوں۔۔۔؟“ بڑے بھولے پن سے سوال کیا گیا۔  
 ”اندر چلو۔۔۔!“ وہ برآمدے کی طرف مڑتی ہوئی بولی۔  
 وہ سوچ رہی تھی یہ وہی آدمی تو ہے جو پچھلے دنوں ایک لپانچ کی حیثیت سے اس کے رحم و کرم پر پڑا ہوا تھا اور آج اس نے نام جیسے ہٹے کئے آدمی کی یہ درگت بنائی۔  
 اُسے اُس رات کا منظر بھی یاد آیا جب روشنی اُسے خواب گاہ میں دوڑاتی پھر رہی تھی اور وہ اس

کیوں ہے۔“

”تھوڑی سی نفسیات میں نے بھی پڑھی ہے۔ لیکن تمہارا کیس بالکل انوکھا ہے۔! آخر اس مرض کو کیا نام دیا جائے۔!“

”میں نہیں جانتا۔!“

”تو پھر اب تم کس طرح معمول پر آؤ گے۔!“

”میں نہیں جانتا.... کچھ نہیں جانتا۔!“

”اچھا چلو.... گلی ڈنڈا کھیلیں۔!“

”موڈ تباہ کر دیا تم نے.... اب اس وقت مجھ سے کچھ بھی نہیں ہو سکے گا۔!“



صفدر سانیکو مینشن ہی میں مقیم تھا۔ اس کا زخم کافی گہرا ثابت ہوا تھا۔ اس لئے اسے ہدایت کی گئی تھی کہ وہ صرف آرام کرے۔

اس عمارت کی نگرانی چوہان اور خاور کر رہے تھے جہاں سے صفدر زخمی حالت میں فرار ہوا تھا۔ یہ ساحلی علاقے کی ایک عمارت تھی۔ یہاں کی آبادی زیادہ گھنی نہیں تھی۔ عمارتیں ایک دوسری سے فاصلے پر واقع تھیں اور ابھی یہاں تعمیر کا کام جاری تھا۔ اسے ایک زیر تعمیر بستی کہنا مناسب ہوتا۔ اس عمارت کے قریب بھی ایک پلاٹ کی بنیادیں بھری جا رہی تھیں۔ اس لئے خاور اور چوہان کو مزدوروں میں شامل ہونے کا موقع مل گیا۔

کام کا سلسلہ اس عمارت کی کمپاؤنڈ تک پھیلا ہوا تھا۔ چوہان اور خاور کمپاؤنڈ کے قریب ہی تھے وہ لوہے کی سلاخیں سیدھی کرنے میں لوہار کو مدد دے رہے تھے۔

یہاں سے پھانک کی نگرانی بخوبی کی جاسکتی تھی۔ انہوں نے صبح ہی صبح پھانک میں ایک گاڑی داخل ہوتے دیکھی جسے ایک پادری ڈرائیو کر رہا تھا۔ سفید قام آدمی تھا۔ اس کی سیاہ گھنی ڈاڑھی نے اس کے چہرے کو پُر تقدس بنادیا تھا۔ آنکھوں پر تاریک شیشوں کی عینک تھی۔

پھر کچھ دیر بعد ایک ٹرک پھانک پر آکا۔ پھانک سے گذر کر اندر نہیں جاسکتا تھا کیونکہ اس کی چوڑائی پھانک کی چوڑائی سے زیادہ تھی۔

”کیا چکر ہے....؟“ چوہان بڑبڑایا۔

”میرا خیال ہے وہ لاش کو یہاں سے نکال لے جانے کی فکر میں ہیں۔!“

”لاش....؟“

”صفدر کا خیال ہے کہ اس نے مار ڈالنے کی حد تک اس کا گلا گھونٹ دیا تھا۔!“

”ممکن ہے....! لیکن کچھ دیر پہلے ایک پادری بھی تو اندر گیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ اُسے

تابوت میں لے جائیں گے اور کسی قبرستان میں دفن کر دیں گے۔!“

چوہان کچھ نہ بولا۔

کچھ دیر بعد خاور کے شعبے کی تصدیق ہو گئی۔ اندر سے ایک تابوت لایا گیا تھا اور اب ٹرک پر رکھا جا رہا تھا۔ لیکن اٹھانے والوں کی کمی کی بناء پر وہ اس میں کامیاب نہ ہوئے۔!

پادری کے علاوہ دو سفید قام آدمی اور بھی تابوت کے ساتھ تھے۔ لیکن انہوں نے تابوت میں ہاتھ نہیں لگایا تھا دو مقامی آدمی اُسے اندر سے اٹھا کر لائے تھے۔ اور اب وہی اُسے ٹرک پر چڑھانے کی بھی کوشش کر رہے تھے۔ دفعتاً پادری مزدوروں کی طرف مڑ کر دیکھنے لگا۔

چوہان نے اٹھنا ہی چاہا تھا کہ خاور اُس کا زانو دبا کر بڑبڑایا۔ ”خود سے نہیں۔ اگر وہ بلائے تو۔!“

اتنے میں پادری کچھ اور قریب آکر بولا۔ ”میرے بچو! کیا تم اپنے بھائیوں کی مدد نہ کرو گے۔!“

وہ لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ لوہار بھی اُن کے ساتھ ہی تابوت کی طرف بڑھتا چلا گیا۔

اُن سبھوں نے تابوت کو ٹرک پر رکھوا دیا۔

”اگر آگے بھی ضرورت ہو تو.... انہیں بھیج دوں۔!“ لوہار نے چوہان اور خاور کی طرف

اشارہ کر کے کہا۔

”نہیں... شکریہ... تم پر برکتیں نازل ہوں۔!“ پادری ہاتھ اٹھا کر بولا۔ وہ لوگ پیچھے ہٹ آئے۔

ٹرک آگے بڑھ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد پادری کی گاڑی بھی نکل گئی۔

”ہم تعاقب بھی نہیں کر سکتے۔!“ چوہان نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے بے بسی سے کہا۔

”ٹرک اور کار کے نمبرز ذہن نشین کر لو.... اتنا ہی کافی ہے۔!“ خاور بولا۔

پھانک پر ایک دیسی ملازم کھڑا گاڑیوں کو جاتے دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی وہ نظروں سے اوجھل ہوئیں

وہ واپسی کیلئے پھانک میں مڑنے لگا۔ لیکن اس سے پہلے ہی چوہان اور خاور اسکے پاس پہنچ چکے تھے۔

”کون مر گیا بھائی....؟“ خاور نے اس سے پوچھا۔

”صاحب.....!“ وہ گلوگیر آواز میں بولا۔ ”رات اچانک ہارٹ فیل ہو گیا۔!“

”انگر جن تھے.....!“

”نہیں پھلپائن کے.....!“

”کیا کرتے تھے.....؟“

”مشینوں کا دھندا تھا.....!“

”بیوی بچے ہیں.....!“

”نہیں وہ ملک میں ہیں۔!“

”بڑا افسوس ہوا.....!“ دونوں نے بیک وقت کہا اور ملازم واپسی کے لئے مڑ گیا۔

وہ پھر اپنے کام پر واپس آئے۔ خاور کو ہدایت ملی تھی کہ وہ صرف نگرانی کرتا رہے کسی کا تعاقب کرنے کی ضرورت نہیں۔ چوہان کو اس کا علم نہیں تھا۔ اُسے صرف خاور کے مشوروں پر عمل کرنا تھا۔

ان میں لیفٹیننٹ صدیقی موجود نہیں تھا اور وہ اسی کے منتظر تھے۔ صفدر کا زخم مندمل ہونے لگا تھا اور اس کی جہز لکنڈیشن بھی ٹھیک ہی تھی۔ اس لئے وہ بھی موجود تھا اور اس نے اُن تینوں کی کہانی چھیڑ رکھی تھی جن کی نگرانی کے دوران میں وہ اُن لوگوں کی نظروں میں آگیا تھا۔ کچھ دیر خاموش رہ کر اس نے کہا۔

”ہاں پر اُن میں سب سے نمایاں ہے۔! کیونکہ وہ ایک بہت اچھا مصور ہے۔ آرٹ کو نسل کے کارکنوں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ ابھی حال ہی میں اس کی تصاویر کی نمائش بھی ہو چکی ہے۔ جو بہت زیادہ کامیاب رہی تھی۔“

”دلبر سنا کس تصویروں کے فریم بنا کر اسی کے پاس تو پہنچایا کرتا تھا۔!“ جولیا بولی۔

”بقیہ دو آدمی کون ہیں.....!“ چوہان نے پوچھا۔

”دونوں آٹو موبائل انجینئرز ہیں۔!“ صفدر بولا۔ ”ایک کا نام کرسٹوفر بلکسلے ہے اور دوسرے

کو موبی ٹرنز.....!“

اتنے میں صدیقی آگیا اور وہ سب خاموش ہو گئے۔

”کیا رہا.....؟“ جولیا نے اُس سے پوچھا۔

”ہاں ایک پادری کی ہے۔ نام فرڈی ہنڈ..... ایک غیر ملکی تبلیغی جماعت کا سربراہ ہے اور مرنے والا پاپاؤن کا باشندہ تھا۔ جارج تھیو نام تھا۔ ایک جاپانی فرم کا نمائندہ تھا۔ ٹرک بھی اسی تبلیغی اعلیٰ کی ملکیت ہے۔!“

”بڑا لمبا چوڑا جال پھیلا یا ہے۔ ان لوگوں نے۔“ صفدر بولا۔

”ضروری نہیں کہ پادری بھی ان سے متعلق ہو۔!“ جولیا بولی۔

اس کے اس خیال پر کسی نے رائے زنی نہیں کی تھی۔!

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی۔ جولیا نے ہاتھ بڑھا کر ریسپورڈ اٹھالیا۔

”اوہ ہیلو.....!“ وہ مسکرائی۔ ”ہاں..... ہاں..... اوہ..... اچھا..... میں بھلا کیا مشورے دے

تی ہوں۔ جو مناسب سمجھو کرو..... تم نے تو اُسے بہت قریب سے دیکھا ہے۔ وہ اکثر فخریہ کہا کرتا ہے کہ اُس نے تمہیں اپنی ٹرڈ کاپی بنا دیا ہے۔ ہاں ہاں ٹھیک ہے..... اچھا..... ہاں..... خود ہتادی بحال رکھو۔!“

ریسپورڈ کر ڈیل پر رکھ کر ہنسی ہوئی دوسروں کی طرف مڑی۔

”کون تھا.....!“ صفدر نے پوچھا۔

”ظفر الملک.....! عمران کے فلیٹ میں..... زندگی سے تنگ سلیمان اور جوزف اس کا دماغ

ہاں رہے ہیں اور اب مسٹر رحمان نے گھر پر طلب کیا ہے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ عمران کی گھریلو زندگی

کے بارے میں وہ کچھ بھی نہیں جانتا۔ مسٹر رحمان سے کیونکر پچھنے گا۔!“

”کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔!“ صفدر بڑبڑایا۔

”کیا ہو رہا ہے.....؟“ تنویر آنکھیں نکال کر بولا۔ ”وہ شیخ چلی مصیبتیں تلاش کر کے لاتا ہے

در ایکس ٹو کے سر منڈھ دیتا ہے۔!“

”لیکن وہ ہے کہاں.....؟“ جولیا نے صفدر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”مجھے علم نہیں۔!“

”تم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہو۔!“

”خواہ خواہ میرے بیان پر شبہ نہ کرو۔!“

”ہوگا.....!“ جولیا اٹھتی ہوئی بولی۔ ”آٹھ بجنے والے ہیں۔ میں آپریشن روم میں جا رہی

”پھول گلدان میں سجایا جائے گا تو پھر کیا اپنا مغز پکاؤں گا۔ آج نانے کا دن ہے گوشت نہیں ملا۔“  
”مرغ....!“

”جی.... ای.... ای.... ای....“ سلیمان کی آنکھیں حلقوں سے اُبل پڑیں۔  
ظفر نے فوراً اندازہ کر لیا کہ شاید عمران سے اس قسم کا مشورہ غیر متوقع ہو گا۔ لہذا فوراً سنبھل کر  
”ناکام خودکشی کے بعد سے زبان کچھ چٹوری ہو گئی ہے۔ چٹ پٹی چیزیں کھانے کو دل چاہتا ہے۔“  
”ایک بار پھر کوشش کیجئے جناب عالی.... تاکہ یہ ذوق اور پختہ ہو جائے۔“  
ظفر نے پرس سے دس کا ایک نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”بھاگ جاؤ....!“

”ڈیڑھ ماہ بعد مرغ نصیب ہو رہا ہے۔ اللہ شکر ہے تیرا....!“  
”اسی طرح دوسروں کے سامنے بھی تو بکواس کرتا ہو گا۔!“  
سلیمان پھر حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اُسے دیکھنے لگا۔  
”کیا ہے....؟“

”آپ تو بالکل ہی بدل گئے ہیں صاحب۔!“  
”کیا مطلب....؟“

”یہی کہ.... دوسروں کے سامنے کہنے سننے والی بات.... آپ کو کب پرواہ ہوتی تھی چاہے  
میں چور ہے پر کھڑا ہو کر فریاد کرتا۔!“

”واقعی!“ ظفر خیالات میں کھو جائیکی ایک ننگ کرتا ہوا بڑبڑایا۔ ”کیا میں سچ بچ بدل گیا ہوں۔!“  
پھر چونک کر بولا۔ ”اوہ.... مردود تم سچ بچ چاہتے تھے کہ میں مر جاؤں۔!“  
”اب مجھے اجازت دیجئے کہ میں جا کر مرغ لے آؤں.... ورنہ دیر ہو جانے پر صرف ہڈیاں  
در پہلیاں ہاتھ آئیں گی۔!“

”ہاں.... جاؤ.... ہڈی ایک بھی نہ ہونی چاہئے۔!“ وہ ہاتھ ہلا کر بولا۔

اتنے میں فون کی گھنٹی بجی.... اور اُس نے ہاتھ بڑھا کر ریسور اٹھالیا۔

دوسری طرف سے رحمان صاحب کی آواز آئی۔ ”تم ابھی تک نہیں پہنچے۔!“

”جی.... وہ سینے میں شدید درد.... میرا خیال ہے نمونیا ہو گیا ہے۔!“

ہوں۔ دن بھر کی رپورٹ دینی ہے۔ تم لوگ یہیں ٹھہرو گے ہو سکتا ہے کچھ ہدایات ملیں۔!“  
ان دنوں ایکس ٹو سے ایک مقررہ وقت پر صرف ٹرانس میٹر کے ذریعہ رابطہ قائم کیا جاسکتا تھا۔



ظفر الملک بحیثیت عمران اتنے شدید زکام میں مبتلا تھا کہ آواز بیٹھ گئی تھی۔ گفتگو کر سکتا تھا لیکن  
حلق سے ایسی آواز نکلتی تھی جیسے کسی مینڈک کو برحت پروردگار نطق انسانی نصیب ہو گیا ہو۔  
اس وقت وہ نشست کے کمرے میں ناشتہ کر رہا تھا۔ سلیمان میز پر ناشتہ لگا کر تکراریاں  
خریدنے نیچے چلا گیا تھا۔

واپسی پر ظفر نے اُس کے ہاتھوں میں ایک بڑا سا گو بھی کا پھول دیکھا۔

”ٹھہرو....!“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔

سلیمان رک گیا۔

”اسے کہاں لئے جا رہے ہو۔!“

”باورچی خانے میں۔!“ سلیمان نے خوش ہو کر جواب دیا۔

”نہیں.... اسے گلدان میں سجادو....!“

”گلدان میں....!“

”ہاں.... کفایت شعاری سکھا رہا ہوں تجھے۔! آج اس سے سجاوٹ کا کام لے۔ کل ہانڈی کی

نذر کر دیجو....!“

”میں صدقے قربان.... آپ بولے تو....!“ سلیمان کی باغچیں کھلی ہوئی تھیں۔

”میری آواز بیٹھ گئی ہے۔!“

”خدارا.... مجھے بتائیے کہ آپ نے خودکشی کی کیوں کوشش کی تھی۔!“

”خودکشی ہی کاموڈ تھا۔!“

”تو پھر بچ کیوں گئے....؟“

”اوہ.... مردود تو میرا ناشتہ ٹرپ کرنا چاہتا تھا۔!“ ظفر گھونہ تان کر کھڑا ہو گیا۔

”اس سے زیادہ مجھے اس کی فکر تھی کہ اس کا لے کو ایک کوڑی بھی نہ مل سکے۔!“

”جاؤ دوپہر کا کھانا تیار کرو....!“ ظفر نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”آپ کا خیال؟“

”جی ہاں....!“

”گدھے ہو.... فوراً آؤ.... میں گھر پر ہی.... آج آفس نہیں جاؤں گا۔!“

”جج.... جی.... بہت اچھا....!“

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز سن کر اس نے بھی ریسور رکھ دیا۔ سلیمان کمرے سے جا چکا تھا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ اب جانا پڑے گا۔ رحمان صاحب بہر حال عمران کے باپ ہیں اگر انہوں نے پہچان لیا تو۔

جو لیا سے مشورہ لے چکا تھا۔ لیکن رحمان صاحب اسے کیوں بلا رہے ہیں۔ کیا پوچھیں گے؟ ہو سکتا ہے کوئی ایسی بات پوچھ بیٹھیں جس کا علم اسے نہ ہو.... اونہہ دیکھا جائے گا!

پندرہ منٹ کے اندر اندر وہ روانگی کے لئے تیار ہو گیا تھا۔

رحمان صاحب اس کے منتظر تھے۔ دیکھتے ہی پوچھا۔ ”کس کا علاج کر رہے ہو۔!“

”فی الحال سینے پر آئیوڈکس کی مالش کر رہی ہے۔!“

رحمان صاحب نے اسے گھور کر دیکھا.... اور ظفر گڑ بڑا گیا۔

کیا کوئی غلطی ہو گئی.... کوئی ایسی بات جو عمران کے لئے غیر معمولی ہو۔

”خیر تمہارا اپنا معاملہ ہے۔!“ انہوں نے تھوڑی دیر بعد خشک لہجے میں کہا۔ ”تم نے خود کشی کا ڈھونگ کیوں رچایا تھا۔ کیا سیدھی طرح اطلاع نہیں دے سکتے تھے کہ کوٹھی نمبر چھ سو چھیانوہ پولیس کسٹڈی ہونے کے باوجود بھی مجرموں کے استعمال میں تھی۔!“

”مجھے تو نہیں یاد پڑتا کہ میں نے کبھی کوئی بات سیدھی طرح کی ہو۔!“ ظفر نے جی کڑا کر کہا۔ ”اب یہی دیکھئے کہ خود کشی بھی سیدھی طرح نہ کر سکا۔ کبھی کسی کو کہتے سنا تھا کہ غذا بھی اگر اعتدال کے ساتھ نہ ہو تو وہ بھی زہر بن سکتی ہے لہذا حلوہ پوری ٹھونس لیا حلق تک اور پھر پتہ نہیں کیا گھلا ہوا کہ یہ نامعقول غذا ہر بن سکی میرے لئے۔!“

”میں نے تمہیں بکواس کے لئے نہیں بلایا۔!“ رحمان صاحب گرجے ”ظفر الملک کہاں ہے؟“

”ارے باپ رے۔!“ ظفر نے بالکل عمران کی ایکٹنگ کی حالانکہ اپنا نام سن کر وہ چوکری بھول

گیا تھا۔ پھر کچھ سمجھ میں نہ آیا تو ہکٹانے لگا۔

”وہ.... وہ.... حوالات....!“

”بکواس ہے.... اب وہ حوالات میں نہیں ہے۔!“

”پپ پھر کہاں ہے....؟“

”یہ تم بتاؤ گے۔!“

”ام.... ام.... اماں بی کہاں ہیں۔!“

”گھر میں آج میرے علاوہ اور کوئی بھی نہیں ہے۔!“

”یہ تو.... یہ تو.... بہت اچھی بات ہے۔!“ ظفر خوش ہو کر بولا۔

”پھر بکواس شروع کر دی۔!“

”جج.... دراصل.... اب میری دنیا بدل گئی ہے.... اپنے کئے پر نادم ہوں۔ آپ کے

قدموں پر سر جھکاتا ہوں۔!“ ظفر کہتا ہوا اٹھا اور رحمان صاحب کے قدموں پر جھک گیا۔

دفتر رحمان صاحب چونک پڑے۔ پھر.... پھر انہوں نے کرسی پیچھے کھسکائی اور جیب سے

چھوٹا سا براؤنی پستول نکال کر گرجے۔ ”سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔!“

ظفر نے ان کے ہاتھوں میں پستول دیکھا تو ہکا بکا رہ گیا۔

”جج.... جج....!“

”تم عمران نہیں ہو.... وہ مصلحتاً بھی میرے قدموں پر سر نہیں جھکا سکتا۔!“

”بتاؤ تم کون ہو.... ورنہ گولی مار دوں گا۔!“

”آپ کے ہاتھوں مرنا تھا.... بھلا خود کشی کیونکر کامیاب ہوتی۔ اب یہ وقت آگیا ہے کہ

پ بیٹے کو نہیں پہچانتا.... حالانکہ ابھی کل ہی میں نے ایک فلم میں دیکھا تھا۔!“

”اپنی اصلی آواز میں بکواس کرو.... گلارندہ جانے کی ایکٹنگ ختم کر دو.... ورنہ سچ حلق

ناخراشیں پڑ جائیں گی۔!“ رحمان صاحب نے تلخ لہجے میں کہا۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔!“

”جکی بات اگل دو.... ورنہ بہت بُری طرح پیش آؤں گا۔!“

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔!“

”کچھ نہیں.... میرا خیال ہے کہ میں تمہیں پہچان گیا ہوں۔ لیکن تم میرے سوالات کا جواب نہیں دے سکو گے۔ عمران کہاں ہے!“

”جناب عالی پہچاننے مجھے.... ہر چند کہ تالائق ہوں مگر آپ ہی کا بیٹا ہوں۔!“

”اچھی ایکٹنگ کر لیتے ہو.... تم ظفر الملک ہو۔!“

”مرضی کے مالک ہیں... نجم الدولہ اور دبیر الملک... کے خطاب سے بھی نواز سکتے ہیں۔!“

”بیٹھ جاؤ....!“ رحمان صاحب نے تحکمانہ لہجے میں کہا اور پستول پھر جیب میں ڈال لیا۔

ظفر نے طویل سانس لی اور چپ چاپ سامنے والی کرسی پر جا بیٹھا۔

”حوالات سے اپنے فرار کو کوئی غیر معمولی واقعہ نہ سمجھ لینا۔!“

”جو آپ فرمائیں گے وہی سمجھوں گا۔!“ ظفر نے مودبانہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔

”یہ سب کچھ ہمارے علم میں ہے۔!“

ظفر کچھ نہ بولا۔ ”رحمان صاحب کہتے رہے۔ اکثر تمہارے چچا مجھ سے کہا کرتے ہیں کہ عمران نے تمہیں تباہ کر دیا۔!“

”یہ قطعی غلط ہے جناب عالی۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ اب وہ خود میری وجہ سے تباہ ہو جائیں گے۔!“

”کیا مطلب....؟“

”میں ان کے دونوں ملازموں کی عادتیں خراب کئے دے رہا ہوں۔ وہ انہیں جزوری کا سبق دیتے تھے۔ میں روزانہ مرغ پکوانے کا پروگرام بنا بیٹھا ہوں۔!“

”فضول باتیں ختم کرو۔ میرے پاس وقت کم ہے۔!“ رحمان صاحب گھڑی پر نظر ڈالنے ہوئے بولے۔ ”عمران کہاں ہے....؟“

”یقین فرمائیے.... مجھے علم نہیں۔!“

”تم اس کے فلیٹ میں کیوں مقیم ہو۔!“

”مجھے ان کا ایک خط ملا تھا اسی کے مطابق یہ سب کچھ کرنا پڑا تھا۔!“

اس نے رحمان صاحب کے چہرے پر تشویش کے آثار دیکھے۔

”اچھا سنو....!“ وہ تھوڑی دیر بعد متفکرانہ لہجے میں بولے۔ ”جب بھی اس سے ملاقات ہو

میرے پاس بھیج دینا۔ اس سے کہنا یہ ایک قطعی نجی معاملہ ہے.... اس کے معاملات سے اس

کوئی سروکار نہیں۔!“

”میرے لائق کوئی خدمت ہو تو فرمائیے۔!“

”نہیں تمہارے بس کاروگ نہیں۔ اچھا اب جاؤ۔!“

ظفر اٹھ گیا۔ کمپاؤنڈ سے باہر نکل کر اس نے اطمینان کی سانس لی تھی۔

سلیمان اور جوزف اُسے نہیں پہچان سکے تھے۔ لیکن رحمان صاحب کی تیز نظروں سے وہ نہ بچ سکا۔ فٹ پاتھ پر رک کر وہ کسی ٹیکسی کا انتظار کرنے لگا۔ کیا رحمان صاحب کسی دشواری میں پڑ گئے ہیں۔ وہ سوچ رہا تھا۔ کوئی ایسی دشواری جس پر ان کے سرکاری اختیارات بھی قابو نہ پاسکے ہوں۔ عمران جیسے معتب کی ضرورت اس شدت سے محسوس کرنے کا مطلب تو یہی ہو سکتا ہے؟ اسے تو صرف عمران کی ہدایات پر عمل کرنا تھا.... یا پھر اسی کی ہدایت کے مطابق جو لیانا فئٹر دائر کے مشوروں کو عملی جامہ پہنانا تھا۔

کچھ دیر بعد ٹیکسی مل گئی اور وہ فلیٹ میں واپس آگیا۔ جوزف سٹنگ روم میں ایک آرام کرسی پر نیم دراز تھا۔ اُسے دیکھتے ہی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

”کیا بات ہے....؟“

”ڈینی کی کال آئی تھی باس وہ آپ سے ملنے کے لئے بے چین ہے۔!“

”ڈینی....؟ کون ڈینی....؟“

”ڈینی کو بھول گئے باس.... وہی ڈینی جس کے سرکس سمیت تم شکرال گئے تھے۔ اس نے اپنا نمبر نوٹ کرایا ہے۔ کہا ہے جیسے ہی تم آؤ گے اُسے رنگ کر لو۔!“

”تیرا داغ تو نہیں چل گیا۔ میں اتنا بیمار ہوں۔ سینے میں درد ہے گلارندہ گیا ہے۔ میں اُسے رنگ کروں گا۔ ہونہ.... تم خود رنگ کر کے پوچھو کیا بات ہے۔!“

جوزف نے شانوں کو جنبش دی.... اور میز کی طرف بڑھ کر فون پر نمبر ڈائل کرنے لگا۔

”ہلو.... ڈینی.... ہاں.... باس واپس آگئے ہیں۔ لیکن بیمار ہیں۔ سینے میں درد ہے.... گلا

رندہ گیا ہے.... دیر تک گفتگو نہ کرنا.... انہیں تکلیف ہوگی.... اچھا.... اچھا۔!“

جوزف نے خاموش ہو کر ریسور ظفر کی طرف بڑھا دیا۔

”ہلو....!“ ظفر نے پھنسی پھنسی آواز نکالی۔

”ماسٹر عمران.... ہاؤڈو یوڈو....!“

”میں بیمار ہوں دوست....!“

”تمہارے لئے ایک اطلاع ہے.... کچھ لوگوں کو تمہارے ایک ساتھی کی تلاش ہے.... ان

کے پاس اس کی ایک تصویر ہے۔!“

”اوہ.... کس کی تصویر ہے۔!“

”مجھے اس کا نام یاد نہیں لیکن.... میں نے اُسے اکثر تمہارے ساتھ دیکھا ہے.... اس نے

تمہارے ساتھ سفر بھی کیا تھا۔!“

”سفر میں تو کتنی ساتھی تھے.... تصویر دیکھے بغیر میں کیونکر اندازہ کر سکوں گا۔!“

”تصویر! انہیں کے پاس ہے.... لیکن میں نے ان پر ظاہر نہیں ہونے دیا کہ اُس سے شناسائی

رکھتا ہوں۔ البتہ میں نے تمہارا ذکر اُن سے کر دیا ہے۔!“

”کیا مطلب....؟“

”میں نے اُن سے کہا کہ میرا ایک دوست اگر شہر میں موجود ہے تو اس تلاش میں مدد دے

سکے گا۔ لیکن وہ بھاری معاوضہ لئے بغیر کام نہیں کرتا۔!“

”یہ تم نے اچھا کیا....!“

”تو پھر انہیں بھیج دوں.... تمہارا پتہ بتا کر....!“

”کیا وہ غیر ملکی ہیں....؟“

”لڑکی غیر ملکی ہے.... لیکن اس کے دونوں ساتھی مقامی ہی ہیں۔!“

”تلاش کیوں ہے....!“

”لڑکی کا لہجہ بڑا روایتی تھا.... ماسٹر.... میرا خیال ہے کہ کبھی دونوں ملے تھے اور اب لڑکی

کو اس کی تلاش ہے۔!“

”لیکن میں بیمار ہوں دوست.... پھر بھی تم انہیں میرا پتہ بتا سکتے ہو۔!“

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو نیکی آواز سنکر اس نے بھی ریسپور جوزف کی طرف بڑھادیا۔

”کیا کہہ رہا تھا باس....!“ جوزف بولا۔ ”مجھے تمہارا یہ دوست ذہنی بہت اچھا لگتا ہے۔!“

”کیا عمر ہوگی اس کی....!“

”عمر....؟ کیا تم نہیں جانتے باس....!“

”اس خود کشی کے بعد سے میری یادداشت پر بہت بُرا اثر پڑا ہے۔ اب سوچ رہا ہوں کہ ذہنی

کون ہے۔!“

”باس....!“ جوزف نے دانت نکال دیئے۔ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ اُسے ظفر کے بیان پر

یقین نہیں آیا۔

ظفر کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ عمران کو ان حالات سے آگاہ ہونا چاہئے لیکن اسے کہاں

تلاش کیا جائے۔ جولیا فٹنر دائرہ کو بھی علم نہیں تھا کہ وہ کہاں مل سکے گا۔!

پھر بھی ظفر نے مناسب سمجھا کہ جولیا کو اس نئی خبر سے مطلع کر دیا جائے۔

جولیا کا مشورہ تھا کہ وہ اُس پارٹی سے ضرور ملے اور اُسے حالات سے آگاہ کرتا رہے۔ اس بار

بھی اس نے عمران کے ”محل وقوع“ سے لاعلمی ظاہر کی تھی۔

ظفر نے ٹھنڈی سانس لے کر ریسپور کریڈل پر رکھ دیا۔

ایک گھنٹے بعد ذہنی کی کال پھر آئی تھی اور یہ طے پایا تھا کہ دونوں پارٹیوں کی ملاقات آٹھ بجے

شب ٹپ ٹاپ نائٹ کلب میں ہونی چاہئے۔ ظفر نے فون کر کے وہاں ایک میز مخصوص کرائی۔

سات بجے پھر ذہنی کی کال آئی۔ اس نے بتایا کہ وہ لڑکی اسی کے ساتھ کلب آئے گی۔

سوال یہ تھا کہ ظفر ذہنی کو کیسے پہچانے گا۔

اُس نے جوزف کو آواز دی اور اس سے پھر ذہنی کے بارے میں پوچھنے لگا۔

”باس....!“ جوزف حیرت سے بولا۔ ”میں سمجھ نہیں سکتا کہ تم کیا کرنے والے ہو۔ جب

تمہاری طبیعت خراب ہے تو اُسے یہیں بلاؤ کلب جانے کی کیا ضرورت ہے۔!“

”پھر کیا کروں....؟ میں تو اُس سے کہہ چکا ہوں کہ آٹھ بجے تک کلب پہنچ جاؤں گا۔!“

جوزف نے پھر اُسے حیرت سے دیکھا۔

”باس یقیناً تمہاری طبیعت خراب معلوم ہوتی ہے۔ تم آرام کرو.... میں کلب جا کر انہیں

یہیں لاؤں گا۔!“

ظفر نے طویل سانس لی.... حقیقتاً اُسے کلب جانے سے انکار کر دینا چاہئے تھا کیونکہ وہ تو

”علیل“ تھا۔



ساڑھے سات بجے جوزف کلب کے لئے روانہ ہو گیا اور ظفر کو شش کرنے لگا کہ اس پر کچھ اور زیادہ ”علالت“ طاری ہو جائے۔ سوا آٹھ بجے جوزف تنہا واپس آیا۔

ظفر نے اس کے چہرے پر عجیب سی سرخی دیکھی۔ آنکھیں چمک رہی تھیں۔ وہ ہنر جوش لہجے میں بولا۔ ”بہت اچھا ہوا اس کہ تم نہیں گئے!“

”کیوں....؟ کیا ہوا....!“

”پتہ نہیں کیا چکر ہے.... وہ یہاں آنے پر تیار نہیں ہوئی اور میں چاروں طرف خطرے کی بو سونگھ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے گھنی جھاڑیوں میں بے شمار نیزہ بردار چھپے بیٹھے ہوں۔!“

”کیا تو نے وہاں بھی پی پی لی تھی....؟“

”نہیں باس قسم لے لو.... میں اپنی چھ بوتلوں سے آگے قدم نہیں بڑھاتا۔!“

”کلب میں گھنی جھاڑیوں کا ذکر کر رہا تھا۔!“

”میرا مطلب تھا کہ اس وقت میں نے ایسا محسوس کیا تھا جیسے اپنے جنگلوں سے گذر رہا ہوں اور کئی لوگ میری تاک میں ہوں۔!“

”اچھا بکواس بند.... اگر وہ کوئی لڑکی تھی تو اچھا ہوا نہیں آئی ورنہ میری آواز سن کر اسے گہرا صدمہ پہنچتا۔!“

”ڈینی نے مجھے بھی وہ تصویر دکھائی تھی۔ جانتے ہو کس کی تصویر تھی۔!“

”میں کیا جانوں؟ تو خواہ مخواہ بات کو طول دے رہا ہے۔!“

”تمہارے دوست مسٹر صفدر کی.... لڑکی کو اس کی تلاش ہے لیکن میں ایسا بن گیا جیسے تصویر میرے لئے کسی اجنبی کی ہو۔!“

”تم نے ڈینی سے تو اس کے بارے میں گفتگو نہیں کی۔!“

”قلعی نہیں باس....! میں نے بالکل چپ سادھ لی تھی۔ بہر حال لڑکی نے کہا کہ اس وقت وہ جلدی میں ہے.... پھر سہی۔!“

”ہوں.... اچھا....!“

”ڈینی دس بجے تمہیں پھر فون کرے گا۔“ جوزف بولا۔

ظفر دس بجے والی کال کا انتظار کرتا رہا.... فی الحال اس نے مناسب نہیں سمجھا تھا کہ جولیا کو

جوزف کی لائی ہوئی اطلاع سے آگاہ کر دے۔ اسے دیکھنا تھا کہ ڈینی دس بجے کس قسم کی گفتگو کرنے والا ہے۔ اس دوران میں وہ جوزف سے ڈینی کے متعلق معلومات فراہم کرتا رہا۔

”سچ بتاؤ.... تم خود کئی کیوں کر ناچاہتے تھے۔!“ جوزف اچانک پوچھ بیٹھا۔

”ہوں....!“ ظفر اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ”میں تجھے بتاؤں گا لیکن اگر تو نے کسی سے اس کا ذکر کیا تو تیری خیر نہیں۔!“

”میں تذکرہ کروں گا....؟“ جوزف نے غمگین لہجے میں حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”میری ماں مجھے روئے! تمہاری زبان سے کیسی باتیں سن رہا ہوں۔!“

”بات ایسی ہی ہے کہ تو خوش ہو ہو کر دوسروں کو بتاتا پھرے گا۔!“

”تم نہیں بتانا چاہتے تو نہ بتاؤ باس....!“ اس کا لہجہ کچھ اور زیادہ دردناک ہو گیا۔ اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی۔

جوزف نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا پھر ظفر کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

”مسٹر ڈینی ولسن باس....!“

ڈینی اندر آیا.... ظفر نے بڑی گرم جوشی سے اُس کا استقبال کیا۔ ڈینی نے حسب عادت اس وقت بھی پی پی رکھی تھی۔ اس نے اپنے مخصوص پیار بھرے لہجے میں کہا۔

”ہلو مسٹر....! مجھے افسوس ہے کہ تم بیمار ہو۔ لیکن کیا کر سکتا ہوں میرا بس چلے تو دنیا میں کسی کو بھی بیمار نہ ہونے دوں۔!“

”شکریہ ڈینی....! بیٹھ جاؤ.... آج سردی بڑھ گئی ہے۔!“ ظفر بولا۔ ”میں تو تمہاری کال کا انتظار کر رہا تھا۔!“

”میں نے سوچا یہ بہت بُری بات ہوگی اگر تمہاری عیادت کو نہ آؤں۔ یہ بات اور ہے کہ معمولی حالات میں مہینوں ہماری ملاقات نہ ہوتی ہو۔!“

”خیر اب بتاؤ کہ کیا قصہ ہے۔!“

”لڑکی کا نام روزا فرڈی تنڈ ہے.... ایک غیر ملکی پادری فرڈی تنڈ کی بیٹی ہے۔ اپنے باپ کی لاعلمی میں تمہارے دوست کو تلاش کرتی پھر رہی ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ تمہارا ملازم بھی اس

دوست کو نہ پہچان سکا۔!“

”تم نے اُسے یہ تو نہیں بتایا کہ وہ میرا دوست ہے۔!“

”ہرگز نہیں ماسٹر....! اس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ایک تصویر اور بھی تھی اس کے پاس۔ بڑا بھیاںک چہرہ تھا اس کا۔ وہ کہہ رہی تھی کہ اُن دونوں کے درمیان تفریق کا باعث وہی بھیاںک چہرے والا بنا تھا۔!“

”اوہو.... تو پریم کہانی ہے....!“ ظفر سر ہلا کر بولا۔

”یہی چیز ہے.... جو اُسے در بدر پھر رہی ہے۔! محبت بڑی ظالم چیز ہے ماسٹر....!“

”وہ یہاں کیوں نہیں آئی....!“

”پتہ نہیں....!“

”تم نے دو مقامی آدمیوں کا ذکر کیا تھا۔!“

”وہ یہاں کسی فرم میں ملازم ہیں۔ وہ دراصل میری شہرت کی بناء پر اُسے میرے پاس لائے تھے۔! تم جانتے ہی ہو ماسٹر کہ اس بے خبری کے عالم میں بھی مجھ سے زیادہ باخبر آدمی پورے شہر میں کوئی دوسرا نہ ہو گا۔!“

”ہاں میں تمہاری شہرت سے بخوبی واقف ہوں۔!“

”تم یقیناً یہ جاننے کے لئے بے چین ہو گے کہ وہ دوست کون ہے۔!“

”قدرتی بات ہے ڈینی....!“

”مجھے افسوس ہے کہ تصویر اس سے حاصل نہ کر سکا۔!“

”ابھی تم نے کسی پادری کا نام لیا تھا....!“

”فادر فرڈی سنڈ.... ایک غیر ملکی مبلغ ہے۔!“

”کیا تم اس سے واقف ہو۔!“

”ہاں میں نے اُسے دیکھا ہے۔!“

”پتہ معلوم ہے۔!“

”نہیں....! لڑکی نے پتہ نہیں بتایا تھا۔ لیکن ماسٹر میں نے اُسے یقین دلایا ہے کہ اس کا کام

اس شہر میں تمہارے علاوہ اور کوئی نہ کر سکے گا۔!“

”شکریہ ڈینی.... تم میرے لئے بزنس لائے ہو۔ بتاؤ تمہاری کیا تواضع کروں؟“

”تم کیا تواضع کرو گے جب کہ شراب جیسی نعمت سے محروم ہو....!“

”ہاں میں تمہیں شراب تو نہ پیش کر سکوں گا۔!“

”کوئی بات نہیں! مجھے شکایت بھی نہ ہوگی۔!“

”تو کیا تم نے اُسے میرے فلیٹ کا پتہ بتا دیا ہے۔!“

”ہاں.... شاید وہ کل آئے! میری دانست میں آج جلدی میں تھی۔!“

پھر ڈینی کچھ دیر بعد رخصت ہو گیا تھا.... ظفر نے جو لیا تک یہ اطلاع بھی پہنچا دی۔



اب تو ذرا اسی بات پر عبد المنان کا منہ پھول جاتا تھا۔

جہاں ریٹا سے کوئی فروگداشت ہوئی اور پرنس نے ایسا منہ بنایا جیسے جنم جنم کی یہ ساتھی اس سے پیچھا چھڑا لینے کا ارادہ رکھتی ہو۔!

”آج دن بھر غائب رہنے کے بعد وہ قریباً دس بجے شب کو واپس آئی تھی۔!“

پرنس اُسے بیرونی برآمدے میں ٹھہلتا ہوا ملا۔ اس کی آنکھوں میں ذہنی الجھن کے آثار صاف دیکھ جاسکتے تھے۔ ریٹا ہنس پڑی۔

”ہنستی ہو! شرم نہیں آتی۔ میں سارا دن بور ہوتا رہا۔!“

”مجھے اطمینان تھا کہ تم گلی ڈنڈا کھیل رہے ہو گے۔!“

”کیا تم جھگڑا کرنا چاہتی ہو۔!“

”عبدال ڈیئر.... تمہیں علم نہیں کہ میں کتنی پریشان ہوں۔“ وہ اس کا شانہ تھکتی ہوئی بولی۔

چلو اندر چلو.... میں تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گی۔!“

”میں نے رات کے کھانے سے انکار کر دیا ہے۔!“

”کیوں.... اوہ تم نے کھانا نہیں کھایا۔!“

”تہا کھانے کا عادی نہیں ہوں۔!“

”میں نے کب کھایا ہے کھانا.... ابھی کھائیں گے۔ کاش تم میری پریشانیوں کا اندازہ کر سکتے۔!“

”تم نے مجھے کبھی نہیں بتایا کہ تم کسی مسئلے پر پریشان ہو۔!“

”چھوڑو ختم کرو.... اطمینان سے بتاؤں گی۔!“

کھانے کی میز پر خاموشی ہی رہی۔ پھر کافی کا دور چلا۔

رینا بے حد سنجیدہ نظر آرہی تھی۔ کچھ دیر بعد ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

”تم نے اکثر میرے دو بھائیوں کا ذکر سنا ہوگا۔ وہ اچانک غائب ہو گئے ہیں۔“

”اچانک غائب ہو گئے ہیں۔ کیا مطلب....؟“ پرنس چونک کر بولا۔

رینا نے بالتفصیل ان کے غائب ہونے کی کہانی سناتے ہوئے کہا۔ ”ہم نے ان دونوں کو پناہ

دی تھی اور وہ ہمیں دھوکا دے گئے۔“

”لیکن آخر انہیں تمہارے بھائیوں سے کیا سروکار!“

”یہی تو سمجھ میں نہیں آتا.... وہ دونوں ہمارے لئے قطعی اجنبی تھے۔“

”تو پھر.... تم نے پولیس کو مطلع کیا تھا۔“

”محکمہ اس سلسلے میں چھان بین کر رہا ہے۔ وہی جو چاہے گا کرے گا۔ یقین کے ساتھ کچھ کہا

بھی تو نہیں جاسکتا۔ وہ ننھے بچے تو تھے نہیں کہ کوئی انہیں درغلا کر لے گیا۔ بہر حال میں آج کل

دن بھر انہیں کی تلاش میں سرگرداں رہتی ہوں....!“

”تم تنہا کیسے تلاش کر سکو گی انہیں....!“

رینا کچھ نہ بولی۔ بار بار اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ پوری طرح اس کو اپنے رازوں میں شریک

کر لے۔ لیکن پھر اس عہد کا خیال آیا جو ان تینوں سے لیا گیا تھا۔

”تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔“ پرنس نے اُسے کچھ دیر تک بغور دیکھتے رہنے کے

بعد کہا۔

”آج میں ایک پرائیویٹ سراغ رساں سے ملنے والی تھی۔ لیکن اچانک اسکی طبیعت خراب ہو گئی۔“

”پرائیویٹ سراغ رساں....؟“ پرنس کے لہجے میں حیرت تھی۔

”ہاں.... کیوں.... تمہیں اس پر حیرت کیوں ہے۔“

”کیونکہ میرے ملک میں پرائیویٹ سراغ رساں قسم کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔“

”وہ دراصل ایک بار سوخ آدمی ہے۔ مقامی پولیس سے خاصی رسم و راہ رکھتا ہے اور معقول

معاوضے پر اس قسم کے کام کر دیتا ہے۔“

”کیا تم مجھے اس کا نام بتانا پسند کر دو گی۔“

”نام یاد نہیں آرہا.... میں نے اپنی ڈائری میں نوٹ کر لیا تھا۔ ٹھہرو میں ابھی آئی۔“

وہ ڈرائیونگ روم سے اٹھ کر اپنے بیڈ روم میں آئی اور وینٹی بیگ سے ڈائری نکال کر اس کے

ورق لٹنے لگی۔

پھر ڈائری کو سر ہانے والی چھوٹی میز پر ڈال کر دوبارہ ڈرائیونگ روم میں واپس آئی۔

”اس کا نام علی عمران ہے....!“ اُس نے پرنس سے کہا۔

”علی عمران!“ پرنس اس طرح اچھل پڑا جیسے یہ نام اس کے سر پر اچانک پتھر بن کر گرا ہو۔

”کیوں....؟ کیا ہوا....!“

”میں پوچھتا ہوں کیا تم نے اُس سے معاملات طے کر لئے ہیں۔“

”نہیں ملاقات ہی نہیں ہو سکی۔“

”یہ بہت اچھا ہوا.... لیکن تمہیں اس کا پتہ کس نے بتایا تھا۔“

”ایک بوڑھا یوریشین ڈینی ولسن ہے۔“

”اس سے کب سے جان پہچان ہے۔“

”آج ہی ملاقات ہوئی تھی۔ میرے ایک ہمدرد نے اُس سے ملوایا تھا۔“

”علی عمران کے بارے میں اُس نے تمہیں کیا بتایا....!“

”یہ کہ وہ ایسے کام بڑی خوبی سے پنتا ہے۔“

”یہ بہت اچھا ہوا کہ تم اس سے نہ مل سکیں۔“

”کیوں....؟ کیا تم اُسے جانتے ہو۔“

”یقیناً.... وہ خطرناک آدمی ہے۔ بسا اوقات وہ پولیس سے بھی ساز باز کر لیتا ہے۔ مثال کے

طور پر اگر اس نے تم سے اس کام کے لئے بھاری رقم وصول کر لی کہ تمہارے بھائیوں کو ڈھونڈ

نکالے گا۔ لیکن اسی دوران میں اُسے معلوم ہو گیا کہ وہ دونوں کسی طرح ملکی قانون کی گرفت میں

بھی آسکتے ہیں تو وہ انہیں پولیس کے حوالے کر دے گا۔“

”لیکن وہ ملکی قانون کی گرفت میں کیسے آسکتے ہیں۔“ رینا نے اُسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”میں نے مثال کے طور پر یہ بات کہی تھی۔ بہر حال میں تمہیں اس کا مشورہ نہیں دوں گا کہ

تم اُس سے کسی قسم کی گفتگو کرو۔ وہ یہاں کے محکمہ سراغ رسانی کے ڈائریکٹر جنرل کی نالائق اولاد

ہے۔ باپ نے گھر سے نکال دیا ہے اور وہ ایسے ہی اوٹ پٹانگ پیٹھے اختیار کر کے زندگی بسر کر رہا ہے۔ اکثر بلیک میلنگ بھی کرتا ہے۔“

”میرے خدا....!“ رینا طویل سانس لے کر رہ گئی۔

”تمہیں کم از کم مجھے تو بتانا چاہئے تھا۔ میں مقامی آدمی ہوں۔!“

”میں تو تمہیں ایک بالکل ہی سیدھا سادھا آدمی سمجھتی تھی۔!“

”کیا میں نہیں ہوں....؟“ پرنس نے بھولے پن سے پوچھا۔

”تم تو مجھے پتہ نہیں کیا معلوم ہوتے ہو....!“ رینا کے لہجے میں بناوٹ نہیں تھی اور وہ سو

فیصد پیار بھرا لہجہ تھا۔

پرنس تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔ ”مجھے اُن دونوں کے طے پناؤ جو تمہارے مہمان ہوئے تھے۔“

”میں تمہیں ان دونوں کی تصویریں دے سکتی ہوں۔!“

”اب تم بھی بچوں کی سی باتیں کر رہی ہو۔!“ وہ بے اعتباری سے ہنسا۔

”کیوں....؟“

”وہ تمہیں اپنی تصویریں بھی دے گئے تھے۔ بڑے دلیر تھے۔!“

”میری بات سمجھنے کی کوشش کرو....!“ رینا جھنجھلا گئی۔

”اس میں مجھے کسی قسم کا فلسفہ نظر نہیں آتا۔!“

”میرے ایک بھائی کی عادت ہے کہ وہ اجنبیوں کی تصویریں کھینچتا رہتا ہے۔ اُن دونوں کے

غائب ہو جانے کے دو دن بعد اچانک مجھے خیال آیا اُس کا کمرہ تو دیکھوں.... وہ لوڈ ملا.... میں

نے رول نکال کر ڈیولپ کر ڈالا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ اُن دونوں کی تصویریں اس میں

موجود تھیں۔!“

”اُوہ....!“ پرنس اُسے پر فکر نظروں سے دیکھتا رہا۔

پھر کچھ دیر بعد وہ دونوں تصویریں اس کے سامنے میز پر پڑی ہوئی تھیں اور وہ ساکت و

صامت خلاء میں گھورے جا رہا تھا۔

”کیوں.... کیا ہو گیا تمہیں۔!“

”اُوں....؟“ پرنس چونک کر اُسے اس طرح دیکھنے لگا جیسے پہلی بار دیکھا ہو۔!

”تم کہاں گم ہو گئے....؟“

اس بار پرنس براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

”یہاں میرا مذاق اڑانا چاہتی ہو۔!“ دفعتاً وہ غصیلی آواز میں بولا۔ ”یا اسی بلیک میلر کی ساتھی ہو۔!“

”کیا مطلب....؟“

پرنس کی انگلی اب بھی خوفناک چہرے والے کی تصویر کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔

”بننے کی کوشش نہ کرو....!“ پرنس غرایا۔ ”میں صرف اپنی عزت کو ذرا تھکا لیکن کب تک!

تم لوگوں سے کھل کر نپٹاؤ پڑے گا۔!“

”تم کیسی باتیں کر رہے ہو.... میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔!“

”اب تم لوگ کیا چاہتے ہو۔ کھل کر بتاؤ؟ میں روشی کے کیس کو عدالت میں جانے دوں گا۔

اس بار تم لوگ مجھ سے ایک حہ بھی وصول نہ کر سکو گے۔!“

”خدا کے لئے مجھے اور زیادہ پریشان نہ کرو۔!“ دفعتاً رینا رو ہانسی ہو کر بولی۔

”تم کسی طرح بھی مجھے یقین نہیں دلا سکتیں۔! اب یہ پورا پلاٹ میری سمجھ میں آ گیا ہے۔

روشی نے اس رات دیدہ دانستہ یہاں گاڑی روکی تھی۔! پھر مجھے ناکارہ کر کے یہیں ڈال گئی تاکہ مجھ

پر ان لوگوں کے لمبے چوڑے گردہ کا رعب پڑ سکے۔“

”خاموش رہو....!“ رینا میز پر ہاتھ مار کر چیخی اور کرسی سے اٹھ گئی۔ چند لمحے اُسے گھورتی

رہی پھر دانت پیس کر بولی۔ ”تم بھی جہنم میں جاؤ۔!“

اس کے بعد وہ وہاں نہیں ٹھہری۔ سیدھی اپنے بیڈ روم میں آئی اور زوردار آواز کے ساتھ

دروازہ بند کیا۔

وہ اس طرح ہانپ رہی تھی جیسے پہاڑ پر چڑھتے چڑھتے دم لینے کے لئے رکی ہو۔

بہت شدت سے غصہ آیا تھا.... پتہ نہیں کیا بکواس شروع کر دی تھی۔ اس جھکی آدمی

نے.... وہ سوچتی اور ہانپتی رہی۔! ذرا بھی تو سمجھ میں نہیں آئی تھیں اس کی باتیں.... حسب

عادت اوٹ پٹانگ ہانکنے لگا۔ کیا وہ سچ چچ پاگل ہے۔!

دفعتاً دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

”کیا ہے....؟“ وہ جھلا کر چیخی۔

”میری بات سنو....!“ باہر سے مضحک سی آواز آئی۔ ”ہو سکتا ہے یہ محض اتفاق ہو۔ حالات کی ستم ظریفی!“

رینا نے بولٹ گر کر جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھولا۔ پرنس کا مغموم چہرہ سامنے تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اچانک کسی اذیت میں مبتلا ہو گیا ہو۔ رینا کچھ نہ بولی۔ وہ کمرے کے باہر ہی کھڑا رہا۔

”اب کیا کہنا چاہتے ہو!“

”یہی کہ خدا کرے یہ محض اتفاق ہو۔ کیونکہ میں تمہیں ایک بہت اچھی لڑکی سمجھتا ہوں اور سمجھتے رہنا چاہتا ہوں۔!“

”اندر آ جاؤ....!“ وہ مڑتی ہوئی بولی اور پھر کرسی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”بیٹھ جاؤ۔!“

اس کے بعد وہ خود بستر پر جا بیٹھی تھی۔

”میری تمام تر پریشانیوں کا سبب یہی شخص ہے۔!“ پرنس نے خوف ناک اور بھدے چہرے والے آدمی کی تصویر رینا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”چھوٹے چھوٹے جملوں سے میری الجھن میں اضافہ نہ کرو۔!“

”روشی سے شادی کے تین ماہ بعد یہ شخص میرے پاس آیا تھا اور مجھے اطلاع دی تھی کہ روشی قاتلہ ہے اور حقیقتاً اس کا نام ہلداجیر اللہ ہے۔ بزما کے ایک کروڑ پتی کی بیوی تھی۔ اُس کو قتل کر کے

یہاں بھاگ آئی ہے۔ پھر اس نے مجھ سے اس راز کی قیمت طلب کی تھی۔ میں نے ثبوت مانگا تھا۔ اس پر اس نے مجھے چند تصاویر دکھائیں اور کچھ دستاویزیں پیش کیں۔ میں نے وقتی طور پر اسے ٹال

دیا کیونکہ روشی سے بھی اُس کی تصدیق کرنی تھی۔ روشی نے اعتراف کر لیا لیکن ساتھ ہی مجھے اپنی بے پناہ محبت کا یقین بھی دلاتی رہی۔ میں الجھن میں پڑ گیا کیونکہ روشی سے شادی پر میرے خاندان

والے خوش نہیں تھے میں نے سوچا اگر اُس شخص نے اس راز کو ظاہر کر دیا تو میں اپنے خاندان والوں کو کبھی منہ نہ دکھا سکوں گا۔ مجھے اس کا مطالبہ پورا کرنا پڑا یہ ایک بھاری رقم تھی۔ ہر ماہ مجھے دس ہزار

روپے اس کے حوالے کرنے پڑتے تھے۔ آخر کار ایک دن تنگ آکر میں نے روشی سے صاف صاف کہہ دیا کہ اب اس کا تصفیہ ہو جانا ہی چاہئے۔ میں اس مقدمے پر لاکھوں پھونک سکتا ہوں۔

لیکن اب اس بلیک میل کو ایک کوڑی بھی ادا نہ کروں گا۔ اس پر روشی نے کہا یہاں مقدمہ نہیں چلے گا۔ بلکہ تمہاری حکومت مجھے برما کی حکومت کے حوالے کر دے گی۔ میں نے کہا کچھ بھی ہو میں

اپنے لئے کسی قسم کی بھی الجھن نہیں پالنا چاہتا۔ بلیک میل سے ملاقات ہوئی تو اس سے بھی کہہ دیا۔ اس پر وہ بولا۔ اچھی بات ہے اب تم اگر مجھے پچاس ہزار روپے دو تو آئندہ کبھی اپنی شکل نہ دکھاؤں

گا۔ میں نے پچاس ہزار روپے کر اُس سے وہ تصاویر اور دستاویزات حاصل کر لیں اور انہیں نذر آتش کر دیا۔ کچھ دن سکون سے گزرے پھر روشی نے مجھ سے بات بات پر لڑنا شروع کر دیا اور روز ہی یہ

دھمکی دینے لگی کہ عدالت میں درخواست دے کر مجھ سے طلاق حاصل کر لے گی۔ اُسی دوران میں مجھ پر نروس ایک ہونے لگے۔ ایسے ہی دورے پڑنے لگے جیسا تم دیکھ چکی ہو اور میں یہ سوچنے پر

مجبور ہو چکا ہوں کہ روشی بھی دراصل اس بلیک میلر ہی کی ساتھی ہے۔!“

پرنس خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

”تم نے اُسے جانے کیوں نہیں دیا عدالت میں....؟“ رینا نے پوچھا۔

”محض شرمندگی سے بچنے کے لئے.... میرے خاندان والے مجھ پر تھوکتے میرا مضحکہ اڑاتے۔ لیکن بالآخر وہ عدالت میں پہنچ ہی گئی اور اب اس کا وکیل جو خود بھی اسی گروہ کا کوئی آدمی

تھا مجھے اور زیادہ نروس کرنے کے لئے آیا تھا لیکن میں خوش قسمت ہوں کہ مجھے اس پر بے تحاشہ غصہ آگیا اور دفعتاً میری ساری کمزوریاں دور ہو گئیں۔ سارے وہم مٹ گئے۔!“

وہ پھر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

رینا ہاتھ پر ٹھوڑی ٹکائے اُسے ایک ٹک دیکھے جارہی تھی۔

دفعتاً پرنس نے اس سے پوچھا۔ ”کیا تمہارے بھائی کسی غیر قانونی کام میں بھی ملوث تھے۔!“

”نہیں تو....!“ رینا بے ساختہ چونک پڑی۔

”پھر اس بلیک میلر کا یہاں کیا کام....؟“

”مم.... میں.... کک.... کیا بتا سکتی ہوں۔!“

”ہو سکتا ہے تمہیں علم نہ ہو.... اکثر غیر ملکی لوگ یہاں آتے ہیں کسی کام کے لئے کرتے کچھ اور رہتے ہیں۔!“

”تم کہنا کیا چاہتے ہو....!“

”کئی سال ہوئے یہاں ایک غیر ملکی انجینئر پکڑا گیا تھا جو آیا تو اس لئے تھا کہ ہمیں فنی تربیت دے لیکن حقیقتاً مافیا کا ایک سرگرم ایجنٹ تھا۔ منشیات کی ناجائز فروخت کی دیکھ بھال کرتا تھا اور

اس کی بیوی بیچاری اُس کے دوسرے روپ سے قطعی لاعلم تھی۔“

”مجھے یقین ہے کہ میرے بھائی ایسے نہیں ہیں۔“

”ہو سکتا ہے۔“ پرنس نے خشک لہجے میں کہا اور خاموش ہو گیا۔

”یقین کرو عبدال ڈیزر....!“

”خیر مجھے اس سے کیا سروکار.... میں تمہارا احسان مند ہوں۔ اس لئے مجھ سے جو کچھ بھی ہو سکے گا کروں گا۔“

”آخر تم نے کس بناء پر اندازہ لگایا کہ میرے بھائی کوئی غیر قانونی کام کرتے رہے ہوں گے۔“

”یہاں اس بلیک میلر کی آمد اور تمہارے بھائیوں کا اچانک غائب ہو جانا یہی ثابت کرتا ہے۔

وہ انہیں بے بس کر کے زبردستی لے گیا ہو گا اور اُن پر تشدد کر کے خود ان ہی سے اُن کے خلاف

ثبوت حاصل کرے گا اور پھر بلیک میل کرنے کے لئے چھوڑ دے گا۔“

”میرے خدا....؟“

”بہر حال تمہیں اس کا علم نہیں کہ وہ یہاں کوئی غیر قانونی حرکت کر رہے تھے۔“

”ہرگز نہیں.... میں کچھ بھی نہیں جانتی۔“ رینا نے کہا اور اپنے خشک ہوتے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

”اچھی بات ہے.... اب تم سو جاؤ....!“ پرنس اٹھتا ہوا بولا۔ ”میں دیکھوں گا تمہارے لئے

کیا کر سکتا ہوں۔ اپنے لئے تو آج تک کچھ بھی نہ کر سکا۔“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔“

”اب تم یہ سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔“



رات کے ڈھائی بجے تھے۔ جولیان فٹنر دائرہ سائیکو مینشن کے آپریشن روم میں ٹرانس میٹر پر ایکس ٹوے گفتگو کر رہی تھی۔

سب سے پہلے اس نے ظفر سے ملی ہوئی اطلاعات اُس تک پہنچائیں۔ پھر عمران کے متعلق پوچھا۔

”کیوں تمہیں اس سے کیا سروکار....!“ جواب میں ایکس ٹو کی غراہٹ سنائی دی۔

”مجھے کوئی سروکار نہیں ہے جناب! مسٹر رحمان اس سے ملنا چاہتے ہیں۔ ظفر کا خیال ہے کہ وہ

سی مشکل میں پڑ گئے ہیں۔“

”ظفر سے کہو وقت نہ ضائع کرے۔“

”بہت بہتر جناب....!“

”پادری فرڈی سنڈ کی نگرانی میں احتیاط برتی جائے۔ صفر نے بے احتیاطی کی بناء پر چوٹ کھائی ہے۔“

”بہت بہتر جناب....!“

”ان تینوں کے بارے میں کوئی رپورٹ....؟“

”ہار پر اور وہ دونوں جن کی نگرانی ظفر کر رہا تھا۔“ جولیان نے پوچھا۔

”ہاں وہی....!“

”وہ جہاں تھے وہیں موجود ہیں۔ کل سے ہار پر کی تصاویر کی نمائش پھر شروع ہو رہی ہے۔“

”اس کی جو تصویر سب سے پہلے فروخت ہو اُس پر نظر رکھنا۔ اُسے کسی نہ کسی طرح حاصل

بھی کرنا ہو گا۔“

”بہت بہتر جناب....!“

”اور اینڈ آل!“ دوسری طرف سے آواز آئی اور جولیان نے ٹرانس میٹر کا سوئچ آف کر دیا۔

پھر وہ اوپری منزل پر اپنے فلیٹ میں آئی۔ اب سو جانا چاہتی تھی۔ ابھی خواب گاہ تک بھی

نہیں پہنچنے پائی تھی کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔

بھنا کر پلٹی اور دروازہ کھول دیا۔ سامنے جیمسن کھڑا اس طرح پلکیں جھپک رہا تھا جیسے اندھیرے

سے اچانک تیز روشنی میں آگیا ہو۔

”معاف کیجئے گا مادام....!“ دفعتاً وہ بڑے ادب سے بولا۔ ”ناوقت آپ کو تکلیف دے رہا

ہوں۔ لیکن مجھے نیند نہیں آرہی تھی۔“

”لہذا تم مجھے تکلیف دینا چاہتے ہو۔“ جولیان نے زہریلے لہجے میں کہا۔

”ہر آدمی کا دوسرے پر حق ہے۔“

”اچھی بات ہے! اندر آ جاؤ۔“

”اس کی ضرورت نہیں.... میں صرف یہ پوچھنے آیا تھا کہ فرانسیسی کلاسیکی ادب میں گدھے

کے بچے کا کیا مقام ہے۔“

”اندر آؤ تو بتاؤں....!“ جولیا دانت پیس کر بولی۔ لیکن پھر چونک پڑی۔ اسے ایک ہاتھ نظر آیا تھا جو ریو الوور سمیت جیمسن کے بائیں پہلو سے لگا ہوا تھا۔

وہ یک بیک سنجیدہ ہو گئی اور جیمسن کی طرف دیکھا اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ ایک قدم بڑھا کر وہ کمرے میں داخل ہو گیا اس کے پیچھے ایک نقاب پوش بھی داخل ہوا لیکن اب اس کا ریو الوور جیمسن کے پہلو کی بجائے پشت پر تھا۔

جولیا غیر ارادی طور پر پیچھے ہٹتی چلی گئی۔

نقاب پوش کا پورا چہرہ ڈھکا ہوا تھا۔ صرف آنکھوں کی جگہ دو سوراخ نظر آرہے تھے۔

اس نے ان دونوں کو بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔

”یہ کون ہے....؟“ جولیا نے جیمسن سے پوچھا۔

”پتہ نہیں....! میں اپنے کمرے میں سو رہا تھا۔ کسی نے دروازے پر دستک دی۔! آنکھ کھل گئی۔ دروازہ کھولا تو جناب والا نظر آئے۔ فرمایا تم یہاں کیسے.... تم تو حوالات میں تھے۔ میں نے گزارش کی کہ ان لوگوں نے مجھے ناکارہ سمجھ کر نکال باہر کیا۔ البتہ میرے مالک کو روک لیا۔ اب میں یہاں سوئیکس خاتون کو اردو پڑھاتا ہوں۔!“

”لیکن یہ ہے کون....؟“

”آپ کا نام کیا ہے جناب والا....؟“ جیمسن نے نقاب پوش سے پوچھا۔

”بکو مت.... تم بتاؤ.... یہ عورت کون ہے۔!“ نقاب پوش غرایا۔

اور جولیا چونک کر اُسے گھورنے لگی۔ کیونکہ وہ بھی انگریزی ہی میں بولا تھا اور لہجہ مقامی نہیں تھا۔

”یہ میری مالکہ ہیں....!“

”کیا یہ سچ کہہ رہا ہے۔!“ نقاب پوش نے جولیا سے پوچھا۔

”ہاں یہ سچ کہہ رہا ہے۔ تین دن ہوئے میں نے اُسے ملازمت دی ہے۔!“

”تم کیا کرتی ہو....!“

”ایک بزنس مین کی اسٹیو ہوں۔!“

”اس آدمی کا کیا مصرف ہے تمہارے لئے۔!“

”اس ملک میں پہلا آدمی ملا ہے جو انگریزی بھی بول سکتا ہے اور بہترین قسم کے کھانے بھی پکا

سکتا ہے۔!“

”لیکن کچھ دنوں پہلے یہ حوالات میں تھا۔!“

جولیا نے خوف زدہ نظروں سے جیمسن کی طرف دیکھا۔

”میں ایک شریف آدمی ہوں مادام.... لیکن نہیں سمجھ سکتا کہ کس قسم کے جان میں پھنس گیا ہوں۔!“ جیمسن بولا۔

”تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔!“ نقاب پوش غرایا۔

”میرا خیال ہے تم وہی پراسرار ہمدرد ہو جس نے لوئیل دے سونڈے کے قتل کے الزام میں ہمیں گرفتار کر لیا تھا۔!“

”بکو اس مت کرو.... میرے ساتھ چلو....!“

”مم.... میں قطعی نہیں جانتی تھی۔!“ جولیا خوف زدہ لہجے میں بولی۔

”کیا نہیں جانتی تھیں۔!“ نقاب پوش اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”یہی کہ یہ آدمی سزا یافتہ ہے۔!“

اچانک جیمسن نے بڑی پھرتی سے جھک کر اسٹول اٹھایا اور اس کے ریو الوور والے ہاتھ پر پھینک مارا۔ ریو الوور اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا پڑا تھا۔ لیکن اس نے ریو الوور کی پرواہ کئے بغیر جیمسن پر چلاٹک لگادی۔

جولیا اس کا شہر دیکھنے کے لئے نہیں مڑی تھی۔ وہ تو کسی چیل کی طرح ریو الوور پر جھپٹی تھی۔

پھر ریو الوور پر قبضہ کر کے مڑی رہی تھی کہ جیمسن کی آواز سنی۔

”اوہ.... مسٹر پلیمز.... میری ہڈی.... ہڈی ٹوٹ جائے گی۔ اف.... اوہ....!“

”خبردار.... ہٹ جاؤ....!“ جولیا ریو الوور کا رخ ان کی طرف کرتی ہوئی بولی۔

لیکن نقاب پوش پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ بدستور جیمسن کو بازوؤں میں دبائے ہوئے بھینچتا رہا۔ جیمسن کی آخری چیخ بڑی کربناک تھی۔ اس چیخ کے ساتھ ہی نقاب پوش نے اُسے چھوڑ دیا۔

وہ کی مردہ جانور کی طرح فرش پر گرا تھا اور بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔

جولیا نے نقاب پوش پر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ لیکن وہ جہاں تھا وہیں کھڑا قہقہے کاٹا رہا۔ گولیاں اس کے جسم کے مختلف حصوں پر پڑ رہی تھیں اور زخموں سے سبز رنگ کے سیال

مارے کے فوارے پھوٹ رہے تھے۔

جولیا بوکھلا گئی اور ٹھیک اسی وقت کوئی زور زور سے دروازہ پیٹنے لگا۔

وہ نہایت اطمینان سے کھڑکی کی طرف بڑھ رہا تھا اور اُس کے جسم کے مختلف حصوں سے سبز رنگ کے فوارے پھوٹ رہے تھے۔

جولیا کے حلق سے بے تحاشہ قسم کا قہقہہ نکلا تھا۔ ہڈیاں سرمہ ہو گئی ہوں گی۔ دیوار بالکل سپاٹ تھی۔ راہ میں اسے کوئی بالکنی بھی نہ مل سکی ہوگی۔

دروازہ پیٹنے کے ساتھ ہی ساتھ اب اُسے آوازیں بھی دی جا رہی تھیں لیکن وہ سب سے پہلے کھڑکی کی طرف جھپٹی تھی۔ آدھے دھڑ سے نیچے جھک کر دیکھا۔

فٹ پاتھ لیمپ پوسٹ کی روشنی میں نہایا ہوا تھا۔ لیکن اُسے وہاں کوئی لاش نظر نہ آئی۔

اب وہ بوکھلا کر دروازے کی طرف بڑھی اور اُس کا بولٹ گرا دیا۔

چوہان اور صدیقی در اندر گھستے چلے آئے۔

”کیا ہوا.... کیا بات ہے!“ دونوں بیک وقت بولے اور جیمسن کی طرف متوجہ ہو گئے۔

وہ اب بھی بے حس و حرکت فرش پر پڑا ہوا تھا۔

”اسے کیا ہوا.... فائر کس نے کئے تھے!“ چوہان نے جولیا سے پوچھا اور اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے سبز رنگ کے سیال کی نظر جم گئی۔

”تم نے اسے مار ڈالا....!“ صدیقی نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”نہیں.... وہ نقاب پوش تھا.... یہ دیکھو.... یہ کیا ہے....؟“ جولیا نے فرش پر پھیلے ہوئے سبز رنگ کے سیال کی طرف اشارہ کیا۔

”پتہ نہیں....! تم کیا کہہ رہی ہو.... یہ.... ہم کیا بتائیں!“

”میں نے اس پر چہ فائر کئے تھے.... اور یہ.... خون نکلا ہے اس کے زخموں سے۔ جب تم نے دروازہ کھٹکھٹایا تو اس نے کھڑکی سے چھلانگ لگا دی۔

”نہیں!“ وہ دونوں بے ساختہ کھڑکی کی طرف جھپٹے اور جولیا آگے بڑھ کر جیمسن پر جھک پڑی۔

”زندہ ہے.... زندہ ہے!“ وہ مضطربانہ انداز میں بولی۔

وہ کھڑکی سے پلٹ آئے۔

”لیکن نیچے فٹ پاتھ پر تو کچھ بھی نہیں ہے!“ چوہان بولا۔

”اُسے جہنم میں جھونکو۔ اس کیلئے کچھ کرو۔۔۔ ورنہ مر جائے گا!“ جولیا نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

وہ اسے نیچے لے گئے۔ جولیا اپنے کمرے ہی میں ٹھہری رہی۔ اُس کے پورے جسم میں خنجر تھری پیدا ہو گئی تھی۔ اس واقعہ نے اعصاب پر عجیب سا اثر ڈالا تھا وہ خوف زدہ بھی نہیں تھی۔

ایک بار پھر کھڑکی کی طرف گئی اور جھانک کر نیچے دیکھا۔ فٹ پاتھ اب بھی اُسی طرح سنسان پڑا تھا۔ اتنے میں چوہان واپس آیا۔ اس نے اطلاع دی کہ جیمسن کی داہنی پسلی کی دو ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں۔

”وہ کون تھا....؟ آخر کون تھا....؟“ جولیا ہڈیانی انداز میں بولی۔

”اُسے علم تھا کہ جیمسن حوالات میں تھا۔ جیمسن نے لو سیل دے سوندے کا بھی حوالہ دیا تھا۔“

”تم آرام سے بیٹھ جاؤ....!“ چوہان نے پر سکون لہجے میں کہا۔ ”ظاہر ہے وہ انہی میں سے کوئی ہو گا جن سے ہم دوچار ہیں۔!“

”لیکن یہ ہرے رنگ کا خون....!“

”لیبارٹری اسٹنٹ اس کا نمونہ لینے کے لئے آ رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اب تم آرام کرو۔ وہ کسی باقاعدہ راستے سے عمارت میں داخل نہ ہوا ہو گا۔ پوری طرح چیکنگ کر لی گئی ہے۔“

”کیا وہ ہوا میں تحلیل ہو گیا....؟“

”ابھی معلوم ہو جائے گا۔!“

”میں نے خاور سے کہا تھا کہ کوئی باہر نہ نکلے۔!“

”فکر نہ کرو۔!“

اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی۔

”آ جاؤ....!“ چوہان چونک کر بولا۔

آنے والا لیبارٹری اسٹنٹ تھا۔ اس کے ہاتھوں میں کچھ آلات تھے۔

کچھ دیر بعد وہ فرش پر پڑے ہوئے سیال کا نمونہ لے کر چلا گیا۔

”دراصل اس جیمسن ہی کی وجہ سے وہ اس عمارت کی طرف متوجہ ہوا ہو گا۔“ چوہان بڑبڑایا۔

لیکن وہ تو اس دن سے باہر نکلا ہی نہیں۔“

”کیا کھلی ہوئی کھڑکی کے قریب بھی نہ کھڑا ہوا ہو گا۔ ویسے بھی وہ خطی آدمی ہے۔ کسی طرح



بھی ڈاڑھی صاف کرادیے پر تیار نہیں ہوا تھا۔“



آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ صبح سے ہی ایسا محسوس ہوتا رہا تھا جیسے اب برسات بڑا رہے۔ وہ دونوں بیرونی برآمدے میں ناشتہ کر رہے تھے۔ پرنس کچھ متفکر سا نظر آ رہا تھا۔ رینا بھی کچھ زیادہ زندہ دلی کا مظاہرہ نہیں کر رہی تھی۔

دفتر پر پرنس نے ٹھنڈی سانس لی اور وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

”کتنا عجیب اتفاق ہے۔! ہم دونوں کی ایک ہی بد نصیبی ہے لیکن اب یہ آدمی میرے ہاتھوں سے نہ بچ سکے گا۔!“

”اوہو.... کیا تم ایسے ہی جیالے ہو۔!“

”موڈ پر منحصر ہے.... موڈ نہ ہوا تو پٹ کر چلا آؤں گا۔!“

”کیا مطلب....؟“

”تین سال پہلے کی بات ہے۔! پیرس کے ہوٹل میں میرا ایک آدمی سے جھگڑا ہو گیا۔ زیادتی اسی کی تھی مجھے غصہ آ گیا۔ اس نے گندی سی گالی دی.... اچانک میں نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا تو اس پر تیشی برس رہی تھی۔ غصے میں بگڑا ہوا چہرہ ایسا لگتا تھا جیسے بسور رہا ہو۔ میرے ہاتھ پیر ڈھیلے پڑ گئے اور اس نے مجھے جی بھرم کے مارا۔ پھر میرا ہاتھ اُس پر نہیں اٹھا تھا۔“

”کیا یہ سچ ہے....!“

”یقین کرو....!“ پرنس ٹھنڈی سانس لے کر بولا ”کچھ لوگ بڑے عجیب ہوتے ہیں جو کچھ کرتے ہیں اس کا تاثر ان کے چہرے پر نہیں ملتا۔ آنکھیں بالکل سپاٹ ہوتی ہیں۔ مجھے ایسے لوگ پسند نہیں بعض لڑکیاں بے حد جذباتی قسم کی گفتگو کے دوران میں بھی بیوہ بیوہ سی لگتی ہیں۔ جو کچھ بھی کہہ رہی ہوتی ہیں اُس کا عکس ان کی آنکھوں میں نہیں ملتا۔!“

”روشنی کے متعلق کیا خیال ہے۔!“

”میں بڑی طرح پھنس گیا ہوں رینا وہ مجھے بالکل پسند نہیں۔ اُن لمحات میں جب اُس کی آنکھوں میں نشے کے بادل چھائے ہونے چاہئیں وہ اس طرح پٹاپٹ پلکیں جھپکاتی رہتی ہے جیسے دل ہی دل میں بینک بیلنس کا حساب کر رہی ہو۔!“

”بھئی تم تو کمال کے آدمی نکلتے.... میں بالکل بدھو سمجھی تھی۔!“

”یہ بھی میرے موڈ پر منحصر ہے۔ بعض اوقات بالکل جی نہیں چاہتا کہ لوگ مجھے عقلمند سمجھیں۔!“

”اس وقت کس قسم کا موڈ ہے۔!“

”چلو کبڑی کھیلیں۔!“

”یہ کیا ہے....؟“

”ایک اور قومی کھیل.... بڑی شاندار چیز ہوتی ہے۔!“

”مگر اس کا نام مجھے پسند نہیں۔!“

”مجبوری ہے.... کبڑی کو کبڑی ہی کہیں گے۔ گلگشت تو کہہ نہیں سکتے۔!“

”گلگشت کیا....؟“

”باغ میں ٹہلنے کو کہتے ہیں۔!“

دفتر کی گاڑی کی آواز سنائی دی اور رینا جو ناشتہ کر چکی تھی اٹھ کر آواز کی سمت دیکھنے لگی۔

”اوہ.... عبدل.... تم اندر چلے جاؤ.... فوراً۔!“ وہ اس کی طرف مڑ کر مضطربانہ انداز میں بولی۔

”کیوں....؟“

”نام آ رہا ہے.... اس کے ساتھ دو آدمی اور بھی ہیں۔!“

”کون نام....؟“

”وہی جس سے اُس دن جھگڑا ہوا تھا۔!“

”اوہ.... آنے دو.... دس آدمی بھی ساتھ ہوں تو کیا پروا ہے۔!“

”دیکھو.... اگر جھگڑا بڑھ گیا تو زحمت ہوگی۔ میرے ملازم ڈرپوک ہیں اور اتنے سویرے دفتر

کا عملہ بھی موجود نہیں ہے۔!“

”تم فکر نہ کرو....!“ پرنس نے بڑے اطمینان سے کہا اور اونگھنے کے سے انداز میں کرسی کی

پشت گاہ سے نکل گیا۔

گاڑی برآمدے کے سامنے رکی۔ نام نیچے اترا۔ پچھلی نشست پر دو قوی بیکل دیسی آدمی تھے۔

وہ بیٹھے رہے۔!

”جیری اور جرمی واپس آئے یا نہیں۔!“ نام نے برآمدے کے نیچے ہی سے گرج کر پوچھا۔

”نہیں وہ نہیں آئے....!“ آؤ وہاں کیوں کھڑے ہو۔!“ رینا مسکرا کر بولی۔  
 ”نہیں.... اُس کو یہاں بھیج دو....“ نام نے پرنس کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔!“

”نام.... یہ تم کیا کہہ رہے ہو.... جری اور جیری اسے پسند نہیں کریں گے۔!“

”دونوں جہنم میں جائیں.... اوگدھے نیچے آؤ....!“

”میں گدھا ہوں....؟“ پرنس نے اٹھتے ہوئے بگڑ کر کہا۔

”ہم تمہیں گدھے سے بھی بدتر بنادیں گے۔!“

”اچھی بات ہے۔ تو پھر دیکھو میرا گدھا بن....!“ پرنس نے کہہ کر چھلانگ لگائی اور اُس کے سینے پر لات رسید کرتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ نام اچھل کر دور جا پڑا تھا۔ سیٹ پر بیٹھے ہوئے دونوں دیسی آدمی نیچے اتر آئے۔

وہ تیزی سے پرنس کی طرف جھپٹے تھے۔ رینا چیخنے لگی لیکن ان میں سے ایک نے جبرے پر مکا کھایا اور دوسرے کے پیٹ پر لات پڑی۔

نام پھر گالیاں بکتا ہوا پرنس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس بار ان تینوں نے ملکر اس پر یلغار کر دی۔ رینا مضبوط اعصاب رکھتی تھی۔ لیکن اس وقت اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے خود ہوا میں اڑی جا رہی ہو۔

اور پرنس کے پاؤں تو چمچ زمین سے لگتے نہیں معلوم ہوتے تھے۔ اتنا تیز ایکشن یا تو فلموں میں نظر آتا ہے یا وہ اس وقت دیکھ رہی تھی۔ پرنس کے دونوں ہاتھ اور پیر یکساں رفتار سے چل رہے تھے اور ان تینوں کے حصے میں برابر کی چوٹیں آرہی تھیں۔

دفعتاً ایک دیسی آدمی نے کسی قدر پیچھے ہٹ کر چاقو نکال لیا۔

”عبدل دیکھو....!“ رینا حلق کے بل چیخی۔

”میں دیکھ رہا ہوں تم فکر نہ کرو....!“

جس نے چاقو نکالا تھا لاکار تا ہوا پھر آگے بڑھا۔

نام اور اس کا دوسرا ساتھی اس کی راہ سے ہٹ گئے اور پرنس جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔

چاقو بردار اس سے دو گز کے فاصلے پر کھڑا اُسے خوں خوار نظروں سے گھورے جا رہا تھا۔

دفعتاً پرنس ہنس پڑا اور حریف نے اس پر چھلانگ لگائی پھر رینا اتنا ہی دیکھ سکی کہ حریف دوسرے ہی لمحے میں کسی طرح اچھل کر دور جا پڑا تھا اور چاقو اس کے ہاتھ سے نکل کر مخالف سمت میں کیسے اڑتا چلا گیا تھا۔

اس کے بعد تو پرنس نے کمال ہی کر دیا تھا۔ رینا سمجھی تھی کہ وہ جھپٹ کر چاقو پر قبضہ کر لے گا لیکن وہ تو اُن سے پوچھ رہا تھا۔

”کیوں بھی بس.... یاد دوسرا اوٹ نہ بھی چلے گا۔ میرے خیال سے تو ایک ایک کپ کا پی ہو جائے اس کے بعد چلے دوسرا اوٹ نہ....!“

”کیا حماقت ہے۔!“ رینا جھنجھلا کر چیخی۔ ”تم چاقو کیوں نہیں اٹھا لیتے۔!“

”میں اپنے ناخنوں سے ان کے پیٹ پھاڑ سکتا ہوں۔ ان میں سے جو بھی چاہے چاقو اٹھا لے مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔!“

وہ تینوں گاڑی کے قریب کھڑے ہانپتے رہے۔!

دفعتاً پرنس اُن کی طرف مڑا اور اپنے ہم وطنوں سے بولا۔

”کیا تم لوگ مرنا ہی چاہتے ہو۔!“

”مجھے افسوس ہے.... استاد.... میں نہیں جانتا تھا کہ اپنے ہی کسی بھائی سے مقابلہ ہو گا۔ انجینئر صاحب نے وضاحت نہیں کی تھی۔“ اُن میں سے ایک ہانپتا ہوا بولا۔ ”ایسے داؤ تو میں نے آج تک نہیں دیکھے۔!“

”کیا بکتا ہے.... تم حرامی....!“ نام ٹوٹی پھوٹی اردو میں اس پر الٹ پڑا۔

”ہم جارہے ہیں صاحب.... آپ جانیں اور آپ کا کام....!“ دیسی آدمی ناخوش گوار لہجے میں بولا۔ ”کام کرنے والے ہیں۔ بہت نوکریاں مل جائیں گی۔!“

نام اس سے کچھ کہنے کی بجائے چاقو اٹھانے کے لئے جھپٹا۔ لیکن پرنس نے ایک بیک اچھل کر پھر اس کے سینے پر ایک لات رسید کر دی اور ہنس کر بولا۔ ”تم سے تو میں گدھوں ہی کی طرح پیش آؤں گا۔!“

اس بار نام نہ اٹھ سکا.... اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ رینا اچھی طرح سمجھتی تھی کہ وہ

بن رہا ہے۔!

تجویر جولیا ہی کی تھی اور سب نے اسے پسند کیا تھا۔  
 ”لیکن اس سے کیا فائدہ ہو گا!“ صدیقی نے اس سے پوچھا۔  
 ”میں نے جیمسن سے گفتگو کی تھی!“  
 ”تو کیا اُسے ہوش آگیا!“

”ہاں.... اس کا بیان ہے کہ وہ اس کے کمرے کی کھلی ہوئی کھڑکی سے اس طرح اندر داخل ہوا تھا جیسے فضا میں اڑتا ہوا آیا ہو.... یہ خیال قطعی درست معلوم ہوتا ہے کہ اس نے جیمسن کو کبھی کھڑکی کے قریب کھڑے دیکھا ہو گا۔ بہر حال جیمسن نے اُسے ایک انفرادی معاملہ بنانے کی کوشش کی تھی۔ اس نے اُس سے کہا تھا کہ پولیس نے اُسے چھوڑ دیا ہے اور ظفر کو روک لیا گیا ہے اور اب وہ میرا ملازم ہے۔ پھر وہ اس کے بیان کی تصدیق ہی کیلئے اسے میرے کمرے میں لایا تھا!“  
 وہ خاموش ہو گئی اور صدیقی ہنس کر بولا۔ ”تو میرا آپے سے باہر ہو رہا تھا!“  
 ”کیوں....؟“

”تم نے آخر مجھے کیوں منتخب کیا....؟“  
 ”میں نہیں سمجھ سکتی کہ اس آدمی کا مصرف کیا ہے۔ ایکس نوکی نظروں میں اُسکی کیا اہمیت ہے۔“  
 ”یہ بات تو آج تک کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آ سکی!“  
 ”اس سب مادے کے تجربے کی رپورٹ تم نے دیکھی۔“ جولیا نے کچھ دیر بعد پوچھا۔  
 ”نہیں....!“

”کلوروفل.... جس میں ایک نامعلوم مادے کی آمیزش پائی گئی ہے۔“  
 ”نامعلوم مادہ....!“

”یہ کچھ عجیب سے ذرات کے گروپوں پر مشتمل ہے۔ ہر گروپ کے ذرات کی حرکت مختلف ہے۔ اس دوسرے مادے کا تجزیہ الگ سے کیا جائے گا۔ ابھی رپورٹ نامکمل ہے۔“

”کیا وہ کسی ایسے سیارے کی مخلوق تھی جہاں جاندار اجسام پودوں کی سی حیثیت رکھتے ہیں۔“  
 ”لکھ ڈالو ایک سائنس فکشن....!“ جولیا ہنس کر بولی۔

دفعتاً کسی نے دروازے پر دستک دی اور صدیقی نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔  
 سامنے ایک اجنبی کھڑا تھا۔

”کیا تم میں سے کوئی ڈرائیو کر سکتا ہے....؟“ پرنس نے دیسیوں سے پوچھا۔  
 ”جی ہاں....!“ ایک بولا۔

”اسے لے جاؤ.... اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ میں تم تینوں کو پولیس کے حوالے کر دیتا۔ لیکن خیر.... اور تم اپنا چاقو اٹھا لو....!“

دوسرے آدمی نے چاقو اٹھایا اور بند کر کے جیب میں ڈال لیا۔ پھر وہ بیہوش نام کو اٹھا کر گاڑی کی پیچھلی سیٹ پر ٹھونسنے کی کوشش کرنے لگے۔

روانگی سے پہلے اُن دونوں نے پرنس کو بڑے ادب سے سلام کیا تھا۔ رینا خاموش کھڑی یہ سب کچھ دیکھتی رہی۔ اُن کے چلے جانے کے بعد بھی خاموش رہی۔

”ایک گرام گرم کافی....!“ پرنس اس کے چہرے کے قریب ہاتھ نچا کر بولا۔  
 ”تم دلیر ضرور ہو مگر بالکل احمق....!“ رینا غصیلے لہجے میں بولی۔ ”دنیا کا کوئی آدمی چاقو کو اس طرح نظر انداز نہیں کر سکتا۔!“

”دراصل میں دھاردار اسلحہ سے ڈرتا ہوں۔ کہیں الٹ کر اپنے ہی نہ لگ جائے۔ ارے تم مجھے جلدی سے کافی پلاؤ.... اور پھر شہر کی طرف نکل چلیں۔ ورنہ اگر لڑائی کا موڈ ختم ہو گیا تو اس بلیک میلر سے کیسے پنپیں گے۔!“

”میں سچ کہتی ہوں.... فادر فرڈی تینڈ تم سے مل کر بے حد خوش ہوں گے۔!“  
 ”فادر فرڈی تینڈ....!“ پرنس نے اس طرح دہرایا جیسے حافظے پر زور بھی دے رہا ہو کہ پہلے یہ نام کب اور کہاں سنا تھا۔

”ہاں رات میں نے تم سے ذکر کیا تھا.... وہ میرے ہمدرد ہیں اور میں اُن سے ہر معاملے میں مشورہ لیتی ہوں۔!“

”اچھا.... اچھا.... اُن سے بھی مل لیں گے۔ گرام گرم کافی پلیز....!“



جیمسن ہسپتال پہنچا دیا گیا تھا۔ جولیا اور صدیقی سائیکو مینشن والے فلیٹ سے اس طرح رخصت ہوئے تھے جیسے اب وہاں اُن کا تحفظ ناممکن ہو.... سامان کرائے کی ایک اسٹیشن دیگن پر بار کیا گیا تھا اور وہ ہوٹل نمبر اسکا میں جا مقیم ہوئے تھے۔

”کیا بات ہے....؟“

”کیا میں اندر آسکتا ہوں؟“

”آپ ہیں کون....؟“

”میں سول ہسپتال سے آیا ہوں۔!“

”آئیے....!“

اندر آکر وہ جولیا کے لئے احتراماً جھکا اور صدیقی کی اجازت سے خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔

”بڑی مشکل سے پیہ لگا کر آپ لوگوں تک پہنچا ہوں۔!“ اس نے کہا۔

”فرمائیے کیسے تکلیف کی....!“ صدیقی بولا۔

”آپ کے زخمی ملازم کے بارے میں بات کرنی تھی۔ اگر آپ اُس سے دست بردار ہونا

چاہیں تو ایک خدا ترس آدمی اس کی ذمہ داری لینے پر تیار ہیں۔!“

”اوہ....!“ جولیا نے طویل سانس لی اور بولی۔ ”یہ تو بہت اچھا ہوا۔ ہوٹل میں منتقل ہو جانے

کے بعد ہمیں اب کسی ملازم کی ضرورت نہیں رہی۔!“

”لیکن یہ نیک اور خدا ترس آدمی ہے کون....؟“ صدیقی نے پوچھا۔

”ایک غیر ملکی تبلیغی جماعت کے سربراہ فادر فرڈی سنڈ....!“

”وہ کوئی بھی ہوں....!“ جولیا جلدی سے بولی۔ ”ہمیں اس سے سروکار نہیں۔ ہمیں تو ایک

بڑی الجھن سے نجات مل گئی۔ فادر فرڈی سنڈ کا بہت شکریہ۔!“

اور پھر وہ اجنبی اُن کا شکریہ ادا کر کے چلا گیا تھا۔

صدیقی اور جولیا معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔



اُن کی گاڑی تیز رفتاری سے شہر کی طرف جا رہی تھی۔

آسمان اب بھی بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ کسی وقت بھی بارش ہو سکتی تھی۔ سردی پچھلے دنوں

کے مقابلے میں آج کسی قدر کم تھی۔ لیکن تیز رفتاری کی بناء پر ہوا کے سرد جھوکوں نے اُن کے

چہرے بے کر دیئے تھے۔

”آہستہ چلو.... ایسی بھی کیا بدحواسی....!“ رینا کچھ دیر بعد بولی۔

”میرا ہر کام عموماً جلدی کا ہوتا ہے۔ اگر دیر ہو جائے تو پھر وہی موڈ کا جھگڑا.... دراصل میرا

ستارہ ایسا ہی ہے۔!“ پرنس مسکرا کر بولا۔

”اوہ تو کیا ستاروں سے بھی دلچسپی ہے تمہیں۔!“

”بہت زیادہ نہیں....!“

”میرا کون سا ستارہ ہے....؟“

”عورتوں کا کوئی ستارہ نہیں ہوتا۔!“

”کیا مطلب....؟“

”عورتیں تو خود چاند ہوتی ہیں۔!“ پرنس آہستہ سے بولا۔

”اوہ.... تو تم اس قسم کی گفتگو بھی کر سکتے ہو....؟“

رینا نے محسوس کیا جیسے وہ شر مار رہا ہو اور غیر ارادی طور پر وہ جملہ اُس کی زبان سے نکلا ہو۔

وہ کھکھلا کر ہنس پڑی اور پرنس کچھ اور زیادہ جھینپتا ہوا سا نظر آنے لگا۔

رینا ہنستی ہی چلی گئی اور پھر وہ بھنا کر بولا۔ ”یہ فادر فرڈی سنڈ کیسا آدمی ہے۔ مجھے مذہبی قسم

کے لوگوں سے وحشت ہوتی ہے۔!“

”تم انہیں بہت اچھا پاؤ گے....!“

”ڈاڑھی دار ہیں....؟“

”بہت نورانی شکل ہے۔!“

”یہ تو اچھا نہیں ہوا.... مجھے پہلے ہی معلوم کر لینا چاہئے تھا۔!“ وہ پر تشویش لہجے میں بولا۔

”کیا معلوم کر لینا چاہئے تھا۔!“

”یہی کہ ڈاڑھی دار ہیں کہ نہیں۔!“

”اس میں کون سی مصیبت آگئی۔!“

”ڈاڑھی والوں کے سامنے میری زبان نہیں کھلتی.... ہکھلانے لگتا ہوں۔ ایسا محسوس کرتا

ہوں جیسے میں نے دنیا میں ابھی تک کچھ بھی نہیں کیا۔ بیکار وقت ضائع کیا ہے۔ میرے محسوسات

کچھ عجیب سے ہوتے ہیں۔ تم بور تو نہیں ہو رہی۔!“

”میرا خیال ہے کہ تم خود بھی مذہبی قسم کے آدمی ہو۔!“

”لیکن وہ دونوں بچے مجرم تو نہیں ہیں۔!“

”میرا مطلب یہ نہیں تھا.... فادر.... وہ بظاہر بیوقوف لیکن بے حد چالاک آدمی ہے۔ وہ یہ ضرور سوچے گا کہ براہ راست پولیس سے مدد لینے کی بجائے یہ لوگ میرے پاس کیوں آئے ہیں۔!“

پادری کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔ ”تم ٹھیک کہہ رہے ہو.... میرے بچے۔!“

”رینا نے مجھے دونوں تصویریں دکھائی تھیں۔ ایک کو میں پہچانتا ہوں۔!“

”تم....؟“ پادری چونک پڑا۔ آنکھوں میں سیاہ شیشوں کی عینک نہ ہوتی تو وہ شاید اُن میں

حیرت کے آثار بھی دیکھ سکتے۔!“

”ہاں فادر....!“

”کسے پہچانتے ہو....؟“

”گھنی مونچھوں اور پھولی ہوئی بھدی ناک والے کو....!“

”اور دوسرا....؟“

”اُسے میں نہیں جانتا.... وہ بھی اسی گروہ کا کوئی آدمی ہو گا۔!“

”گروہ....؟“

”ہاں فادر.... وہ ایک خطرناک قسم کا بلیک میلر ہے۔ میں خود بھی اس کی زیادتی کا شکار ہوں۔

زندگی تلخ ہو گئی ہے میری۔!“

”اوہ....!“

رینا نے مختصر آپرنس کی کہانی دہرائی۔ پادری غور سے سنتا رہا۔ کہانی کے دوران میں اکثر اس

کی زبان سے متاسفانہ کلمات بھی نکلتے رہے تھے۔

کہانی کے اختتام پر وہ غم انگیز لہجے میں بولا۔ ”آسمانی باپ تم پر رحم کرے!“

تھوڑی دیر تک کمرے کی فضا پر بو جھل سی خاموشی مسلط رہی۔ پھر پادری ہی نے سکوت توڑا تھا۔

”وہ جس نے پیدا کیا ہے ہر ایک کے احوال سے واقف ہے۔ کسی آدمی کو اُس نے اتنی قوت

نہیں دی کہ وہ غیب کا حال جان سکے۔ پس آدمی کو اپنی ہی کھال میں رہنا چاہئے۔ وہ ہمارے

گناہوں سے واقف ہے۔ اُن کی سزا خود دے گا۔ وہ کسی ایسے آدمی کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔ جو

دوسروں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھائے۔!“

”ارے کہاں....؟ کاش ہوتا۔“ پرنس نے ٹھنڈی سانس لی۔

شہر پہنچ کر رینا اُسے راستوں کے متعلق ہدایات دیتی رہی تھی اور وہ بالآخر ایک بڑی عمارت کے سامنے رکے تھے۔

عمارت میں داخل ہونے سے پہلے ایک بار پھر پرنس نے اپنی وحشت زدگی کا ذکر کیا۔

رینا اُسے ڈھارس بندھاتی ہوئی بولی۔ ”تم اُن سے مل کر بہت سکون محسوس کرو گے۔ یہ خیال

دل سے نکال دو کہ اُن کے سامنے نروس ہو جاؤ گے۔!“

انہیں ایک خادم نے ڈرائنگ روم کا راستہ دکھایا اور انہیں وہاں بٹھا کر رینا کا کارڈ لے گیا۔

تھوڑی دیر بعد فرڈی سنڈ کمرے میں داخل ہوا۔ دونوں اٹھ گئے اور اس نے ہاتھ اٹھا کر انہیں

دعائیں دیں۔

”فادر.... یہی ہیں پرنس عبدل.... جن کا ذکر میں نے آپ سے کیا تھا۔!“

”اوہ.... اچھا....!“ پادری نے پرنس سے مصافحہ کیا.... لیکن رینا نے محسوس کیا کہ پرنس

کا ہاتھ کانپ رہا ہے۔ اس کی آنکھوں میں خوف زدگی کے آثار بھی تھے۔

”کیوں میرے بچے.... تمہیں کیا تکلیف ہے....؟“ فرڈی سنڈ نے دفعتاً بڑے پیار سے پوچھا۔

”کچھ بھی نہیں.... فادر....!“ رینا جلدی سے بولی۔ ”یہ بالکل ٹھیک ہیں ابھی باہر مجھ سے

کہہ رہے تھے کہ میں مذہبی آدمیوں کا بڑا احترام کرتا ہوں لیکن اس احترام میں خوف کا جذبہ بھی

شامل ہوتا ہے۔!“

پادری مسکرایا.... اور پھر اُسے دعائی۔

”میں ایک بڑی اہم بات بتانے حاضر ہوئی ہوں فادر....!“ رینا کچھ دیر بعد بولی۔

”کیا بات ہے میری بچی....؟“

”پرنس کا مشورہ نہیں ہے کہ میں ڈینی کے دوست علی عمران سے مدد لوں۔!“

”کیوں؟ ڈینی تو اس کی بڑی تعریفیں کر رہا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ وہ بہ آسانی انہیں ڈھونڈ نکالے گا۔!“

”پرنس تم ہی بتاؤ....!“ رینا نے اُس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”فف.... فادر....!“ پرنس شرمیلے انداز میں ہٹلایا۔ ”وہ.... اچھا.... آدمی نہیں ہے اکثر

پولیس اور مجرموں دونوں کو بلیک میل کر ڈالتا ہے۔!“

پادری خاموش ہو گیا اس کی سانسیں تیزی سے چل رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اچانک اسے غصہ آ گیا ہو۔!

پرنس نے خوف زدہ نظروں سے رینا کی طرف دیکھا۔

دفترا پادری پھر بولا۔ ”سب سے بڑا آدمی وہی ہے جو شر کی قوتوں کو فنا کر دینے کی طاقت رکھتا ہو۔ پتہ نہیں کتنے دکھی انسان اس کے بچوں میں سک رہے ہوں گے۔ ان کا نام کیا ہے میرے بچے!“

”اس کے مکان کے چھانک پر نیم پلیٹ لگی ہوئی ہے اس پر..... پی سی ڈھمپ تحریر ہے۔ ایک بار میں نے ایک عورت کو اُسے ڈھمپی کہتے سنا تھا۔!“

”اُوہ تو تم اس کی جائے رہائش سے بھی واقف ہو.....!“

”ہاں فادر.....!“

”تمہیں تو اب تک اُسے فنا کر دینا چاہئے تھا۔!“

”بہت چالاک ہے فادر..... میں نے کئی بار کوشش کی ہے۔!“

”آسمانی باپ تمہاری مدد کرے گا۔ یقیناً اب اس کا آخری وقت قریب ہے ورنہ تم مجھ تک کیونکر پہنچتے۔!“

”بڑا عجیب اتفاق ہے فادر.....!“

”آسمان والے کا ہر کام مناسب وقت پر ہوتا ہے۔ رینا میری بچی میں تمہارے لئے بہت مغموم ہوں۔ اگر تم مناسب سمجھو تو اپنے بھائیوں کی بازیابی تک اسی چھت کے نیچے قیام کرو۔!“

”تمہارے لئے بھی میرے بچے! وہ پرنس کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”یہ مکان حاضر ہے۔!“

”شکریہ فادر..... میں بھی اپنے اس معاملے کے تصفیے تک گھر میں قدم نہیں رکھنا چاہتا۔!“

”تو میری میزبانی قبول کرو.....!“

”مجھے بے حد خوشی ہوگی فادر..... رینا بہت اچھی دوست ہیں..... اگر ان دونوں مجھے ان کا

سہارا نصیب نہ ہوتا تو میں شاید مر ہی جاتا۔!“

”آسمانی باپ رحم کرنے والا ہے۔!“



آج بار پر کی تصاویر کی نمائش کا افتتاح ہونے والا تھا۔ چوہان اور خاور نمائش گاہ میں موجود

تھے۔ انعمانی اور تنویر نمائش گاہ کے باہر ہی مناسب مقامات پر ٹھہر گئے تھے۔

”آخر یہ بار پر اب تک کیوں زندہ ہے۔!“ تنویر نے انعمانی کو مخاطب کیا۔

”یہ تینوں اسی لئے زندہ ہیں کہ ہم لوگ اُن کے ہاتھ آسکیں۔ صدر کا حشر سامنے ہے۔!“

دفترا تنویر چونک پڑا۔ ایک گاڑی اُس کے قریب آکر رکی تھی اور ایک آدمی اس پر سے اتر اٹھا اور نمائش گاہ کے صدر دروازے کی طرف بڑھتا چلا گیا تھا۔

”اُسے پہچانتے ہو.....!“ تنویر نے انعمانی سے پوچھا۔

”غالباً کہیں دیکھا ہے..... یاد نہیں پڑتا.....!“

”رحمان صاحب کے محلے کے ایک ڈپٹی ڈائریکٹر سعید صاحب ہیں۔!“

”اوہو..... تو کیا یہ لوگ بھی.....؟“

”پتہ نہیں.....!“

”اگر یہ بات ہے تو تم یہیں ٹھہرو..... میں اندر جا کر دیکھتا ہوں۔!“

تنویر نے براسامنے بنا کر شانوں کو جنبش دی۔

انعمانی ہال میں داخل ہوا۔ ابھی یہاں زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔!

ڈپٹی ڈائریکٹر ایک آدمی سے کچھ پوچھ رہا تھا۔ پھر وہ تیزی سے بار پر کی طرف بڑھا۔

انعمانی اسکے پہنچنے سے پہلے ہی اُس بڑی تصویر کے قریب جا کھڑا ہوا۔ بار پر دوسری طرف متوجہ تھا۔

ڈپٹی ڈائریکٹر اس کے پاس پہنچ کر بولا۔

”ایکسیکوزمی..... کیا یہ تمہاری تصاویر ہیں.....؟“

”جی ہاں.....!“ بار پر نے اس کی طرف مڑ کر اوپر سے نیچے تک دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

ڈپٹی ڈائریکٹر نے اپنی بغل میں دبے ہوئے اخبار کے رول کو کھولتے ہوئے کسی اشتہار کی

طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ ”کیا یہ اشتہار اسی نمائش کا ہے۔!“

”جی ہاں..... ہے تو.....؟“ بار پر نے کہا اس کے لہجے میں حیرت بھی تھی۔

”اس میں اس نشان کا کیا مطلب ہے۔!“

”بھلا میں کیا بتا سکوں گا۔ اشتہار کا تعلق براہ راست مجھ سے نہیں جس کلچرل سوسائٹی نے

نمائش کا اہتمام کیا ہے۔ اس کا سیکریٹری ہی اس کے بارے میں بتا سکے گا۔!“

”سکریٹری کون ہے....؟“

”مسٹر ویلفریڈ....!“

”اس سے کہاں ملاقات ہو سکے گی!“

”اس آدمی سے پوچھئے۔ میں کچھ نہیں جانتا۔!“ ہارپر کے لہجے میں جھنجھلاہٹ تھی۔

ڈپٹی ڈائریکٹر اب اس آدمی کی جانب چل پڑا جس کی طرف اشارہ کیا گیا۔

نعمانی بہت احتیاط سے آگے بڑھتا رہا اور اس وقت اُن کے قریب پہنچا جب دوسرا آدمی کہہ رہا تھا۔ ”مسٹر ویلفریڈ اس وقت کوزی بار میں ہوں گے کیا آپ انہیں پہچانتے ہیں۔!“

”نہیں۔!“

”تو پھر آپ کاؤنٹر کلرک سے پوچھئے گا۔ وہ بتا دے گا۔!“

”شکریہ....!“ ڈپٹی ڈائریکٹر نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

اب نعمانی کو جلدی نہیں تھی کیونکہ ”کوزی بار“ نام کا شراب خانہ اسی عمارت کے ایک حصے میں تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھی باہر نکلا اور کوزی بار کی طرف روانہ ہو گیا۔ اُس نے تو یہ سوچا کہ وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کیا تھا۔

کوزی بار بہت بڑی جگہ نہیں تھی۔ اندر داخل ہوتے ہی ڈپٹی ڈائریکٹر پر نظر پڑی۔ وہ ایک بڑی مونچھوں والے لحیم شحیم غیر ملکی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

اُن کے قریب ہی ایک خالی میز نعمانی نے بھی سنبھال لی۔

غیر ملکی.... ڈپٹی ڈائریکٹر سے کہہ رہا تھا۔ ”یہ نشان اسی لئے اشتہار میں دیا گیا ہے کہ اس سے

تعلق رکھنے والے لوگ متوجہ ہو جائیں۔!“

”اچھا تو پھر....؟“ ڈپٹی ڈائریکٹر کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

”بے حد دشواریوں کا سامنا ہے....!“

”کون سی آفت آگئی ہے۔!“

”کیوں نہیں....! آخر کوٹھی نمبر چھ سو چھیاسٹھ کا کیس دوبارہ کیوں اکھاڑا گیا۔!“

”پتہ نہیں کیوں....!“

”جب آپ کو پتہ نہیں تو پھر ہمارے لئے دشواریاں ہی دشواریاں ہیں۔!“

”میں کچھ نہیں جانتا....!“ ڈائریکٹر نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”میں بھی مجبور ہوں جناب....!“

”اگر شام تک تصویر نہ پہنچی تو تم سب اندر نظر آؤ گے۔!“

”اس سے کیا فرق پڑے گا۔!“ ویلفریڈ نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں سوال کیا۔

”تم ہوش میں ہو یا نہیں۔!“

”بالکل ہوش میں ہوں.... جناب اور اچھی طرح جانتا ہوں کہ آپ اپنی دھمکی کو عملی جامہ

نہیں پہنا سکتے۔!“

نعمانی بظاہر اخبار دیکھنے میں محو تھا اور اس کے سامنے میز پر بیٹر کی سر بند بوتل رکھی ہوئی تھی

جو اس نے اس دوران میں ویٹر سے طلب کی تھی۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے وہاں بیٹھ کر پینے کا ارادہ نہ

ہو۔ بلکہ اُسے اپنی ساتھ لے جائے گا۔

ڈپٹی ڈائریکٹر میز پر ہاتھ مار کر بولا۔ ”اچھا دیکھ لینا....!“

”لیکن اس کے بعد آپ تصویر کو ترس جائیں گے۔!“ ویلفریڈ ہنس کر بولا۔

”تم آخر چاہتے کیا ہو....؟“

”مجھے معلوم ہونا چاہئے کہ وہ کیس دوبارہ کیوں اکھاڑا گیا....؟“

”اچھی بات ہے میں معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔ تصویر مجھے شام تک ملنی چاہئے۔!“

”خیر مل جائے گی.... لیکن اگر آپ نے وعدہ پورا نہ کیا تو اُسے آخری ہی تصویر سمجھئے گا۔!“

”کس وقت اور کہاں ملے گی....؟“

”بس آپ کی کوٹھی پر پہنچا دی جائے گی۔!“

”اس میں فرق نہ پڑنا چاہئے۔!“

”آپ بھی اگر اپنا وعدہ پورا نہ کر سکے تو....!“ ویلفریڈ جملہ ادھورا اچھوڑ کر کھڑا ہو گیا کیونکہ

ڈپٹی ڈائریکٹر بھی اٹھ گیا تھا۔ دونوں نے مصافحہ کیا اور ڈپٹی ڈائریکٹر رخصت ہو گیا۔

نعمانی نے طویل سانس لی.... جب سے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور اخبار پر نظر جمائے ہوئے

سگریٹ سلگانے لگا۔

اس اخبار میں بھی نمائش کا اشتہار تھا اور اس کے اوپر کیو پڈ کی تصویر تھی۔ اس تصویر کے علاوہ

اور کوئی نشان اشتہار میں موجود نہیں تھا....!

لیکن کیونکہ یہ تصویر اُس کی عام تصویروں سے مختلف تھی۔ اس تصویر میں دو مونہے سانپ کو کمان کی شکل دی گئی تھی اور تیر دو دھارے خنجر سے مشابہہ تھا۔



جیمسن کی گردن سے ناف کے نیچے تک پلاسٹر چڑھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی بے بسی پائی جاتی تھی۔

بستر پر چت لیٹا ہوا تھا اور ڈاڑھی چھت کی طرف جھکتر ڈگری کا زاویہ بنا رہی تھی۔

پادری فرڈی نڈاس پر جھکا ہوا تھا۔ آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔

”تم کسی بات کی فکر نہ کرنا میرے بچے! جن لوگوں کے تم ملازم تھے انہوں نے ہوٹل میں رہائش اختیار کر لی۔ اس لئے اب انہیں ملازم کی ضرورت نہیں رہی!“

”مجھے اس کی پرواہ نہیں جناب....!“ جیمسن کمزور سی آواز میں بولا۔

”لیکن تم بے سہارا تو نہیں ہو۔ تمہاری خبر گیری میں نے اپنے ذمہ لی ہے۔ یہاں کنی اور مریض بھی ایسے ہیں جن کی دیکھ بھال میں کرتا ہوں۔ تمہیں جس چیز کی ضرورت ہو مجھ سے کہو!“

”طلسم ہو شر باکی ساتوں جلدیں منگوا دیجئے!“

”یہ کیا چیز ہے....؟“

”اردو کلاسیکس کا ایک سلسلہ ہے۔ جس کے سات حصے ہیں۔ دو جلدیں میں پڑھ چکا ہوں۔

آپ فی الحال تیسری جلد منگوا دیجئے!“

”مہیا کرنے کی کوشش کروں گا.... اور کچھ....!“

”ساتوں جلدیں ختم کرنے کے بعد بتاؤں گا!“

پادری تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”تمہیں یہ حادثہ کیونکر پیش آیا تھا!“

”وہ کوئی بھوت تھا جناب عالی....!“

”بھوت....؟ کیا مطلب....!“

”اڑتا ہوا میرے کمرے کی کھڑکی سے اندر داخل ہوا تھا۔ مجھ سے پوچھنے لگا تم کن لوگوں کے ساتھ

ہو! میں نے کہا کیا آپ میری مالکہ سے ملنا چاہتے ہیں!“ وہ میری کمرے سے ریو اور کی نال لگا کر مجھے

میری مالک کے کمرے تک لے گیا تھا۔ پھر وہاں اس کے سامنے میری پسلیاں توڑ کر رکھ دیں۔“

”لیکن تم نے پولیس کو تو یہ بتایا ہے کہ تم زینوں سے گر گئے تھے!“

”کیا وہ اس پر یقین کر لیتے!“

”تم کو بچ بولنا چاہئے تھا میرے بچے!“

”آپ سے تو جھوٹ نہیں کہا میں نے....! مجھے یقین ہے کہ آپ میری بات پر یقین کر لیں گے۔ کیونکہ سارے مذاہب میں بد ارواح کا تصور موجود ہے۔ رہ گئے پولیس والے تو وہ ڈنڈے

کے علاوہ اور کسی چیز کو بھی بھوت نہیں سمجھتے۔“

”تمہاری مالکہ نے بھی ایسی کوئی رپورٹ پولیس کو نہیں دی۔“

”وہ ایک سوئس خاتون ہیں۔“

”اس سے کیا ہوتا ہے.... وہ ایک غیر معمولی واقعہ تھا۔“

”جناب عالی.... اس سلسلے میں وہ خاتون ہی کچھ بتا سکیں گی۔ اپنی مصلحتیں وہ آپ جانیں۔“

”کیا پانی سی ڈھمپ سے ان کا کوئی تعلق ہے۔“

”ہی.... سی.... ڈھمپ....؟“ جیمسن کی آنکھیں حلقوں سے ابل پڑیں۔

”کیا تم اس نام کے کسی آدمی کو جانتے ہو۔“

”نہیں جناب....! میں غور کر رہا تھا کہ ڈھمپ کس زبان کا لفظ ہو سکتا ہے۔“

”تم نے اپنی بے ہوشی کے دوران میں کئی بار یہ نام دہرایا تھا۔“

”ٹھہریے....! مجھے سوچنے دیجئے۔“ جیمسن نے کہا اور متفکرانہ انداز میں خاموش ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”ہو سکتا ہے اس بھوت کا حلیہ میرے لاشعور سے کوئی ایسا بے شکا لفظ

نکال لایا ہو.... ایک ایسی ہستی جس کی شکل نظر نہ آ رہی ہو ڈھمپ ہی تو کہلائے گی۔“

”تو تم ڈھمپ کو نہیں جانتے۔“

”کسی ایسی ہستی کو میرا تصور بھی ہضم نہیں کر سکتا جس کا نام ڈھمپ ہو.... میرا خیال ہے کہ

اردو کے کلاسیک ادب میں بھی اس قسم کا کوئی نام میری نظر سے نہیں گذرا....!“

”تمہیں کلاسیکی سے دلچسپی ہے؟“

”صرف اردو کی کلاسیکی سے.... اگر وہ کسی لکھنوی بزرگ کا کارنامہ ہو تو ملکہ وکٹوریہ تک



سروے سے ڈلیاں کترتی نظر آئیں گی۔“

”میں نہیں سمجھا کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔“

”میں خود بھی نہیں سمجھ سکتا کہ اس وقت کیا بک رہا ہوں۔ شاید اس نام ڈھپ نے میرے ذہن پر بُرا اثر ڈالا ہے۔“

”کیا تم بالکل تنہا ہو.....؟“

”جی ہاں..... بالکل..... میرا اصل مالک جیل میں ہے۔“

”کیوں.....؟“

”ہم دونوں کو بھی اس کی وجہ نہیں معلوم..... انہوں نے مجھے چھوڑ دیا ہے..... لیکن میرے مالک کو نہیں چھوڑا۔“

”کیا تم سے کوئی جرم سرزد ہوا تھا۔“

”نہیں جناب..... جرم سے ہم سرزد ہو گئے تھے۔“

”میں نہیں سمجھا.....!“

”ہولی فادر..... میری ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ یقیناً کوئی بدروح تھی۔ میرے لئے کچھ کیجئے۔ کوئی روحانی عمل..... پلاسٹر چڑھانے سے ہڈیاں توجڑ جائیں گی..... لیکن میرے دل و دماغ پر اسی بھوت کا قبضہ رہے گا۔“

”اچھی بات ہے میرے بچے..... میں تدبیر کروں گا۔“

”بہت بہت شکریہ فادر.....!“

پادری پھر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔

”کیا تم کسی کرسٹوپاؤلس کو جانتے ہو.....!“

”میرا خیال ہے کہ میں نے یہ نام اپنے مالک کی زبان سے سنا ہے۔“

”تمہارے مالک کا کیا نام ہے۔“

”ظفر الملک.....!“

”کیا کوئی سنگین الزام تھا۔“

”میرا باس ہی جانے..... اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا تھا بس ہم اچانک دھر لئے گئے تھے۔“

”چھپانے کی کوشش نہ کرو..... میرے بچے شاید میں اس کی بھی مدد کر سکوں۔“

”میرا باس مجھے اپنے معاملات سے باخبر نہیں رکھتا تھا۔“ جیمسن نے کہا اور پھر بہت آہستہ

سے بولا۔ ”وہ ایک لاش کا معاملہ تھا۔“

”لاش.....؟“

”ہاں فادر..... وہ لڑکی پہلے میرے باس کی سیکریٹری رہ چکی تھی۔ ایک دن ہم ایک نئے مکان میں

غفل ہوئے اور وہاں ہم نے اس لڑکی کی لاش چھت سے لٹکی دیکھی اور پھر اچانک پولیس وہاں پہنچ گئی۔“

”بڑی بھیاںک بات ہے۔“

”پتہ نہیں کون ہے جو ہمیں پریشان کر رہا ہے۔ پتہ نہیں ہم کو پھانسی دلو کر اسے کیا ملے گا۔“

”کرسٹوپاؤلس کے بارے میں تمہارے باس نے کیا بتایا تھا۔“

”اچھی طرح یاد نہیں۔“ جیمسن پادری کو غور سے دیکھتا ہوا بولا۔ ”کرسٹوپاؤلس کون ہے

فادر..... اور اس کا ہمارے معاملات سے کیا تعلق.....!“

”ہو سکتا ہے وہی تمہارے مصائب کا ذمہ دار ہو۔“

”کیا وہ کوئی بُرا آدمی ہے۔“

”بہت بُرا میرے بچے۔ کیا تم لوگوں سے کبھی کوئی ایسا جرم سرزد ہوا تھا جس کا الزام تم پر نہ آ سکا ہو۔“

”نہیں فادر..... مجھے تو یاد نہیں۔“

”ہو سکتا ہے تمہارے باس سے سرزد ہوا ہو اور تم لاعلم ہو۔“

”اس کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں فادر.....!“

”کرسٹوپاؤلس ایسے آدمیوں کو بلیک میل کر کے اپنے لئے کار آمد بناتا ہے لیکن اب تم فکر نہ

کرو..... وہ یہاں سے اچانک فرار ہو گیا ہے اور جہاں بھی جائے گا مار ڈالا جائے گا۔“

”میں اس کے متعلق تفصیل سے کچھ نہیں جانتا۔“

”دنیا کے بہترے آدمی اس کی تلاش میں ہیں۔ وہ جلد ہی اپنے انجام کو پہنچے گا۔“

”مجھے کسی کی بھی پرواہ نہیں سوائے اس بھوت کے۔ آپ تو کچھ اس سلسلے میں کردیجئے فادر

وہ میرے ذہن پر بُری طرح چھایا ہوا ہے۔“

”تمہاری یہ بات میری سمجھ میں نہیں آسکی۔ پھر بھی میں اس پر غور کروں گا..... دعا کروں

”بہتری باتیں نہیں ہونی چاہئے تھیں۔ لیکن بہر حال ہوئیں۔ ہمیں ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہئے۔“

”وہ مردود ابھی تک نہیں پلٹا....!“ چوہان نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔  
 ”اُس پر اسرار نقاب پوش کے بارے میں کیا خیال ہے جس نے گھڑی سے باہر چلا ننگ لگائی تھی اور پھر اس کا سراغ نہیں مل سکا تھا۔“

”صفر کا خیال ہے کہ ولبر سناکس کے بیان کے مطابق وہی شخص اے ون ہو سکتا ہے۔“

”جیسن کا کہنا ہے کہ وہ اڑتا ہوا اس کی گھڑی سے کمرے میں داخل ہوا تھا۔“

”جیسن....! شاید کسی قسم کا پیک لانے والا نشہ استعمال کرتا ہے۔“

”اس کلور و فل کا کیا چکر تھا۔“

”میں اس قسم کے شعبدوں کے پھیر میں نہیں پڑتا.... میں نے صفر سے اس کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا تھا۔“

وہ اس آدمی کے دوبارہ برآمد ہونے کا انتظار کرتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھانک پر آکھڑا ہوا۔ چند لمحے ادھر ادھر دیکھتا رہا اور پھر ایک سست پیدل چل پڑا۔

”لا حول ولا قوۃ....!“ نعمانی برا سامنے بنا کر بولا۔

”تم ہی جاؤ....!“ چوہان بڑبڑایا۔

”میرا خیال ہے کہ اب اس کا تعاقب کرنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔“

”جیسا دل چاہے۔!“ چوہان نے لا پرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

نعمانی کا خیال تھا کہ کسی چیز کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کے لئے معقول معاوضے پر کوئی بھی تیار ہو سکتا ہے۔ کوئی غیر متعلق شخص.... جو بعد میں کسی کی بھی نشاندہی نہ کر سکے۔!

وہ اس شخص کا تعاقب کرتا اور جھنجھلاتا رہا۔ اس وقت نہ جانے کیوں اُس کی قوت فیصلہ جواب دے گئی تھی۔ تعاقب جاری رکھے یا اسے نظر انداز کر دے۔

دفعتاً عقب سے ایک گاڑی آکر اس کے قریب رکی اور چوہان کی آواز سنائی دی۔

”اے چھوڑو.... ادھر آ جاؤ....!“

نعمانی نے اگلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور اس کے برابر بیٹھ گیا۔ گاڑی دوبارہ حرکت میں آگئی۔

گا تمہارے لئے۔!“

”شکریہ فادر....!“ جیسن نے کہا اور کراہ کر آنکھیں بند کر لیں۔



ڈپٹی ڈائریکٹر سعید کی کوٹھی کی نگرانی شروع ہو چکی تھی۔ نعمانی اور چوہان مختلف جگہوں سے آنے والوں کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔

ٹھیک چھ بجے کوٹھی کے پھانک پر ایک رکشہ آکر اُس پر سے ایک آدمی اتر کر میٹر دیکھنے لگا۔ اس کے بعد اس نے کرایہ ادا کیا تھا اور اُس پر سے ایک بڑا سا پیک اتر کر کوٹھی کی کپاؤنڈ میں داخل ہو گیا تھا۔ پیکٹ کی بناوٹ بتاتی تھی کہ اس میں فریم کی ہوئی کوئی تصویر ہی ہو سکتی ہے۔

اس کے اندر داخل ہو جانے کے بعد نعمانی اور چوہان اپنی جگہوں سے ہٹ کر ایک دوسرے سے آملے۔

”کیا خیال ہے۔!“ نعمانی بولا۔

”پیکٹ میں کوئی فریم ہی معلوم ہوتا تھا۔!“

”لیکن وہ ہمارے ہاتھ کیونکر لگے۔!“

”ناممکن ہے۔!“

”تو پھر....؟“

”اس آدمی کا تعاقب کریں گے۔!“

”وہ کوئی اہم آدمی نہ ہوگا۔!“

”پھر بھی۔!“

”دراصل مجھ سے غلطی ہوئی۔!“ نعمانی بڑبڑایا۔ ”مجھے کونزی بار ہی میں رک کر اس آدمی ویلفریڈ کی نگرانی کرنی چاہئے تھی۔!“

وہ اس آدمی کی واپسی کا انتظار کرتے رہے۔

”جو لیا اور صدیقی زن و شوہر کی حیثیت سے نبراسکا میں مقیم ہیں۔!“ چوہان تھوڑی دیر بعد بولا۔

”تویر کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ آخر جولیانے اس پارٹ کے لئے صدیقی ہی کا انتخاب کیوں کیا؟“

”جیسن کو سائیکو مینشن میں نہیں رکھنا چاہئے تھا۔!“

کی بناء پر سامنے مسہری پر سونے والا جاگ پڑا تھا۔

سیاہ پوش نے ریو اور اس کی طرف اٹھاتے ہوئے کہا۔ ”اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کرنا۔!“

بھدی ناک اور گھٹی موٹھوں والا مسہری پر پڑا بے بسی سے پلکیں جھپکا رہا۔

”اب اٹھ بیٹھو....!“ سیاہ پوش نے ریو اور والے ہاتھ کو جنبش دے کر کہا۔

”تم کون ہو میرے بھائی۔!“ اُس نے اٹھتے ہوئے بھرائی سی آواز میں پوچھا۔

”تمہاری موت....!“ جواب ملا۔

”مگر مجھے تو ایک نجوی نے بتایا تھا کہ کسی بوڑھی عورت کے ہاتھ سے مارے جاؤ گے۔!“

”بکو اس بند کرو....!“ بھدی ناک والا قہقہہ لگا کر بولا۔ ”پرنس عبدالننان بچوں کی سی

حرکتیں نہ کرو.... اس سے کیا فائدہ! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ مجھ پر قابو نہ پاسکو گے۔ اگر تم

مجھے کچھ نہیں دے سکتے تو روشی کے مطالبات پورے کرو۔!“

”تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔!“ نقاب پوش بولا۔

”تو پھر تم کون ہو....؟“

”وہی جس سے تم ملنا چاہتے تھے۔!“

”آپا.... تو پھر تم ان مناروں والیوں کے پاس ہو سکتے ہو۔!“

”اس بار تم سے اندازے کی غلطی نہیں ہوئی۔!“

”تو معاملے کی بات کرو.... ریو اور جیب میں رکھ لو....!“

”میں تمہیں فدا کر دوں گا.... تم جیسے حقیر کیڑوں سے معاملے کی بات ہو نہہ....!“

”تو پھر اپنے آدمیوں سے ہاتھ دھور کھو....!“

”کون سے آدمی....؟“

”وہ دونوں عورتیں.... ڈکسن برادران اور ولبر سناکس....!“

”شاطر کو مہرے پننے کا غم نہیں ہوتا۔ میں نے تو تم سے بھی یہ نہیں پوچھا کہ وہ سب زندہ

ہیں یا مر گئے۔!“

”پھر تم کیا یہاں جھک مارنے آئے ہو۔!“

”نہیں.... تم سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کس کے لئے کام کر رہے ہو۔!“

”ابھی میں نے ٹرانس میٹر پر صفدر سے گفتگو کی تھی۔!“ چوہان بولا۔ ”وہ کہہ رہا تھا کہ اس

آدمی کا تعاقب کرنے کی ضرورت نہیں۔ ویلفریڈ پر نظر رکھی جائے۔!“

”مجھے پہلے ہی اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا۔!“

”اب دوسرا کام درپیش ہے....!“ چوہان بولا۔

”وہ کیا....؟“

”پلی.... سی.... ڈھمپ والے بنگلے میں ملازموں کی حیثیت سے قیام.... ہمیں فوری طور پر

وہاں پہنچنا ہے۔!“

”اوہو.... تو کیا وہ حضرت وہیں مقیم ہیں۔!“

”پتہ نہیں.... بہر حال بعض اوقات وہ یہی نام اختیار کر کے کام کرتا ہے۔!“

”چلو وہیں جھک ماریں۔!“

”اس سے پہلے ہمیں میک اپ بھی کرنا پڑے گا۔ ویلفریڈ کی نگرانی کسی اور سے کرائی جائے گی۔!“



رات تاریک تھی.... وہ گاڑی سے اترا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا بنگلے کی کپاؤنڈ وال کے پاس

پہنچا پھر ایک ہی جست اُسے کپاؤنڈ وال کی دوسری طرف لے گئی۔

پائیں باغ میں اندھیرے اور سناٹے کی حکمرانی تھی۔ وہ عمارت کی طرف بڑھتا رہا۔

سرتاپا سیاہ پوش تھا۔ چہرے پر بھی غلاف سا منڈھ رکھا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسے دیکھ

لئے جانے کا خوف ہی نہ ہو۔!

برآمدے میں پہنچ کر اس نے صدر دروازے کا ہینڈل گھما کر دیکھا دروازہ مقفل تھا۔

قفل کا سورخ ٹٹول کر اُس نے ایک باریک سا دھڑا اُس میں ڈالا.... ہاتھ کو ہلکی سی جنبش دی

اور قفل کھلنے کی آواز سن کر ہینڈل پھر گھمایا۔ اس بار دروازہ کھلتا چلا گیا تھا۔

وہ اندر داخل ہوا۔ ہر طرف اندھیرا تھا۔ صرف ایک دروازے کے شیشوں سے گہری نیلی

روشنی کا عکس راہداری میں پڑ رہا تھا۔

یہاں رک کر اس نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا۔ لیکن ہینڈل گھماتے ہی نہ صرف

دروازہ کھلا بلکہ کمرے میں تیز قسم کی روشنی بھی پھیل گئی۔ غالباً روشنی کے اُس اچانک جھماکے ہی

”اپنے لئے....!“

”کیا مطلب....؟“

”کوئی بڑی رقم لے کر میں تمہاری راہ سے ہٹ جاؤں گا۔!“

اچانک دو آدمی عقب سے نقاب پوش پر ٹوٹ پڑے اور پھولی ہوئی ناک والے نے اچھل کر اُس کے ریوالتور والے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔

ریوالتور اچھل کر دور جا پڑا۔ لیکن ساتھ ہی وہ دونوں آدمی بھی اچھل اچھل کر دونوں اطراف کی دیواروں سے جا ٹکرائے۔

بھدی ناک والا ریوالتور پر قبضہ کر چکا تھا۔

”ہلنا نہیں.... اپنی جگہ سے.... ورنہ فائر کر دوں گا۔!“ اس نے نقاب پوش کو دھمکی دی۔

اُن دونوں نے اٹھنا چاہا لیکن چکر اکر گر پڑے۔ غالباً اُن کے سر دیواروں سے ٹکرائے تھے۔! نقاب پوش پر دھمکیوں کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ آہستہ آہستہ اُس کی طرف بڑھتا آ رہا تھا۔ دونوں ہاتھ اس طرح پھیلے ہوئے تھے جیسے اُس سے بغل گیر ہونے کا ارادہ رکھتا ہو۔!

”اچھی بات ہے۔!“ بھدی ناک والا سر ہلا کر بولا۔ ”اگر تم معافت ہی کرنا چاہتے ہو تو یہ لو۔!“ اُس نے ریوالتور مسہری پر اچھال دیا اور اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ دفعتاً نقاب پوش آہستہ روی ترک کر کے اُس پر چھٹ پڑا۔ لیکن بھدی ناک والا جھکائی دے کر برق رفتاری سے اُس کی پشت پر نہ صرف پہنچا تھا بلکہ کمر پر ایک لات بھی رسید کر دی تھی۔

نقاب پوش لڑکھاتا ہوا اسنے والی دیوار سے جا ٹکرایا۔ وہیں ایک آدمی بھی پڑا ہوا تھا اُس نے اُس کی ٹانگیں دونوں ہاتھوں سے جکڑ لیں اور وہ پھر دوسری جانب چاروں شانے چت گرا۔

پھر بھدی ناک والے نے نیچے جھک کر اس کے چہرے پر منڈھا ہوا غلاف اتارنا چاہا تھا کہ اس نے دونوں ہاتھوں سے اس کی گردن جکڑ لی۔ گرفت مضبوط تھی۔ وہ گلو خلاصی کیلئے زور لگانے لگا۔

اب پوزیشن یہ تھی کہ نقاب پوش کی ٹانگیں اس آدمی کی گرفت میں تھیں اور خود اس نے بھدی ناک والے کی گردن جکڑ رکھی تھی۔ دوسرا آدمی جھلائے ہوئے انداز میں اٹھا اور بستر پر پڑے ہوئے ریوالتور پر قبضہ کر کے دہڑا۔

”گردن چھوڑ دو.... ورنہ فائر کر دوں گا۔!“

لیکن اس نے بھدی ناک والے کی گردن نہ چھوڑی۔ البتہ اپنی دونوں ٹانگیں اس آدمی کی گرفت سے چھڑا کر ٹانگوں ہی سے اس کی مرمت کرنے لگا۔

اس کی کراہیں کمرے میں گونج رہی تھیں۔ دفعتاً دوسرے آدمی نے اس پر فائر جھونک مارا۔ ”کیا کرتے ہو....!“ بھدی ناک والا غرایا۔ اتنے میں اس نے جو زور لگایا تو نقاب پوش کی گرفت اس کی گردن پر ڈھیلی پڑ گئی لیکن جب وہ اسے دھکا دے کر اچھلا تو یہ پتہ چلا کہ گرفت خود اس نے دیدہ دانستہ ڈھیلی کی تھی۔

بھدی ناک والا اس کے اچانک اچھلنے کی بناء پر لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا ہی تھا کہ نقاب پوش نے دوسری چھلانگ لگائی اور بیڈروم کے دروازے سے گذر گیا۔

دوسرے آدمی نے پھر فائر جھونک مارا۔

”کیا حماقت کر رہے ہو۔!“ بھدی ناک والا جھلا کر بولا۔ ”پوری ہستی کو جگاؤ گے۔!“ پھر اُس نے دروازے کی طرف بڑھنے کا ارادہ کیا تھا کہ پوری عمارت ایک زوردار دھماکے سے لرز اٹھی۔

وہ منہ کے بل فرش پر گرے تھے۔ دھوئیں کا ایک زبردست ریلادروازے سے داخل ہوا۔ ”اٹھو بھاگو.... وہ کھڑکی.... وہ کھڑکی.... وہ کھڑکی کھولو۔!“

بھدی ناک والا چیخا.... اور جیسے ہی ان میں سے ایک آدمی کھڑکی کے قریب پہنچا بھدی ناک والے نے جھپٹ کر روشنی بجھا دی۔

”یہ کیا کر رہے ہو....!“ دونوں نے بیک وقت کہا۔

”جلدی کرو.... کھڑکی کھولو....!“

”وہ تینوں ہی اب نرمی طرح کھانسنے رہے تھے کسی نہ کسی طرح کھڑکی کھلی اور انہوں نے باہر چھلانگیں لگانی شروع کیں.... ساتھ ہی ایسی آواز بھی آئی جیسے ٹامی گن سے فائرنگ ہوئی ہو۔

”خبردار اٹھنا نہیں۔!“ بھدی ناک والا آہستہ سے بولا۔ ”ریگتے ہوئے عمارت کی پشت پر نکل چلو!“ کیاؤنڈ کے باہر سڑک پر سے لوگوں کے دوڑنے کی آوازیں آرہی تھیں۔

”نکل چلو.... چلو.... ورنہ دشواری میں پڑیں گے۔!“ بھدی ناک والا بولا۔ ”اب چہار

دیواری پر چڑھ کر دوسری طرف کود جاؤ۔!“

تھوڑی دیر بعد وہ اس عمارت سے کافی فاصلے پر تھے۔“

بھدی ناک والا کہہ رہا تھا۔ ”اس لئے بھائی تھی لائٹ.... اُس نے دھوئیں کا بم پھینکا تھا.... اگر ہمارے فرار ہوتے وقت کھڑکی میں روشنی ہوتی تو ہم نامی گن کی بوچھاڑ کی نظر ہو چکے ہوتے۔ کیا خیال ہے میرے دوستو!“

وہ دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔

کچھ دیر بعد بھدی ناک والا پھر بولا۔ ”تم نے فائر کر کے کھیل بگاڑ دیا۔ دونوں چلتے چلتے رک گئے اور ان میں سے ایک بولا۔ ”میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ وہی ”سبز لہو“ والا ہے۔“

”اور تم نے دیکھا کہ وہ تمہارے امتحان پر پورا اترتا ہے۔“

”یہ کیا بلا ہے آخر....؟“

”بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔“ بھدی ناک والا بولا۔



رینا پچھلی رات سے پرنس کی منتظر تھی۔ وہ وعدہ کر کے گیا تھا کہ دس گیارہ بجے تک واپس آجائے گا لیکن اب اس وقت دوسری صبح کے آٹھ بجے تھے اور وہ نہیں پلٹا تھا۔

ناشتے کی میز پر بھی وہ تنہا تھی۔ خادم نے بتایا کہ فادر فرڈی بنڈ کو پچھلی رات سے بخار ہو گیا ہے اور وہ آرام کر رہے ہیں۔ ناشتے پر اس کا ساتھ نہیں دے سکیں گے۔

نوبے پرنس عبدل کی شکل دکھائی دی۔ اس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے۔

”تم کہاں تھے....؟“ رینا نے پوچھا۔

”بس کیا بتاؤں پتہ نہیں کس طرح کھیل بگڑ گیا۔“

”آخر ہوا کیا....!“

”ڈھمپ کے بنگلے میں پولیس کی زبردست بھیڑ نظر آتی ہے۔“

”اوہ تو کیا وہ پکڑا گیا....؟“

”یہی تو افسوس ہے.... نکل گیا۔“

”بات کیا تھی.... کیا تم پولیس کے پاس دوڑے گئے تھے۔“

”ہرگز نہیں!“

”تو پھر یہ کیسے ہوا....؟“

”میں نے سنا ہے کہ پچھلی رات اس کے بنگلے میں زبردست دھماکہ ہوا تھا.... اور کچھ پڑوسیوں نے نامی گن کی فائرنگ بھی سنی تھی۔“

”اوہو.... تو پھر....!“

”اب پولیس کو پی سی ڈھمپ کی تلاش ہے۔“

”یہ تو بہت بُرا ہوا....!“

”کیوں....؟“

”اب وہ ہمارے ہاتھ نہ آسکے گا۔“

”ہاں.... یہ تو ہے.... پولیس کے ڈر سے روپوش ہو جائے گا۔ واقعی بہت بُرا ہوا۔“

”اب کیا ہو گا....!“

”بہترین موقع ہے تم بھی اپنی رپورٹ اُس کے خلاف لکھو اور....!“

”نہیں.... فادر فرڈی بنڈ کی رائے نہیں ہے۔“

”شائد وہ بھی وہی سوچتے ہیں جو میرا خیال تھا....!“

”کیا مطلب....؟“

”تمہارے بھائی در پردہ کسی غیر قانونی حرکت کے مرتکب بھی ہوتے رہے تھے۔“

”نہیں.... یہ ناممکن ہے.... تم یہ مت کہا کرو۔“

”چلو تمہارے خیال سے اب نہ کہوں گا۔“

”میری سمجھ میں نہیں آتا میں کیا کروں۔“

”فادر کہاں ہیں۔“

”ان کی طبیعت خراب ہے۔ ابھی بیڈ روم سے نہیں نکلے۔“

”بہر حال اب اس کا ہاتھ آنا مشکل ہے۔! غالباً فی الحال وہ شہر ہی سے غائب ہو جائے۔“

رینا کے چہرے پر ادا سی چھا گئی۔ اُسے یقین تھا اب اُس کے بھائیوں کا سراغ مل جائے گا۔ لیکن اس نئی خبر نے رینا کی سہمی امید کا بھی خاتمہ کر دیا۔

اب تو اپنے چیف سے بھی رابطہ قائم نہیں کر سکتی تھی کیونکہ چیف ہی کی ہدایت پر اُس نے اپنا

ٹرانس میٹر کر سٹوپاؤلس کے حوالے کر دیا تھا اور ضروری امور پر کر سٹوپاؤلس ہی سے گفتگو کرنے کی ہدایت بھی چیف ہی کی طرف سے ملی تھی۔

پھر ایک دن جب کر سٹوپاؤلس سے ملنے اس کی رہائش گاہ پر گئی تو ملازم سے معلوم ہوا کہ وہ کچھ دنوں کے لئے باہر گیا ہے۔

وہیں پادری فرڈی سنڈ سے بھی ملاقات ہوئی۔ اس نے بتایا کہ وہ کر سٹوپاؤلس سے ملنے آیا تھا۔ پھر پادری ہی نے اس سے پوچھا تھا کہ کیا وہ ڈکسن فیملی سے تعلق رکھتی ہے اس پر رینا کو حیرت ہوئی تھی۔ لیکن پادری نے بتایا کہ وہ جرمی ڈکسن اور جیری ڈکسن سے واقف ہے اور رینا ان سے بڑی مشابہت رکھتی ہے پھر پادری کی نرم زبانی نے اس کو اس پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ اسے بھی اپنے بھائیوں کی گمشدگی سے آگاہ کر دے۔ پادری نے تشویش کا اظہار کیا تھا اور اسے یقین دلایا تھا کہ وہ ہر معاملے میں اس پر تکیہ کر سکتی ہے۔ جرمی اور جیری بہت اچھے لڑکے ہیں وہ ان کے لئے سب کچھ کر سکے گا۔ پرنس بھی اس کے لئے ایک طرح کی ڈھارس ہی تھا۔ اس کی ذات سے کم از کم تنہائی کا احساس تو رفع ہی ہو گیا تھا۔ اس نے پر امید نظروں سے پرنس کی طرف دیکھا جہاں سر جھکائے بیٹھا کسی سوچ میں گم تھا۔

”تم کیا سوچ رہے ہو.....!“ اس نے اُسے مخاطب کیا۔

پرنس چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اتنے میں قدموں کی آہٹ ہوئی رینا مڑی۔ پادری کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ دونوں تعظیماً اٹھ گئے۔

”بیٹھو بیٹھو..... میرے بچو.....!“ وہ نقاہت بھری آواز میں بولا۔

”کیسی طبیعت ہے فادر.....! ابھی خادم نے بتایا تھا۔!“

”اب اس وقت تو نمبر پچ..... نہیں ہے۔!“ وہ بیٹھتا ہوا بولا اور پھر خاموش ہو کر بائیں لگا۔

وہ دونوں پُر تشویش نظروں سے اُسے دیکھتے رہے۔ کچھ دیر بعد بولا۔

”شام ہی سے میری طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ اسلئے اس بلیک میلر کے سلسلے میں کچھ نہ کر سکا۔“

”آپ کرتے بھی کیا..... فادر.....!“ پرنس نے پوچھا۔

”یہاں کے کئی بڑے آفیسروں سے میرے مراسم ہیں۔ میں اپنے طور پر ان سے مدد لیتا

کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔!“

”لیکن اب تو وہ کسی کے بھی ہاتھ نہ لگ سکے گا۔“

”کیا مطلب.....؟“ پادری چونک کر بولا۔

پرنس نے وہی واقعہ دہرایا جو کچھ دیر پہلے رینا کو بتایا تھا۔

”یہ تو واقعی بُرا ہوا!“ پادری بولا۔ ”بہت بُرا..... پتہ نہیں دونوں بچے کس حال میں ہوں۔!“

اس کی آواز گلوگیر ہو گئی اور رینا کی آنکھیں بھی بھر آئیں۔

کمرے کی فضا پر جو جھل سا سکوت طاری ہو گیا تھا۔ رینا کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں کیونکہ پادری کی آواز میں اس نے مایوسی کی جھلک محسوس کی تھی۔ اس سلسلے میں وہ حقیقتاً اسے ہی آخری سہارا تصور کرتی تھی۔ پرنس کو تو اپنے معاملات کی فکر زیادہ تھی اور وہ پادری کے مقابلے میں مخلص بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ پادری تو اس کا ہم وطن اور ہم قوم تھا۔

”تو پھر اب کیا ہو گا..... فادر.....؟“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہئے میری بچی۔!“

”ہاں ہاں..... اور کیا میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دوں گا۔!“ پرنس بھی بولا۔

”رینا بہت پریشان ہے.....!“ پادری نے کہا۔ ”تم اسے اپنے ساتھ کہیں باہر لے جاؤ۔“

میں تنہائی میں کوئی تدبیر سوچوں گا۔!“

”لیکن آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے فادر.....! میں آپ کی دیکھ بھال کروں گی۔!“

”میری دیکھ بھال کے لئے وہی کافی ہے۔!“ پادری چھت کی طرف انگلی اٹھا کر بولا۔ ”میں

اپنے لئے صرف اسی کی مدد کا منہ دیکھتا ہوں۔!“

”چلو اٹھو.....!“ پرنس نے رینا کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”فادر کا خیال درست ہے تمہیں تازہ

ہوا کی ضرورت ہے اور پھر یہ سارے مصائب آدمی ہی کے لئے ہیں۔!“

پادری کی پُر تقدس مسکراہٹ پرنس کے خیال کی تائید کر رہی تھی۔ پھر وہ اٹھ کر چلا گیا تھا۔

پرنس کے اصرار پر رینا بھی اٹھی تھی اور اس کے ساتھ جانے کی تیاری کرنے لگی تھی۔

باہر اُسے ایک لمبی سی شاندار گاڑی کھڑی نظر آئی۔

”اوہ..... یہ تمہاری گاڑی ہے۔!“ رینا نے خوش ہو کر پوچھا۔

”ہاں.....!“ پرنس کے لہجے میں لا پرواہی تھی۔

”مجھے علم ہے کہ یہاں کے بہت زیادہ دولت مند لوگوں میں تمہارا شمار ہوتا ہے۔ مجھے تمہاری دوستی پر فخر ہے۔!“

”اور مجھے اس پر فخر ہے کہ تم بہت خوش مزاج لڑکی ہو۔!“

رینا صرف مسکرائی تھی۔ کچھ بولی نہیں تھی۔ لمبی سی بے آواز گاڑی چکنی سڑک پر تیرتی چلی گئی۔

”ہم کہاں چل رہے ہیں۔!“ رینا نے پوچھا۔

”کسی اچھی سی تفریح گاہ میں وقت گزاریں گے۔!“

”تم سچ بچ بہت اچھے ہو۔!“ رینا ہنس کر بولی۔ ”اچھا یہ بتاؤ روشی سے چھٹکارا پالنے کے بعد تم کیا کرو گے۔!“

”خود کو بالکل ہی احمق محسوس کروں گا۔“

”کیا مطلب.....؟“

”کسی عورت کو پالنے کی تمنا حماقت ہے اور پا کر چھوڑ دینا اُس سے بھی بڑی حماقت۔!“

”میں نہیں سمجھی۔!“

”پالنے کے بعد کان اس کی ٹانگیں ٹانگیں کے عادی ہو جاتے ہیں اور چھوڑ دینے پر کانوں میں

سناٹا بیٹھتا ہے بجائے لگتا ہے اور آدی پاگل ہو جاتا ہے۔!“

”عورتیں باتونی ہوتی ہیں تم یہی کہنا چاہتے ہو نا۔!“ رینا نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

”اتنے میں پرنس چونک کر بولا۔“ عقب نما آئینے میں دیکھو.....!“

”کیا دیکھوں۔!“

”وہ نیلے رنگ کی گاڑی..... شروع ہی سے ہمارے پیچھے لگی ہوئی ہے۔!“

”میں نے دھیان نہیں دیا تھا۔!“

”میں نے شروع ہی سے اس کا خیال رکھا تھا۔ ڈھمپ خطرناک آدمی ہے۔!“

”اوہ تو کیا وہ اس کی جرأت کر سکے گا جب کہ پولیس بھی اس کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔!“

”وہ ایک بے جگر آدمی ہے۔!“

”کیا تم اس سے خائف ہو۔!“

”ہرگز نہیں.....! لیکن ہمیں بہر حال محتاط رہنا چاہئے۔!“

تھوڑی دیر بعد وہ ساحلی تفریح گاہ کی حدود میں داخل ہوئے۔ نیلے رنگ کی کار اب بھی عقب نما آئینے میں نظر آرہی تھی۔

لیکن اپنی گاڑی پارک کر دینے کے بعد ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے اس نیلی کار سے فادر فرڈی ہنڈ کو اترتے دیکھا۔ وہ انہیں کی طرف آ رہا تھا۔

”تمہیں حیرت ہو گی میرے بچو.....!“ وہ قریب آ کر بولا۔

دونوں کچھ نہ بولے..... پادری نے کہا۔ ”در اصل ایک نیا خیال میرے ذہن میں ابھرا تھا اور میں تم لوگوں کے پیچھے چل پڑا تھا۔ پرنس عبدل تم سے ایک اہم معاملے پر گفتگو کرنی ہے۔!“

”ضرور فادر..... میں ہر طرح حاضر ہوں..... میرے لائق جو بھی خدمت ہو۔!“

”آسانی باپ تم پر برکتیں نازل کرے۔!“

”آمین.....!“ پرنس نے مؤدبانہ کہا۔

وہ تینوں سی سائیڈ ہیون میں جا بیٹھے۔! پرنس نے ویٹر کو بلا کر مشروبات کا آرڈر دیا اور پادری کی طرف استغما یہ نظروں سے دیکھتا رہا۔

پادری تھوڑی دیر بعد ٹھنڈی سانس لیکر بولا۔ ”رینا مجھے تمہارے حالات سے آگاہ کر چکی ہے۔!“ پرنس نے رینا کی طرف دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔

”چھپلی رات تم کہاں غائب ہو گئے تھے۔!“ پادری نے اچانک سوال کیا۔

”بے حد ضروری کام تھا فادر..... مجھے اپنے مینکرس سے معلوم کرنا تھا کہ روشی نے میری

عدم موجودگی میں کوئی بھاری رقم تو نہیں نکلوائی۔ اس چھان بین کے دوران میں خاصی رات گذر

گئی تھی اس لئے میں نے تکلیف دینا مناسب نہیں سمجھا تھا۔!“

”کیا یہاں بینک رات کو بھی کاروبار کرتے ہیں۔!“

”نہیں.....! لیکن اپنے خصوصی تعلقات کی بناء پر میں جس وقت چاہوں اس قسم کے کام بھی

نجام دے سکتا ہوں۔ میں نے رات بھی ایک بینک کے جنرل منیجر کے یہاں بسر کی تھی۔!“

”یہ برسمیل گفتگو تھی.....!“ پادری مسکرا کر بولا۔ ”ورنہ مجھے ان باتوں سے کیا سروکار۔!“

”آپ جو کچھ بھی فرمائیں..... سر آنکھوں پر.....!“ پرنس خوش اخلاقی کے مظاہرے کے

لور پر مسکرایا۔

نہ ہو گا۔ کیا میں نے دیکھا نہیں تھا اس رات کو۔“

”رینا پلیر!“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا اور رحم طلب نظروں سے رینا کی طرف دیکھنے لگا۔  
ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کہنا چاہتا ہو خدا کے لئے پادری کو یہ نہ بتانا کہ روشی اس رات مجھے  
مارنے کے لئے دوڑا رہی تھی۔!

رینا کے ہونٹوں پر بے ساختہ قسم کی مسکراہٹ پھیل گئی۔

”بھئی میں منع کر رہا ہوں کہ اس قسم کی گفتگو نہ کرو۔“ پادری نے کسی قدر درشت لہجے میں کہا۔  
”میں معافی چاہتا ہوں فادر.....!“

”خیر ختم کرو..... لیکن اب روشی ہی واحد ذریعہ ہے اس تک پہنچنے کا۔“

”تو پھر میں کیا کروں فادر.....!“

”تمہیں کچھ بھی نہیں کرنا پڑے گا..... کیا وہ شام کو ہوا خوری کے لئے نکلتی ہے۔!“

”ہاں فادر..... پابندی سے ٹپ ٹاپ کلب جاتی ہے۔! وہ آج کل رات کو کھانا دیں کھا رہی ہے۔!“

”اچھی بات ہے تمہیں کچھ بھی نہیں کرنا پڑے گا۔!“

”ہاں میں یہی چاہتا ہوں فادر.....!“

”رینا تو اُسے پہچانتی ہی ہے۔ میں اور رینا یہ کام کر لیں گے۔!“

”اب میں مطمئن ہوں فادر.....!“ پرنس نے طویل سانس لی۔



روشی کی گاڑی ٹپ ٹاپ ٹاپ کلب کی کپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ باوردی ڈرائیور نے نیچے اتر کر  
بچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور وہ بڑی شان سے نیچے اتری۔!

برآمدے میں کھڑا ہوا بل کیپٹن اس کی پذیرائی کے لئے آگے بڑھا تھا پھر اُس نے اُس کی  
رہنمائی کلوک روم تک کی۔

یہاں اس کا کوٹ مناسب جگہ پر لٹکایا گیا..... اور پھر وہ ڈائیننگ ہال میں داخل ہوئی۔

ایک ویٹر اُسے اُس کی مخصوص میز تک لے گیا۔

وہ شہزادیوں کی شان سے کرسی پر بیٹھ کر آہستہ آہستہ ویٹر کو کچھ ہدایات دینے لگی۔ ویٹر بھی  
ادب سے جھکا ہوا اپنی نوٹ بک پر اس کی ہدایات تحریر کر رہا تھا۔

”تمہارا خیال ہے کہ تمہاری بیوی بھی حقیقتاً اسی بلیک میلر کے گروہ سے تعلق رکھتی ہے۔!“

”حالات نے مجھے ایسا سمجھنے پر مجبور کر دیا ہے فادر.....!“ پرنس نے مغموم لہجے میں کہا۔

”خیر خیر..... شیطان کے شر سے کوئی بھی محفوظ نہیں! میں یہ کہنا چاہتا تھا کہ وہ اُس کے گروہ

میں کسی امتیازی حیثیت کی حامل ہوگی۔!“

”یہ بھی ممکن ہے فادر.....!“

”تب پھر وہ اس کی مختلف کمین گاہوں سے ضرور واقف ہوگی۔!“

پرنس اچھل پڑا اور تھوڑی دیر تک حیرت سے پادری کی طرف دیکھتے رہنے کے بعد بولا۔

”عین ممکن ہے فادر..... اوہو..... مجھے تو اس کا خیال ہی نہیں آیا تھا۔!“

”اگر کسی طرح اُس سے اُسکے مختلف ٹھکانوں کے پتے معلوم کئے جاسکیں تو تلاش میں آسانی ہوگی۔!“

”بہت معقول تجویز ہے فادر.....!“

”تو پھر تم اس سے کس طرح معلوم کرو گے۔!“

”واقعی یہ مشکل کام ہے۔!“

”کیوں مشکل کیوں ہے۔!“ رینا بولی۔

”میں نے آج تک اس پر ظاہر نہیں کیا کہ اس کی طرف سے مشکوک ہوں۔!“

”اگر اس پر ظاہر ہو گیا تو..... کیا ہو گا۔!“

”مم..... میں..... کک..... کچھ..... نہیں کہہ سکتا۔!“

”تم حقیقتاً بزدل اور ڈرپوک ہو.....!“ دفعتاً رینا آنکھیں نکال کر بولی۔

”نہیں..... نہیں..... ایسی گفتگو نہیں۔!“ پادری ہاتھ اٹھا کر بولا۔

رینا نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبایا اور غصیلی نظروں سے دوسری طرف دیکھنے لگی۔

”تم میری..... بب..... بات بھی تو سمجھنے کی کوشش کرو..... میں آخر کس طرح اس کے

منہ پر ایسی باتیں کہہ سکتا ہوں۔!“

”مجھے کہنے دو کہ تم اُس کے غلام بن کر رہ گئے ہو۔!“ رینا پھر پڑھ دوڑی۔ ”دوسروں کے

سامنے اُس کے لئے غصے اور نفرت کا اظہار کرتے رہو گے۔ لیکن اُس کے آگے بھیگی ملی بن جاؤ

گے۔ حقیقتاً تمہیں اُس سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ اگر تمہاری کھال بھی اتار دے گی تو تمہیں شکوہ



ویٹر کے چلے جانے کے بعد اس نے اپنی سی نظر چاروں طرف ڈالی پھر وینٹی بیک سے آئینہ نکال کر اپنے چہرے پر تنقیدی نظریں ڈالنے لگی۔

اتنے میں دو افراد اُس کی میز کی طرف بڑھتے نظر آئے یہ ریٹاؤکس اور پادری فردی سنڈ تھے! روشنی نے سر اٹھا کر اُن کی طرف دیکھا اور پھر اس کی نظر ریٹا کے چہرے پر جم گئی۔  
”اوہو.... خوش آمدید....!“ روشنی نے اٹھتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔

”کیا یہ محض اتفاق ہے!“

”ہم تمہیں تکلیف دے رہے ہیں.... میری بچی....!“ پادری بولا۔

”اوہ.... فادر....!“ روشنی اس طرح چوکی جیسے پادری پر پہلی بار نظر پڑی ہو۔! پھر جلدی سے بولی۔ ”بیٹھے.... بیٹھے.... اور میری میز بانی قبول فرمائیے۔!“

”نہیں شکریہ....! ہم کھانا کھا چکے ہیں۔ لیکن میں کچھ دیر تمہارے ساتھ بیٹھنے کی دعوت ضرور قبول کروں گا۔!“

”میری خوش قسمتی ہے۔!“ روشنی مسکرا کر بولی۔ پھر گھور کر ریٹا کی طرف دیکھا۔

”تم بھی بیٹھ جاؤ....!“ پادری نے ریٹا سے کہا اور وہ زرا سامنے بنائے ہوئے بیٹھ گئی۔

”میں کیا خدمت کر سکتی ہوں.... فادر....!“ روشنی بولی۔

پادری نے انگلیوں سے کراس بنا کر اُسے دعائیں دیں۔!

”کوئی مشروب ہی فادر....!“ روشنی نے کہا۔

”اچھا کافی پی لوں گا.... میری بچی۔!“

”تم کیا پیو گی....!“ روشنی نے ریٹا سے پوچھا۔

”مجھے خواہش نہیں ہے۔!“

”تم میرے لئے عجیب سے جذبات کا اظہار کر رہی ہو.... کیا یہ سمجھ لوں کہ تم اس احق کی

امیدوار ہو۔!“

”فضول باتیں نہ کرو۔!“ ریٹا جھنجھلا کر بولی۔ ”وہ فادر سے رویا دھویا تھا۔ فادر سمجھوتہ کرنا چاہتے ہیں۔!“

”سمجھوتہ....؟ کیسا سمجھوتہ....! اس نے میری زندگی تلخ کر رکھی ہے۔!“

”تمہیں کیا شکایت ہے.... میری بچی۔!“

”اچھا تو سنئے.... اگر اس نے میری شکایتیں آپ تک پہنچائیں تو....!“

وہ جملہ پورا کئے بغیر بیک بیک خاموش ہو گئی۔!

”کہو.... کہو....!“

”نہیں.... میں کچھ نہیں کہنا چاہتی۔!“

”ابھی تو تم نے....!“

”جو کچھ بھی کہوں گی اس کی موجودگی میں کہوں گی۔!“

”اوہ.... تو یہ کون سی بڑی بات ہے.... یہ تو ابھی ہو سکتا ہے وہ میری قیام گاہ پر موجود ہے۔!“

”لیکن آخر سمجھوتہ کس بات کا....! میں اب اُس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔!“

”وہ تو ایسا نہیں چاہتا۔!“

”پھر میری بات کیوں نہیں مانتا.... مجھ پر اعتماد کیوں نہیں کرتا۔ کوئی عورت کسی ایسے مرد

کو برداشت نہیں کر سکتی جو اُس پر اعتماد نہ کرتا ہو۔!“

”لیکن اُس کی باتوں سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اس کی لگام تمہارے ہی ہاتھ میں ہے۔!“

ریٹا بول پڑی۔

”صبر صبر میری بچی.... تم فی الحال خاموش رہو۔!“ پادری نے نرم لہجے میں کہا۔

”اگر یہ بات ہے تو میں ابھی چلوں گی.... اسی وقت!“ روشنی غصیلے انداز میں اٹھتی ہوئی بولی۔

وہ بھی اٹھ گئے.... روشنی نے ہیڈ ویٹر کو بلا کر اپنا آرڈر کچھ دیر کے لئے ملتوی کرادیا۔

باہر نکل کر روشنی نے انہیں اپنی گاڑی میں بیٹھنے کی دعوت دی جو منظور کر لی گئی۔ پادری نے

بتایا کہ وہ ٹیکسی میں آئے تھے۔

وہ بہت کشادہ گاڑی تھی.... تینوں بچھلی سیٹ پر آرام سے بیٹھ گئے تھے۔

پادری نے ڈرائیور کو ہدایات دیں اور گاڑی حرکت میں آ گئی۔

پندرہ منٹ بعد وہ شہر کے بہت زیادہ مال دار لوگوں کی بستی میں جا پہنچے۔ یہاں کی عمارتیں ایک

دوسری سے فاصلے پر واقع تھیں۔

پائیں باغ سنسان پڑا تھا۔ برآمدے کی روشنی محدود تھی۔ وہ نیچے اترے.... پادری آگے چل

رہا تھا۔ وہ انہیں ایک وسیع ڈرائنگ روم میں لایا۔

”میں نے کہا تھا.... خاموش بیٹھو....!“

رینا سہم کر ایک طرف جا بیٹھی۔

اس نے روشی کی طرف دیکھا لیکن وہ ذرہ برابر بھی متاثر نہیں معلوم ہوتی تھی بلکہ اس کے دیکھنے کا انداز تو کچھ ایسا تھا جیسے سر کس کا کوئی مسخرہ اچانک تماش بینوں کے قریب اکھڑا ہوا ہو۔

”اب کرتب دکھاؤ اپنے....!“ دفعتاً روشی ہنس کر بولی۔ ”فادر فرڈی سنڈ بہت زندہ دل آدمی معلوم ہوتے ہیں۔!“

”ابھی معلوم ہو جائے گا زندہ دلی کا حال!“ سیاہ پوش غرایا۔ ”مجھے پی سی ڈھمپ کا پتہ چاہئے۔!“

”کیا یہ تمہارے سر کس کے کسی جانور کا نام ہے....؟“ روشی نے مضحکہ اڑانے والے انداز

میں پوچھا۔

”رینا اسے گھسیٹ کر اسی کرسی سے باندھ دو۔ جس کے بازو سے تھے لپٹے ہوئے ہیں۔!“

”تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا!“ دفعتاً روشی پھر گئی۔ ”اگر کسی نے مجھے ہاتھ لگایا تو اُسے پچھتانا پڑیگا۔“

”کیا بکواس کر رہی ہو تم....!“ رینا اٹھ کر روشی کی طرف جھپٹی لیکن قریب پہنچی ہی تھی کہ

روشی نے اس کی بائیں کنپٹی پر تھکی دے کر چڑاس ماری ہے تو وہ دھڑام سے فرش پر جا رہی ساتھ ہی اس کی کراہ بھی کمرے میں گونجی تھی۔

ٹھیک اسی وقت صدر دروازے کی طرف ”ارے ارے!“ کی ہانک سنائی دی۔

تینوں ہی متوجہ ہو گئے۔ پی سی ڈھمپ ان کی طرف رخ کئے ہوئے بائیں ہاتھ سے دروازہ

بولٹ کر رہا تھا.... اس کے داہنے ہاتھ میں ایک بڑا سا ڈنڈا کھائی دیا۔

رینا بولٹ کھلا کر اٹھ گئی۔

”تم روشی سے میرا پتہ پوچھ رہے تھے!“ اس نے نقاب پوش کو مخاطب کیا۔ ”میں خود ہی حاضر

ہو گیا۔ عورتوں کی آپس میں لڑائی بھڑائی مجھے قطعی پسند نہیں۔ انہیں تو صرف گنگنا تے رہنا چاہئے۔“

”اس وقت تم میرے ہاتھوں سے نہیں بچ سکو گے۔!“ نقاب پوش غرایا۔

”مجھے علم ہے کہ تم پر گولیاں اثر نہیں کرتیں۔ اس لئے اس وقت ڈنڈا ساتھ لایا ہوں۔!“

ڈھمپ نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ ”عورتو! تم سامنے والی دیوار سے لگ کر کھڑی ہو جاؤ.... ورنہ

ہو سکتا ہے کہ میرے ڈنڈے کو پچھتانا پڑے۔!“

”تم دونوں یہیں بیٹھو.... میں عبدل کو دیکھتا ہوں.... میرا خیال ہے کہ وہ لائبریری میں ہوگا۔“ پادری نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

روشی رینا کی طرف مڑی اور اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی مسکرائی۔ کچھ بولی نہیں.... رینا کے ہونٹ سختی سے بچھنے ہوئے تھے۔

کچھ دیر بعد روشی نے پوچھا۔ ”کیا عبدل تمہیں پسند ہے۔!“

”اس سوال کا مطلب....؟“ رینا غرائی۔

”وہ آج تک مجھ جیسی عورت کے قابو میں نہیں آسکا۔!“

”میں فضول باتیں نہیں سننا چاہتی.... یہ فادر فرڈی سنڈ کا معاملہ ہے وہی جانیں.... عبدل

کو ایک اپانچ کی حیثیت سے میرے پاس چھوڑ گئی تھیں۔!“

”لیکن تم نے اُسے توانا کر دیا۔!“ روشی ہنس پڑی۔

”میرا مضحکہ نہ اڑاؤ.... سمجھیں۔!“

اتنے میں عمارت کے کسی حصے سے کسی کے چیخنے کی آوازیں آئیں۔

”یہ کیا ہے....؟“ وہ دونوں بیک وقت چونک کر بولیں۔

پھر رینا اس دروازے کی طرف جھپٹی جس سے گذر کر پادری اندر گیا تھا.... لیکن وہ دوسری

جانب سے بولٹ کیا ہوا ملا۔

”تم کہاں جا رہی ہو۔!“ روشی اسکا بازو پکڑتی ہوئی بولی۔ ”میں سازش کی بوسو نگہ رہی ہوں۔!“

”سازش.... کیسی سازش....!“ رینا پھر کرسیوں کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔ لیکن اس کے

لہجے میں تسخر تھا۔

دفعتاً وہی دروازہ کھلا جسے رینا کھولنے کی کوشش کرتی رہی تھی۔ لیکن یہ پادری تو نہیں تھا۔ ان

کے سامنے ایک سیاہ پوش کھڑا تھا۔ جس کے چہرے پر منڈھے ہوئے غلاف سے دو خون خوار

آنکھیں انہیں گھورے جا رہی تھیں۔

”تت.... تم.... کون ہو....!“ رینا ہلکائی۔

”تمہارا چیف.... تم خاموشی سے ایک طرف بیٹھو....!“

”اوہو.... چیف.... اوہ.... فادر کہاں ہیں۔!“

روشی رینا کا ہاتھ پکڑ کر دیوار کی طرف گھسیٹ لے گئی۔

رینا کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے جسم میں جان ہی نہ رہی ہو۔ ایک سحر زدہ کی طرح روشی کے ساتھ گھسنتی چلی گئی۔

ادھر نقاب پوش نے ریو الوور نکال کر ڈھمپ پر ایک فائر جھونک مارا۔

لیکن ڈھمپ صرف چار فٹ کے فاصلے پر کھڑا مسکرا رہا تھا۔ رینا حیرت سے آنکھیں پھاڑے اُسے دیکھتی رہی۔

ایسی پھرتی اُس کے لئے بالکل نئی چیز تھی۔ فائر ہوتے ہی وہ بجلی کی طرح تڑپا تھا۔۔۔ اور اب بھی پہلے ہی کی طرح اپنی گھنی مونچھوں کی اوٹ میں مسکرائے جا رہا تھا۔

پھر تو سیاہ پوش۔۔۔ ریو الوور سے تابڑ توڑ فائر کرتا ہوا چلا گیا تھا اور ڈھمپ کے پاؤں زمین سے لگتے نہیں معلوم ہو رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ اڑ رہا ہو۔!

ریو الوور خالی ہو گیا۔۔۔ ڈھمپ کے پیر زمین سے لگے۔۔۔ سیاہ پوش نے جھلاٹ میں خالی ریو الوور اُس پر کھینچ مارا۔۔۔ لیکن وہ ڈھمپ کے ڈنڈے سے ٹکرا کر فرش پر گر پڑا۔

”اب تم میرے ڈنڈے کے کرتب دیکھو۔۔۔ اے ون۔۔۔!“ ڈھمپ نے کہا اور آگے بڑھ کر ڈنڈا اُس کے بائیں پہلو پر رسید کر دیا۔ وہ لڑکھڑایا اور پھر پاگلوں کی طرح ڈھمپ پر ٹوٹ پڑا۔۔۔

ڈھمپ نے پینتربا دل کر پھر ڈنڈا گھمایا۔۔۔ اس بار ڈنڈا اُس کے شانے پر بیٹھا تھا۔

”شانہ میں وقت ضائع کر رہا ہوں۔!“ دفعتاً ڈھمپ ہاتھ روک کر بولا۔

”جب تک تمہارا یہ خول نہیں اترے گا تم چوٹ نہیں کھاؤ گے۔!“

اس نے ڈنڈا ایک طرف ڈال کر سیاہ پوش پر چھلانگ لگائی۔ دونوں گتہ کر رہ گئے۔

رینا بڑی طرح ہانپ رہی تھی۔ فائروں کا حشر وہ دیکھ ہی چکی تھی۔ اس نے سوچا اگر چیف کو شکست ہو گئی تو کیا ہو گا۔۔۔ اس کے بھائی۔!

پھر ہر قسم کے خدشات اُس کے ذہن سے محو ہو گئے اور وہ ڈنڈا اٹھانے کے لئے جھپٹی لیکن اُسے منہ کے بل فرش پر گر جانا پڑا کیونکہ روشی نے اپنی ٹانگ اُس کی ٹانگوں میں پھنسا دی تھی۔

رینا چیخ چیخ کر اُسے بُرا بھلا کہنے لگی۔

دفعتاً ڈھمپ گرج کر بولا۔ ”روشی لڑکی کی حفاظت کرو۔ اگر اُسے چوٹ آئی تو اچھا نہ ہو گا۔!“

دفعتاً رینا چیخنے لگی۔۔۔ ”عبدل۔۔۔ عبدل۔۔۔ تم کہاں ہو۔۔۔؟“

لیکن عبدل کی آواز کہیں سے نہ آئی۔!

ادھر دونوں وحشی درندوں کی طرح ایک دوسرے پر پلے پڑ رہے تھے۔ ابھی تک کوئی کسی کو بچا نہیں دکھاسکا تھا۔

رینا پھر اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور بے بسی سے اُن دونوں کو دیکھے جا رہی تھی۔ اُسے اندازہ ہو گیا کہ وہ قوت میں روشی سے زیادہ نہیں ہے۔ لہذا خاموش رہنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا۔

اس نے محسوس کیا کہ ڈھمپ اس کے چیف کے جسم پر منڈھے ہوئے لباس کو اتار پھینکنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔!

پھر اچانک نہ جانے کیا ہوا کہ اُس نے اپنے چیف کو کراہتے ہوئے چاروں شانے چت کرتے دیکھا اور پھر یہ بھی دیکھا کہ وہ دوبارہ اٹھ بیٹھنے کی کوششوں میں بے بسی سے ہاتھ پیر مار رہا ہے۔

”یہی میں نہیں چاہتا تھا مسٹر اے ون۔۔۔!“ ڈھمپ نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔ ”اس داؤے ریڑھ کی ہڈی متاثر ہوتی ہے۔ اب تم خود سے نہیں اٹھ سکو گے۔!“

”عبدل۔۔۔ عبدل۔۔۔!“ رینا پھر چیخی۔

”عبدل کو بھی بلا دیا جائے گا۔ پہلے اپنے چیف سے ملو۔۔۔!“ روشی اُس کا شانہ تھپک کر بولی۔ ڈھمپ اس کا لباس اتارنے کی کوشش کر رہا تھا۔۔۔ اور نقاب پوش کے حلق سے عجیب سی بے ہنگم آوازیں نکل رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد صرف چہرے کا خول باقی رہ گیا۔۔۔ وہ چت پڑا کراہے جا رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس میں ضبط کرنے کی قوت ہی نہ رہ گئی ہو۔!

ڈھمپ رینا کی طرف مڑ کر بولا۔ ”اب اپنے چیف کا چہرہ دیکھو۔۔۔!“ پھر اس نے چہرے کا خول بھی اتار پھینکا۔

”فادر۔۔۔ فرڈی ہنڈ۔۔۔!“ رینا کی زبان سے بے ساختہ نکلا۔

”ہاں۔۔۔ فادر نے بہت جلدی میں یہ خول اپنے جسم پر چڑھایا تھا ورنہ یہ ڈاڑھی اس وقت برآمد نہ ہوتی۔!“

پادری نے آنکھیں سختی سے میچ لیں اور ڈھمپ جھک کر اس کی گردن میں کچھ ٹٹولے لگا۔ دفعتاً

جھڑانے کی آواز آئی اور ڈاڑھی سمیت ایک خول اور اس کے چہرے پر سے اتر گیا۔

”کر سنو پاؤلس....!“ رینا پھر چیخی۔

”تمہارے چیف کے تین روپ....!“ ڈھمپ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

رینا کچھ نہ بولی.... اس کا سر نرمی طرح چکر لایا تھا۔

کر سنو پاؤلس اسی طرح ہاتھ پیر پٹختے پٹختے دفعتاً بے حس و حرکت ہو گیا۔

”کیا تمہیں یقین ہے کہ عبدل یہاں موجود ہے۔!“ ڈھمپ نے رینا سے پوچھا۔

”ہاں....! فادر نے مجھ سے یہی کہا تھا۔!“

”بکواس کی تھی.... وہ اسے یہاں سرے سے لایا ہی نہیں تھا۔! تمہیں وہاں سے سیدھا کلب

لے گیا تھا۔!“

”میں کچھ نہیں چاہتی.... مجھے میرے بھائی واپس دے دو۔!“ رینا کسی نفی سی بچی کی طرح

بلبل اٹھی۔

”عبدل سے نہیں ملو گی۔!“

”میں اس سے ملنا چاہتی ہوں.... لیکن وہ چیخ کس کی تھی....؟“

”وہ چیخ بھی اُسی کی تھی۔ تمہیں باور کرانا چاہتا تھا کہ اس نے فادر کو بے بس کر کے چوہن اپنے

کنٹرول میں کر لی ہے۔ وہ چیف اور فادر کی شخصیتیں بالکل الگ الگ رکھنا چاہتا تھا۔ تم پر ظاہر کرنا چاہتا

تھا کہ فادر کا ان معاملات سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ تو ازراہ خدا ترسی یہ سب کچھ کر رہا ہے۔“

”میرے بھائی.... میں کیا کروں....؟“

”کیا تم اور تمہارے بھائی یہاں ایک غیر قانونی حرکت کے مرتکب نہیں ہو رہے تھے۔!“

رینا کچھ نہ بولی۔

”تمہارے بھائی محفوظ ہیں۔!“ ڈھمپ کچھ دیر بعد بولا۔

”کیا یہ مر گیا....؟“ روشی نے کر سنو پاؤلس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

”نہیں بے ہوش ہے....! ہوش میں آنے کے بعد شاید صحیح الدماغ نہ رہ جائے۔ ریزھ کی

ہڈی کے جڑک سے اس کا میڈیولا بھی متاثر ہوا ہے۔!“

”تم نے ایسا دوا ہی کیوں آزمایا کہ بیکار ہو جائے۔!“

”مجبوری تھی.... کسی طرح قابو ہی میں نہیں آ رہا تھا۔ ایسے طاقتور لوگ کم ہی نظر سے

گذرے ہیں۔!“

”میں تو ایک غیر قانونی حرکت کی مرتکب ہوتی رہی ہوں۔!“ دفعتاً رینا غصیلی آواز میں بولی۔

”لیکن تم کون سا بڑا نیک کام انجام دیتے رہے ہو.... گندے بلیک میلر....!“

روشی ہنس پڑی.... اور ڈھمپ اُسے گھورنے لگا۔

”آنکھیں نہ دکھاؤ مجھے.... یہ لڑکی مجھ سے زیادہ خوبصورت نہیں ہے۔!“ روشی نے کہا۔

”عبدل کہاں ہے.... مجھے اس سے ملا دو....!“ رینا نے مضطرب سی آواز میں کہا۔ وہ سوچ رہی

تھی الجھنا بیکار ہے ہو سکتا ہے اس کی عاجزی اس بلیک میلر کو موم کر سکے اور وہ اس کے بھائیوں کو

کسی قسم کا گزند پہنچائے بغیر چھوڑ دے۔

”تم اس سے مل کر اب کیا کرو گی۔!“

”فی الحال اس کے علاوہ یہاں اور کوئی میرا ہمدرد نہیں۔ ہو سکتا وہ میرے لئے بھی تمہارے

مطالبات پورے کر سکے۔!“

”اے خاموش رہو.... وہ میرا شوہر ہے۔!“ روشی ہنس کر بولی۔

”خدا مجھے غارت کرے.... میں یہ کیا کر بیٹھا ہوں۔!“ ڈھمپ اپنی پیشانی پر ہاتھ مار کر بولا

اور رینا اُسے حیرت سے دیکھنے لگی۔

روشی ہنستی رہی.... اور ڈھمپ نے رینا سے کہا۔ ”تم روشی کے ساتھ محل جاؤ.... عبدل

تمہیں وہیں ملے گا۔!“

”کیا اب میرے لئے کوئی اور جال بن رہے ہو۔!“

”نہیں! عبدل سے منہ مانگی قیمت وصول کر کے تمہارے بھائیوں کو رہا کر دوں گا اور کوشش

کروں گا کہ تم تینوں صحیح سلامت یہاں سے چلے جاؤ.... کیونکہ تم ایک نیک دل لڑکی ہو۔!“

رینا کچھ نہ بولی۔ روشی اس کا ہاتھ تھامے ہوئے باہر نکلی تھی اور اپنی گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔

اس نے رینا سے کہا۔ ”مجھے شدت سے بھوک لگ رہی ہے لہذا پہلے ہم کلب ہی چلیں گے۔!“

رینا خاموش رہی.... اس کی دگر فنگی بڑھتی جا رہی تھی۔ کلب میں روشی نے کچھ کھلایا اور

اسے زبردستی کافی پلائی۔

رہی ہوں۔“

پھر عمران محل سے نکل کر اپنے فلیٹ میں پہنچا تھا.... اور اندر داخل ہونے سے پہلے عبدل المنان کا میک اپ ختم کر دیا تھا!

دستک دیتے ہی دروازہ کھلا اور جوزف نے کھوپڑی باہر نکال کر پلکیں جھپکائیں اور پھر مڑ کر اندر دیکھا۔

اب جو عمران کی طرف مڑا تو اس کا منہ پھیلا ہوا تھا اور آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہوتی جا رہی تھیں۔ پھر وہ دھڑام سے الٹ گیا۔ عمران دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ ظفر جو اسی میک اپ میں تھا بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

”گھبراؤ نہیں....!“ عمران بولا۔ ”یہ مجھے بھوت سمجھ کر بیہوش ہو گیا ہے! پچھلی رات اس نے کوئی ڈرانا خواب بھی دیکھا ہو گا!“

دوسری طرف سے سلیمان کی چیخ سنائی دی۔ ”ارے باپ رے.... کبھی خود کشی کرتے ہیں اور کبھی دو ہو جاتے ہیں!“

”کیوں غل غپاڑا مچا رہا ہے!“ عمران نے اُسے ڈانٹا۔

”میں تو چلا جناب....! دو کہ تاؤ سنبھالنا میرے بس سے باہر ہو گا!“

”اے تو میں کب بولتا ہوں!“ ظفر نے عمران ہی کے انداز میں کہا۔ ”میرا تو گلا بیٹھا ہوا تھا!“

”یہی تو میں کہوں کہ مرغ کیوں اڑ رہے ہیں روزانہ....!“ سلیمان آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ظفر کو دیکھتا ہوا بولا۔



”آپکو میری تلاش کس لئے تھی...؟“ عمران نے بڑے ادب سے رحمان صاحب سے پوچھا۔

”محض یہ معلوم کرنے کے لئے کہ محکمہ خارجہ نے ظفر الملک اور اُس کے ملازم کے جیل سے فرار ہو جانے میں کیوں مدد دی تھی۔“

”خاندان سے خارج کر دیئے جانے والے کو شاید محکمہ خارجہ کا سربراہ کہتے ہیں!“ عمران نے بڑے بھولے پن سے پوچھا اور رحمان صاحب ایک دم بھڑک اٹھے۔

”بیہودگی ختم کرو.... تم کہاں غائب تھے!“

پھر وہ اسے محل نمائندگی میں لائی تھی۔ یہاں عبدل موجود تھا اور اُس کے دونوں بھائی بھی تھے۔ رینا نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

”مم.... میں تمہاری.... شکر گزار ہوں عبدل....“ دفعتاً وہ رو پڑی۔ ”زندگی بھر تمہیں یاد رکھوں گی!“

”محبت نہ کرنے لگنا....!“ روشی ہنس کر بولی۔

”بکواس بند کرو!“ عبدل نے غصیلے لہجے میں کہا اور روشی اُسے گھورتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

اب وہ چاروں خاموش تھے۔

”کیا وہ اسی طرح آزاد رہے گا!“ رینا نے عبدل سے پوچھا۔

”پولیس بھی تو ہے اُس کے پیچھے۔! زیادہ دنوں تک آزاد نہیں رہ سکے گا.... تمہارا معاملہ نہ ہوتا تو میں اُسے پولیس کے حوالے کر دیتا۔ اب تم لوگ کچھ دنوں تک یہیں مقیم رہو گے اور میں دیکھوں گا کہ تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔!“



دوسری صبح روشی عبدل سے پوچھ رہی تھی۔

”آخر تم اس پر ظاہر کیوں نہیں کر دیتے کہ عبدل اور ڈھمپ دونوں ایک ہی ہستی کے دو روپ ہیں۔!“

”نہیں میں ایسا نہیں کر سکتا.... وہ ایک اچھی لڑکی ہے اپنی دانست میں اپنے ملک کی خدمت انجام دے رہی تھی اور پھر میں نے اسے بہت قریب سے دیکھا ہے اگر میں اس پر یہ ظاہر کر دوں تو اسے گہرا صدمہ پہنچے گا۔!“

”اُس کے چیف کے تین روپ تھے لیکن تمہارے چار ہیں۔ ڈھمپ، عبدل، عمران، ایکس ٹو ویسے تم حقیقتاً صرف ڈھمپ ہو.... کوئی میرے دل سے پوچھے.... بالکل ڈھمپ۔!“

”سنا ہے، جولیا ٹانٹر واٹر نے صدیقی سے شادی کر لی۔!“ عمران بولا۔

”سب اسی طرح شادیاں کر لیں گے اور تم ڈھمپ کے ڈھمپ ہی رہو گے۔“

”میں ڈھمپ ہی بھلا....!“ عمران کانوں پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

”اب یہ عبدل کا خول چہرے سے اتارو.... کب سے تمہاری مسببی صورت دیکھنے کو ترس

”آپ کے لئے بھی کچھ کام کرتا رہا تھا۔ آپ آج کل بہت پریشان ہیں آپ کے محکمے کے راز آپ کے ہاتھوں سے نکل جاتے ہیں۔“

رحمان صاحب کچھ نہ بولے۔ عمران کلائی کی گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔ ”اگر آپ میرے ساتھ چل سکیں تو یہ تماشہ بھی دکھا دوں....! آپ کو بھی اس پر تشویش تھی کہ محکمہ خارجہ گڑے مردے کیوں اکھاڑ رہا ہے۔“

”تم مجھے کیا دکھاؤ گے.... کہاں چلنا ہے۔“

”آپ کے محکمے کے ایک ڈائریکٹر صاحب کے ہوٹل تک۔“

”میرے محکمے کے کسی ڈائریکٹر کا کوئی ہوٹل نہیں ہے۔“

”بیگم صاحبہ کے ہوٹل پر ان کا بھی حق ہے۔“ عمران کے لہجے میں تلخی تھی۔

”کیا وہ وہاں موجود ہو گا۔“

”میں ایک کیبن وہاں ریزرو کر چکا ہوں اگر موجود بھی ہوا تو پکڑے جانے سے پہلے آپ کو نہ دیکھ سکے گا۔“

رحمان صاحب کسی سوچ میں پڑ گئے۔ پھر وہ اس کے ساتھ جانے پر تیار ہو گئے تھے۔ حالات ہی ایسے تھے کہ وہ اس پر مجبور تھے۔ ورنہ یوں کھڑے گھاٹ عمران کے ساتھ کہیں چلے جانا ان کے شایان شان نہ تھا۔ یہ حقیقت تھی کہ ان کے محکمے کے کئی راز باہر چلے گئے تھے اور وہ اس سلسلے میں بے حد پریشان تھے۔

کیفے چار منگ کے ایک کیبن میں دونوں داخل ہوئے اور عمران نے پردہ کھینچتے ہوئے گھڑی پر نظر ڈالی اور رحمان صاحب کے مقابل بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد اس نے ایک طرف سے پردہ ہٹا کر رحمان صاحب کو ہال میں دیکھنے کا اشارہ کیا۔

”اوہو.... ابو سلیمان....!“ وہ آہستہ سے بڑبڑائے۔

آنے والا کاؤنٹر کی طرف گیا تھا اور کاؤنٹر کلرک نے اٹھ کر اُسے تعظیم دی تھی۔ پھر ایک آدمی اور کاؤنٹر کے قریب آکھڑا ہوا۔ اس کے بغل میں ایک بڑا سا پیکٹ دبا ہوا تھا۔ ابو سلیمان نے اس کے ہاتھ سے پیکٹ لے لیا۔

”اٹھئے....!“ عمران نے رحمان صاحب سے کہا اور وہ دونوں کیبن سے نکل آئے۔ ابو سلیمان

کارخ بھی اسی طرف تھا۔ رحمان صاحب پر نظر پڑتے ہی وہ بوکھلا گیا۔ پیکٹ کاؤنٹر پر رکھ کر ان کی پذیرائی کے لئے آگے بڑھا۔ رحمان صاحب خاموش کھڑے اُسے گھورتے رہے پھر خشک لہجے میں بولے۔ ”اُس پیکٹ میں کیا ہے۔“

”اوہ.... جی.... تصویر.... ہے جناب! مونا لیزا کی نقل تیار کرائی ہے ایک آرٹسٹ سے۔“

تصویر لانے والا جا چکا تھا۔

”اس تصویر سمیت میرے ساتھ چلو....!“ رحمان صاحب غرائے۔

”مگ.... کیوں جناب عالی....؟“

عمران نے جھپٹ کر تصویر کاؤنٹر سے اٹھالی تھی۔ ابو سلیمان کی پیشانی سے پسینے کی دھاریں بہہ رہی تھیں۔ حالانکہ آج بھی سردی شدید تھی۔!

آدھے گھنٹے بعد رحمان صاحب کے آفس میں ابو سلیمان کے علاوہ ڈپٹی ڈائریکٹر سعید بھی موجود تھا اور عمران تصویر کا فریم اکھاڑنے میں مشغول تھا فریم کھوکھلا تھا اس کے اندر چاروں طرف شیشے کی ٹلکیاں تھیں جن میں زرد رنگ کا سیال بھرا ہوا تھا۔

”یہ ایک نشہ آور سیال ہے اور صرف انہیں لوگوں سے مل سکتا ہے جن سے یہ حاصل کرتے ہیں یہ اس کے اس بُری طرح عادی ہو گئے ہیں کہ اس کے بغیر ایک گھنٹہ بھی نہیں گزار سکتے۔“ عمران نے کہا اور خاموش ہو کر ان دونوں کو گھورنے لگا۔ ان کے چہرے زرد تھے اور وہ خوف زدہ نظروں سے عمران کو دیکھتے جا رہے تھے۔

”ان لوگوں نے انہیں اس کا عادی بنایا اور پھر اچانک سپلائی منقطع کر دی۔“ عمران طویل سانس لے کر بولا۔ ”مقصد یہ تھا کہ انہیں یہاں کے راز ان کے حوالے کر دینے پر مجبور کر دیا جائے۔“

انہیں جب بھی کوئی خاص بات معلوم کرنی ہوتی تھی اس شے کے آفسر کی سپلائی روک دیتے تھے اور پھر ایک مخصوص نشان کے ذریعہ کہیں اپنی موجودگی کا اشارہ کر دیتے اور آفسر صاحب ان کی تلاش میں دوڑے جاتے تھے کیوں سعید صاحب؟ آپ کے لئے کیوڈ کا نشان الاٹ کیا گیا تھا تاہم مونہے سانپ کی شکل والی کمان اس کیوڈ کے ہاتھ میں ہوتی تھی.... اور اس بار وہ آپ سے یہی تو معلوم کرنا چاہتے تھے کہ کوٹھی نمبر چھ سو چھیاسٹھ والا کیس دوبارہ کیوں اکھاڑا گیا ہے۔“

دفعۃً سعید کی گردن ایک طرف ڈھلگ گئی.... وہ بیہوش ہو گیا تھا ابو سلیمان کی حالت بھی

لوگوں کو اس پر آمادہ کر لینا بے حد مشکل کام تھا۔ میں نے اسی شرط پر اُن کی گلو خلاصی منظور کی ہے کہ انہیں اس اسکیم پر عمل پیرا ہونا پڑے گا۔ وہ اس پر تیار ہیں کر سٹو پاؤلس کے دوسرے ساتھیوں کے بارے میں چھان بین کی جا رہی ہے اُن میں سے جتنے بھی غیر قانونی ذرائع سے ملک میں داخل ہوئے ہیں چپ چاپ موت کے گھاٹ اتار دیئے جائیں گے۔ دوست کہہ کر ہمیں گلے لگانے والوں کے ساتھ اس کے علاوہ اور کیا برتاؤ کیا جاسکتا ہے۔“

”اس پر گولی کیوں نہیں اثر کرتی تھی.... اور جیمسن نے اُسے اڑتے دیکھا تھا۔“ دفعتاً نعمانی بولا۔ ”کیا اُسے جیمسن کا وہم سمجھا جائے۔“

”وہ سیال سبز مادہ.... تجزیے کے لئے ڈاکٹر داؤد کی لیبارٹری میں بھجوا دیا گیا تھا۔“ عمران نے سر کھجا کر کہا۔ ”رپورٹ آگئی ہے اتنا وقت نہیں ہے کہ اس کے بعض اجزاء کے کیمیائی عمل کے بارے میں تفصیل سے گفتگو کی جاسکے۔ بس اتنا سمجھ لو کہ گولی اس سے گذر کر کھال میں نہیں بیسٹ ہو سکتی۔ لباس کی اوپری سطح ضرور پھٹ جاتی تھی لیکن جیسے ہی گولی اس سیال مادے سے مس ہوتی تھی فوری طور پر اس کا دباؤ صفر ہو کر رہ جاتا تھا۔ رہ گئی اِزان کی بات تو وہ مشین بھی میرے ہاتھ آگئی ہے۔ کوئی نئی چیز نہیں۔ کئی ترقی یافتہ ممالک کی ہوائی فوج اسے استعمال کر رہی ہے۔ پیراٹروپرس اُسے بھی جسم سے باندھے رہتے ہیں۔ اگر انہوں نے دیکھا کہ پیراٹروپرس کی ڈوریاں اپنے جسم سے الگ کر دیتے ہیں یہ مشین بہت ہی مختصر اِزان کے لئے کار آمد ہوتی ہے۔ بس اتنی ہی کہ وہ جو لیا کی کھڑکی سے چھلانگ لگاتے ہی اس مشین کو چلا دے اور خود فٹ پاتھ پر گرنے کی بجائے قریبی مکان کی چھت پر پہنچ جائے۔“

اس کے بعد کسی نے اور کوئی سوال نہیں کیا۔

یہاں سے اٹھ کر عمران جیمسن کی عیادت کے لئے گیا۔ وہ بستر پر چٹ پڑا ہوا تھا۔ عمران کو دیکھ کر خالص کلاسیکی انداز میں کراہنے لگا۔ ”آہ! چرخ کج رفتار کو میری صحت ایک آنکھ نہ بھائی! تقدیر نے حادثات سے چغلی کھائی اور اس بھوت کے آگے کچھ نہ بن آئی۔

”میں تمہارے لئے توبہ النصوح لایا ہوں۔“ عمران آبدیدہ ہو کر بولا۔

”شکریہ.... شکریہ.... جناب.... پڑھنے کو کچھ بھی نہیں رہا۔“

”یہ لو....! لیکن خیال رہے کہ دس پیسے یومیہ کے حساب سے اس کا کرایہ جائے گا۔“

غیر تھی۔ عمران نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور بولا ”اب تم ہی بتاؤ گے اب تک کون کون سے راز ان تک پہنچائے ہیں۔!“

”مم.... میں....!“ ابو سلیمان ہکلیا۔

”شٹ اپ....!“ رحمان صاحب گر بے اور گھٹی بجانے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔



سائیکو مینشن کے ایک کمرے میں وہ سب جمع تھے اور عمران دیر سے اس کیس کی اونچ نیچ پر لیکچر دیتا رہا تھا۔ وہ خاموش ہوا تو صفر بول پڑا۔

”اب کیا حال ہے کر سٹو پاؤلس کا....!“

”اس کی لاش مردہ خانہ میں پڑی ہوئی ہے۔ گھٹناؤ رازو سے ریڑھ کی ہڈی پر لگ گیا تھا۔“

”اس کا بیان....؟“ تویر نے آنکھیں نکال کر سوال کیا۔

”بھئی کوئی اُن کا گلہ دانا تاکہ یہ اس کا بیان لینے کے لئے روانہ ہو سکیں۔“ عمران نے ایسے

مضحکہ انداز میں کہا کہ سب ہنس پڑے۔

تویر اٹھ کر چلا گیا۔ عمران اس کے پیچھے ہانک ہی لگا تا رہ گیا تھا۔ ”ارے میاں وہ شادی کا

ڈھونک تھا۔ صدیقی بچارہ اس وقت بھی عدیم الشال ہے۔“

”بکو مت....!“ جولیا جھلا کر غرائی۔

دفعتاً عمران سنجیدگی اختیار کرتا ہوا بولا۔ ”یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ کر سٹو پاؤلس کیا ب قسم

کی نشہ آور اشیاء کے ذریعہ اعلیٰ عہدیداروں کو اپنا غلام بناتا رہا تھا۔ اس کے علاوہ یہاں اُس کی

موجودگی کا اور کوئی مقصد نہیں تھا۔ طریقہ یہ تھا کہ اس کے لئے کام کرنے والے زیادہ تر ایک

دوسرے سے واقف نہیں تھے۔ وہ پادری فردی سنڈ کی حیثیت سے قانونی طور پر ہمارے ملک میں

بھی اس کی واپسی کا سرکاری طور پر اندراج ہونا چاہئے۔“

”یہ کس طرح ممکن ہے۔“ صفر اسے گھورتا ہوا بولا۔

”قطعی ممکن ہے۔! رینا اور اس کا ایک بھائی کل ہی یہاں سے روانہ ہوں گے۔! اس کا وہ بھائی

پادری فردی سنڈ کے میک اپ میں ہو گا اور اسی کے پاسپورٹ پر سفر کرے گا۔ دوسرا بھائی پھر کسی

موقع پر نکال دیا جائے گا۔ اس بات پر میں تمہاری آنکھوں میں تمسخر دیکھ رہا ہوں۔ حالانکہ ان

”تو کیا یہاں کتابیں کرائے پر بھی ملتی ہیں۔!“

”قدم قدم پر.... ہر گلی کے موڑ پر.... تمہیں کسی نہ کسی لائبریری کا بورڈ ضرور نظر آئے گا۔ بہر حال آج ہی ختم کر لی تو دس پیسوں ہی پر مل جائے گی۔!“

”یہ تو بڑا اچھا بزنس ہے.... اب میں غالب کمر بند والی اسکیم ڈراپ کر دوں گا۔ خوب کرائے کی لائبریری.... ونڈر فل۔!“

عمران کے استفسار پر وہ اُسے غالب کمر بند کے بارے میں بتانے لگا۔

”گھبراؤ نہیں.... تمہیں بھی پالوں گا۔!“ عمران سر ہلا کر بولا تھا۔



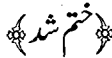
ایئر پورٹ پر رینا کی روائی کا منظر متاثر کن تھا۔

اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ پاس ہی جرمی ڈکسن پادری فرڈی سنڈ کے روپ میں کھڑا ہوا تھا۔

دفعۃً وہ پرنس عبدالمنان سے بولی۔ ”تم فرشتے ہو.... بے غرض نیکی کرنے والے.... زندگی بھر تمہیں یاد رکھوں گی۔ اس بات کی خوشی ہے کہ روشی ایک دم بدل گئی اس نے میری دلجوئی کی ہے۔ میں اس کا احسان بھی کبھی نہیں بھولوں گی۔ تم دونوں بہت یاد آؤ گے۔ کبھی تم دونوں میرے ملک میں بھی آؤ۔ حالانکہ ہم لوگ مالدار نہیں ہیں پھر بھی تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔!“

”ہم ضرور آئیں گے....!“ عبدالمنان بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”جیری کی طرف سے تم بالکل مطمئن رہنا.... اسے کوئی تکلیف نہ ہوگی اور بہت جلد بحفاظت تم تک پہنچ جائے گا۔!“

رینا کی آنکھیں بھر آئی تھیں اور وہ انہیں پھیلا پھیلا کر آنسو پینے کی کوشش کر رہی تھی۔!



﴿ختم شد﴾